۷۸۶

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ فَٱعْبُدِ ٱللَّهَ مُخْلِصًا لَّهُ ٱلدِّينَ

اِثباتُ التوحید

۱۹۳۷

"یہ کتاب قاضی فضل احمد صاحب پنشنر کورٹ انسپکٹر پولیس لدھیانوی کی کتاب انوار آفتاب صداقت" کے جواب میں لکھی گئی ہے جسمیں قاضی صاحب موصوف نے اہلحدیث اور جماعت حنفیہ دیوبندیہ کے عقائد شمار کر کے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ، مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نیز متعدد علمائے دیوبند اور مولانا اشرفعلی صاحب تھانوی پر کفر کا فتوےٰ صادر فرمایا ہے۔ اثبات التوحید میں قریباً بتیس ۳۲ مختلف مسائل پر بحث کر کے قرآن و حدیث کے دلائل کی رُو سے انسپکٹر صاحب کے اعتراضات کو توڑ دیا گیا ہے۔ اور آخر اہل سنّت کا جو عقیدہ ہونا چاہئے اُسے بالوضاحت درج کر دیا گیا ہے"

از

الراجی الی رحمۃ اللہ حکیم محمد حسین القریشی العلوی امین آباد پنجاب

۱۳۵۶ھ

ملنے کا پتہ: حکیم غلام مصطفےٰ تاجر کتب کوچہ چابک سواراں لاہور

بار اوّل ــــــ قیمت ایک روپیہ (عہ)

تمہید

زلافِ حمد و نعت ادبے است بر خاکِ ادب خفتن
درُودے بیتواں گفتن سجُودے بیتواں کردن

برادرانِ اسلام! یہ ناچیز تالیف کوئی عالمانہ تالیف نہیں ہے۔ بلکہ اپنے دلی جذبات و خیالات کا صحیح خاکہ ہے۔ اپنے بزرگانِ سلف اور علمائے دین کی صحبت سے جو کچھ فیض حاصل کر سکا ہوں۔ اسکو اپنی عقلِ سلیم کے مطابق جیسا پایا سپردِ قلم کر دیا ہے۔ میں اپنی کم علمی و بے مائگی کو تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد بَلِّغُوا عَنِّی وَلَوْ آیَةً پر عمل کر کے اس ادنیٰ سعی پر اکتفا کرتے ہوئے کتاب ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔ امید ہے کہ تمام دینی بھائی اس کو بنظرِ استحسان ملاحظہ فرمائیں گے۔ اور اسکے معنوی حسن و قبح پر بدلائل مطلع ہو کر ناچیز مؤلف کو بھی مطلع کرینگے۔ اور اس سے نہ صرف میرے ہی شکریہ کے مستحق ٹھہریں گے۔ بلکہ عند اللہ بھی اجرِ عظیم کے مستوجب قرار پائینگے۔

اعزہ و احباب کے اصرار پر یہ کتابچہ حوالۂ پریس کرتا ہوں۔ ورنہ علمائے کرام کی صحبت کی حاضری میں مشاورت کا ارادہ تھا۔ اور اس کو بہتر بنانے کی متعدد تجاویز ذہن میں تھیں۔ بہرحال توکل علے اللہ یہ کام جیسا کچھ بھی ہو سکا ہے اربابِ علم کی نذر کیا جاتا ہے۔

آخر میں مجھے ان حضرات کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے جنہوں نے جرأت و ہمت دلائی۔ اور تحریر سے مدد دی۔ اور بالآخر اشاعت کی توقع دلائی۔ امید ہے کہ یہ سب بھائی اس کتاب کی اشاعت سے مسرور ہونگے۔ اور دعا فرماوینگے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عنایت فرماوے۔ اور قیامت کے دن سرخروئی عنایت ہو۔ والحمد للہ رب العالمین

مولوی محمد امین صاحب لائل پوری۔ مولانا عبد الجلیل صاحب مولوی فاضل۔ حافظ محمد شریف صاحب منشی برکت علی صاحب و برادرم عبد الغفور کا بہت ہی ممنون ہوں کہ انکی حسن سعی سے یہ کتاب بخیر و خوبی چھپکر ہدیہ احباب ہے۔ جزاهم الله احسن الجزاء۔

"[illegible]"

مقصدِ وحید

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ
تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا
لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ
ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا
وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ
وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ
هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ
اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَ
فِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ
عَلَى النَّاسِ ۚ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ
وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ
فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَ
نِعْمَ النَّصِيْرُ ۝

ہدیہ

اس ناچیز تصنیف کا مقصد اشاعتِ توحید ہے اور اہلِ
اسلام کے نزدیک حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ
والسلام بقولے اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اس اصول
کے سب سے پہلے مبلغ اور امام ہیں۔ لہٰذا اس ادنیٰ ہدیہ کو آپ کے
نام نامی سے منسوب کر کے درگاہِ الٰہی میں پیش کیا جاتا ہے
امید ہے کہ وہ ذاتِ بے نیاز اسے قبول فرما کر ہم سب کے
لئے ذریعہ زادِ راہ بنا دے گی ؎
شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

خاکسار مؤلف

فہرست مضامین

نوٹ - معترض کی عبارات جو اس کتاب میں بتائی گئی ہیں - وہ بجنسہ نہیں لکھی گئیں - بلکہ ملخصاً اور اُن کا مفہوم بتایا گیا ہے - کیونکہ اختصار کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

دیباچہ

۱۹۳۲ (۹۱۱)

نحمد من تفرد بالقدم فکل شئ ما سواہ مسبوق بالعدم لا شریک لہٗ فی الخلق والتدبیر ولا اختیار لاحد فی ملکہ من التغییر والتطہیر حتی لا یشفع الانبیاء الا بعد اذنہ ولا نجاۃ لاحد الا بلطفہ ومنہ ونصلی علی افضل البرایا شفیع الامم الذی لولاہ ما اخرجت الدنیا من العدم والذی علمنا براھین التوحید والاسلام واخرجنا من ظلمات الاشراک وعبادۃ الاصنام وعلی آلہٖ واصحابہٖ وعلی ناصری دینہٖ ومحبیہٖ

بیحد تعریف اس ذات پاک کی جو ہمیشہ اکیلا ہے پس ہر شے سوا اسکے حادث ہے اور نہیں کوئی اسکا شریک پیدا کرنے اور تدبیر میں اور نہیں اختیار کسی کو اسکے ملک میں پھیکلنے اور بدل کے برابر یہانتک کہ نہ شفاعت کرینگے نبی بغیر اسکی اجازت کے۔ اور نہ ہوگا چھٹکارا کسی کا مگر اسکے لطف اور احسان سے۔ اور درود ہو اوپر افضل خلقت اور شفیع الامم کے جو اگر نہ پیدا ہوتے وہ تو دنیا ہی پیدا نہ ہوتی جس نے سکھائیں ہم کو دلیلیں توحید اور اسلام کی۔ اور نکالا ہم کو شرک اور بت پرستی کے اندھیروں سے۔ اور (رحمت اور درود ہو) اوپر اسکی آل اور اصحاب کے اور اسکے دین کے مددگاروں اور اسکی محبت رکھنے والوں پر (آمین)

خود پرست اور حیلہ ساز علما کا مختصر حال

اما بعد میں نہایت پریشانی اور حیرانی سے اپنی پراگندہ خاطر سے یہ چند اوراق رقم کرتا ہوں۔ بہ نیت ثواب اخروی۔ نہ کہ بغرض مطالب دنیا و ناموری۔ اللہ کریم میری ہمت کو بلند فرما دیں اور اس نیت کی تکمیل کیلئے آسان وسائل عطا فرما دیں۔ اور اسکے پڑھنے سننے والوں کو توفیق عمل ہو۔ آمین یا رب العالمین ۔

چونکہ اس زمانہ طوفان بے تمیزی میں جدھر نظر اٹھائی جاتی ہے۔ ایک نیا عالم اور نیا ہی شعبدہ نظر آتا ہے اور گھبراہٹ سی پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ آزادی زمانہ نے اسقدر بے باکی پیدا کردی ہے کہ ہر سو بدعات کی دھوم، رسومات کا ہجوم، حیلہ تراشیوں کا جمگھٹا، خود ستائی کا بازار

گرم اور مولویت کا حلقہ وسیع (خواہ اس حلقہ میں کم علم، بدعتی اور حیلہ تراش لوگ بھی داخل ہو جاویں) اور ہر ایک بدعتی مفتی بنتا نظر آتا ہے۔ ایسے پاک اور بے عیب دین کو لوثِ حیل سے ملوث کر رہے ہیں۔ اور جو علمائے حق اور فدایانِ اسلام ترد اکے سپرد رہے ہیں۔ اُن پر کفر و شرک کے فتوے لگائے جاتے ہیں۔ اور اُنکے مذہب کو طرح طرح کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اللہ کریم نے تو اس طوفان سے بچنے کیلئے بہتیرے کشتیبان بھیجے ہیں اور بھیج رہا ہے۔ مگر اسی گھر کے اہل ہی (یعنی وہ لوگ جو اپنے کو علما کہلاتے ہیں) بدعات کے طوفان میں غرق ہوتے جا رہے ہیں۔ اسی قدر نہیں۔ بلکہ دیگر ناشناسانِ حق و علوم دینی کو بھی اپنے ساتھ کرکے اُنکے بوجھ کو اپنے ذمہ لے رہے ہیں۔ (ان بیچاروں نے تو علما ہی کے کہنے پر چلنا ہے) اور ہر آیت و حدیث کو ایسی طرح ڈھال کر اپنے مطلب کا بنا لیتے ہیں کہ ہر ایک کی طاقت نہیں کہ اُنکی کارستانی کو سمجھ لے۔ ایسی مولویت ہی کی بدولت اسقدر فرقے بنگئے ہیں کہ دینِ حق کا ایک یتیم کی طرح دھکے رسید ہوتے اور (نعوذ باللہ) ایک کھوٹے درم کی طرح در بدر پھرتے اور گیند کی طرح چوگان کی چوٹیں کھاتے اور ادھر اُدھر پھرتے پھراتے کہیں پتہ ہی نہیں چلتا۔ شیعہ، مرزائی، نیچری، سوڈانی، دہری اور دیگر ہزارہا خیالی فرقے اسی مولویت ہی کا نتیجہ ہیں جنکو آج مفتی کہلوانے کا فخر حاصل ہو رہا ہے۔ اسی قدر نہیں بلکہ ہر ایک فرد بشر کا علیحدہ مذہب ہے۔ اور سبکے سب اپنی اپنی جگہ ناجی کہلاتے اور دوسروں کو کافر کہتے ہیں۔

عجب یہ ہے کہ اکثر اہل علم کو دیکھا گیا ہے کہ اپنے دین رسولی سے برگشتہ ہو کر عیسائی مرزائی، نیچری، دہری وغیرہ مذاہب میں داخل ہو گئے ہیں۔ وہ بھی اپنے کو مولوی اور عالم سدواتے اور اپنی نادانی کو دوسروں کے علم پر ترجیح دیتے ہیں (کئی ایسی زندہ مثالیں موجود ہیں) جنہیں دیکھ کر جہلا کا فرقہ اور بھی لاپروا ہوتا جا رہا ہے۔ بمصداق ؎

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا باشد مسلمانی

کیونکہ انکی عنانِ دین تو کچھ ہی علما کے ہاتھ میں۔ یہی وجہ ہے کہ یوم الحساب کو علما ہی کی کارنامہ سیاہ اور حیلہ تراش مولویوں اور خودستا زہد داروں اور بدعتی مکاروں اور علمائے سلف کے عدیم ناہنجاروں اور دینِ حق میں تحریف کرنیوالے غداروں اور نئے نئے دین اور رسومات کے اثبات پر فخر کرنیوالے عالموں سے ہی دوزخ پُر ہوگا (استغفر اللہ) کیونکہ انہوں نے اپنے فرائض کو پس پشت ڈالکر اپنی نفس پرستی کی طرف رجوع کر لیا ہے۔

دیکھا جاتا ہے جسقدر تعصب، حسد، بغض، خودستائی، خدا فراموشی، نفس پروری، دین برباری اور دنیاوی جاہ و جلال کا خیال اس علما کی قوم میں ہے۔ دیگر قوموں میں اسقدر نہیں ہے شاید یہ لوگ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ کے معنی نہیں جانتے یا اس خدا کے فرمان کو ہیچ

نہیں جانتے۔ باوجودیکہ علما کے عمل کی رگڑ دوسری قوموں کو نشان ڈالنے کا کافی ذریعہ ہوتا ہے اور اسکا نشان بھی پختہ نشان ہوتا ہے (جیسا کہ بعض بدعتی علما و دنیا پرست عالموں کے اعمال کو دیکھ دیکھ کر دین حق میں اسانید بگڑ گئی ہیں) مگر پھر بھی دوسری قوموں نے جو شیوہ کا ملکہ رکھتی ہیں انکی رگڑ کا احساس بہت کم کیا ہے ؎

جو میانصاحب نجات المومنین اور پکی روٹی پڑھ گئے وہ لگے دیگر علما پر فتوے کفر لگانے۔ بھلا جو گلستان، بوستان پڑھ لیں اور دیوان حافظ کا مطالعہ شروع کر دیں۔ اُن کی عظمت کون اُٹھائے۔ نوبت یہاں تک پہنچی۔ کہ بعض علما نے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب صحیح بخاری پر جرحیں کیں۔ اور انکی جمع کردہ احادیث کو ناکمل، غیر صحیح اور بے سند قرار دیدیا۔ اور طرح طرح کی حجتیں نکالیں۔ چنانچہ اسی باب میں ایک کتاب "الجرح علی البخاری" نظر سے گزری۔ جسکے مطالعہ سے اللہ کریم نے بچا رکھا۔ اور دوسری کتاب "ابا طیل وہابیہ" دیکھی جسکے مصنف نے نمبروار اکثر احادیث بخاری کو لے لیکر جرح کی۔ گویا بخاری علیہ الرحمۃ کو وہابی اور انکی کتاب کو غلط ثابت کرنا چاہا۔ مصداق يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ۔ اس علم حدیث کے کمل نور کو زائل کرنا چاہا۔ اللہ کریم ایسے علم و عمل سے ہر ایک کلمہ گو اپنے حفظ و امان میں رکھیں۔ آمین ؎

ایک عالم صاحب سے سُنا۔ فرمانے لگے۔ کہ بخاری (امام کا لفظ چھوڑ کر اور کیہ صورت بنا کر) کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے سخت عداوت تھی۔ اسواسطے اُس نے اپنی کتاب میں امام صاحب کی کوئی حدیث نہیں لکھی۔ اور نہ اُنکے مذہب کا ذکر کیا"؎

خوب! ایسے علما بھی جلدی سے جرح کر سکتے ہیں۔ جنکو پتہ نہیں کہ حدیث کیا چیز ہے اور قول کسے کہتے ہیں؟ اور صحیح بخاری حدیث کی کتاب ہے یا فقہ کی؟ حالانکہ امام بخاریؒ نے اس مذہب کی تکمیل کیلئے احادیث صحیحہ کو فراہم کر کے تمام امت محمدیہ کیلئے دین میں آسانی کر دی ہے۔ اور آپ کی کتاب کو کل علما نے باتفاق رائے "اصح الکتب بعد کلام اللہ" مانا اور قرار دیا۔ اور خود امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "اذا صح الحدیث فھو مذھبی" تو فرمائیے جناب! اگر بخاری پر جرح کرنیوالے لوگ حنفی اور ناجی فرقہ سے ہیں۔ تو اصح الکتب بعد کلام اللہ کہنے والے کون ہوئے؟ اگر یہ حنفی تو جرح کرنیوالے کون؟ تو یا ننا چاہیئے۔ کہ بیشک صحیح بخاری کی احادیث تمامتر بموجب اتفاق رائے علما سلف صحیح ہیں۔ اور بموجب قول امام ابی حنیفہ رحؒ کے بھی احادیث بخاری امام صاحب کے مذہب میں داخل ہیں۔ تو اُن پر جرح کرنیوالا کون ہے؟

حق شناسی و دین پروری دُور چلی گئی - یہ حصہ صرف علمائے سلف کیلئے تھا - جو باوجود فروعی اختلاف کے ایکدوسرے کو بُرا نہ کہتے تھے - اور سب کو اہل سنت میں سے جانتے تھے - اور تفرقی جماعت کا باعث نہ ہوتے تھے - اب تو علما میں صرف جرح، نکتہ چینی، حسد، بغض اور خودستائی ہی رہگئی ہے - جو علمائے کرام دین حق کیلئے اپنی جانوں اور مالوں کو تلف کر کرکے اعلائے کلمۃ الحق کے بدلے جیلخانوں میں جا رہے ہیں - جو قریبًا تمام ائمہ سلف کی سنت ہے اور طرح طرح کے مصائب میں گرفتار ہو رہے ہیں - اُنکو وہابی پکارا جاتا ہے - وہ خود تو وہابی مذہب کا نام بھی نہیں جانتے - مگر خود پرست لوگ اپنی گرہ سے ہی اُن پر یہ بہتان باندھتے ہیں - حق پرستی و حق گوئی ہزار سے ایک میں ہے - بھلا ایک کا اثر ہزار پر کیا ہوتا ہے ؟ یہی تو وجہ ہے - کہ دین حق کے معاذاللہ پرزے پرزے کرکے بہت سے خیالی مذاہب نے آپس میں تقسیم کر لئے - اور لگے دھجیاں اُڑانے - ہمارے ہاں تو یہ ساری مصیبت سلطنت اسلامی نہ ہونیکی وجہ سے ہے - بھلا اگر عمرؓ فاروق سا عدل گستر اور موحد امیرالمومنین اسلام کا خلیفہ ہو - تو کیوں نہ ایسا ہوتا - کہ جو حاجی لوگ حجراسود کو تعظیم کا بوسہ دیتے دیتے بعد میں اُس پر ماتھا بھی رگڑنے لگ پڑے - تو اُس غیور امیرالمومنین نے وحدانیت کی غرض سے اس پتھر کو یُوں مخاطب کیا - کہ "اگر آنحضرت علیہ التحیۃ والسلام نے تجھ کو بوسہ نہ دیا ہوتا - تو میں اسی وقت تم کھاڑ کر تجھے بیت اللہ سے باہر پھینکتا - (کیونکہ تیری تعظیم کی نوبت اب شرک تک پہنچ رہی ہے) تو اس کلام کے سُنتے ہی حجراسود شق ہو گیا - (اور ابتک اُسمیں نشان باقی ہیں) *

آجکل کے بعض علما کا شیوہ ہے - کہ کسی بدعت کی رسم کی سند کیلئے یہ پیش کرتے ہیں - کہ فلاں بدعت بدعت حسنہ ہے - کیونکہ فلاں مسلمان بادشاہ کے عہد میں اُسنے رواج پکڑا - اور واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم میں سے ہو کر یہ ماننا بھی ضروری ہے" *

ایسے ناآشنائے علم کو یہ معلوم نہیں - کہ اُن بچارے بادشاہوں کو عمومًا علم دین سے کماحقہٗ واقفیت نہ ہوتی تھی - اور وہ سب کام علما کے فتووں اور قاضیوں کے حکموں سے کرتے تھے - اور انہی علماؤں اور قاضیوں نے اپنی نفس پرستی کیلئے بدعات کے جواز پر مُہریں کردیں اور وہ متاخرین بدعتیوں کیلئے سندیں بنگئیں - اور اُنکے زمانوں میں جس اللہ کے بندے نے کلمۂ حق کو بلند کیا - تو اُن قاضیوں نے اس خیال سے کہ ہماری عزت کم ہو جاویگی اُس پر قتل کا فتوے دیدیا *

عبدالملک، حجاج بن یوسف، ہارون الرشید، ہلاکو خاں (جو شیخ سعدیؒ کے زمانہ میں ہوا) اباقاآن وغیرہ امرا المومنین کے دفتروں میں علمائے حق سے جو جو سلوک ہوا ظاہر و باہر ہے -

ماموں الرشید کے عہد میں قاضیوں اور علما نے جو کچھ شیخ عبدالعزیز الکنانی سے کیا۔ وہ اس مسئلہ پر بخوبی روشنی ڈالتا ہے۔ اولی الامر سے ایک واقعہ سن لیجئے۔ وہو ہذا:-

شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ سے بڑھکر محتاط اور پردہ پوش راوی کون ہوگا؟ اخبار الاخیار میں بضمن حالات شیخ عبدالقدوس گنگوہی (جو شیخ عبدالنبی کے جد امجد تھے) لکھتے ہیں "یکے از نبائر او شیخ عبدالنبی بود۔ کہ تحصیل بعضے علوم رسمیہ نمودہ در جوانی متوجہ حرمین شد و پیش بعضے از فقہا بلکہ برخے از حدیث نبوی برخواند (الفاظ پر غور کرو۔ پیش فقہا لکھتے ہیں نہ کہ پیش محدثین۔ اور اس پر بھی "برخے") بعد از اں بوطن عود کرد۔ و بتشدد و تقشف منسوب شد باپدر و اعمام بجہت مسئلہ توحید سماع در افتاد و لاجرم باعث ایذا و کلفت بسیار شد و ایں باعث شہرت او گشت۔ بادشاہ وقت صدرے میخواست کہ بصفت علم و دیانت متصف باشد بتوسط بعضے اسباب و وسائل بر مسند صدارت نشست۔ شہرت و عزت زیادہ از استحقاق داشت۔ چوں منصب صدارت یافت و دریں امر کوس استقلال و استبداد زد۔ و از مال و جاہ و اعتبار زیادہ از انچہ داشت گفتہ شود نصیب او شد۔ بادشاہ را (یعنی اکبر را) بوے اعتقاد عظیم پیدا شد۔ و مردم بسبب آں در نظر اعتبار ش بحقارت در آمدند۔ با اشراف و اکا صل کمتر از مراتب ایشاں سلوک می نمود۔ و بحکم بمزاج او راست نشد و بمعیار قبول اتمام نیامدہ محروم ماند۔ بعد از ہر دو سنین مزاج سلطنت بسبب بعضے حوادث باوے منحرف شد و از منصب صدارت معزول گشت اورا و ملا عبداللہ سلطانپوری را کہ دانشمند بود۔ مقدم و رئیس و از زبان افغاناں تا ایں زمان معتبر و معزز و ملقب بمخدوم الملک و بجزم و متانت و تجارت امور و جمع اموال موصوف بود (شاہ صاحب کس طرح پڑے پڑے ہیں علمائے جبل کا حال لکھ رہے ہیں) بمکہ فرستادند و ہر دو را کہ مدتہا باہم منازع و مخالفت بودند بصورت رفیق یکدیگر ساختہ بجانب آں بقعہ شریف رواں کردند۔ اما باوجود آں ہرگز میان ایشاں نہ در اثنائے طریق و نہ در آں مقامات شریفہ اتفاق و رفع کدورت صورت بست۔ آخر بہ سبیری ہم دو رجوع نمودند و فائدہ نہ کرد۔ الخ

یہ تو علما و قاضیان شاہان اسلام کا حال ہے۔ اس سے بھی بڑھکر اور سنئے۔ کہ بعض علما نے ائمہ سلف کی نسبت بہتان باندھے۔ اور کذا عند فلاں و فلاں لکھ دیا۔ مثلاً

ہارون الرشید نے ایکبار قاضی ابو یوسفؒ سے کہا۔ کہ ایک لونڈی پر میرا جی آگیا ہے۔ مگر وہ کہتی ہے۔ کہ تیرے باپ مہدی کی مدخولہ ہوں فہل عندک فی ھٰذا شئ؟ یعنی اس بارے میں تمہارے پاس کوئی مفید فتوے ہے؟ قاضی ابو یوسفؒ نے کہا۔ ہاں! کیا ضروری ہے کہ مجرد ایک لونڈی کا بیان سچ سمجھ لیا جائے۔ آپ اسکے دعوے کی تصدیق ہی نہ کیجئے۔ کیونکہ

کذب سے مامون نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارک یہ واقعہ نقل کر کے لکھتے ہیں "میں نہیں جانتا ان تینوں میں سے کس کے حال پر زیادہ متعجب ہوں؟ ہارون الرشید کے حال پر جو اپنے باپ کی حرمت سے باہر ہوا۔ یا اُس لونڈی پر جس نے امیر المومنین سے روگردانی کی اور من ھذا الفقیہ الارض وقاضیہا قال اھتک حرمۃ ابیک واقض شہوتک وصیرہ فی رقبتی"۔

اس سے بھی بڑھکر مصیبت یہ ہے۔ کہ اسقاط زکوٰۃ کا مخدوم الملک الاحیلہ اُن کی جانب منسوب کیا گیا ہے۔ امام غزالیؒ احیاء العلوم میں نقل کرتے ہیں "کہ قاضی ابو یوسفؒ ہر سال اپنا تمام مال بیوی کے نام کے ہبہ کر دیتے۔ اور وہ اختتام حول سے پہلے اُنکے نام پھیر دیتی۔ اس طرح زکوٰۃ ساقط سمجھ لی جاتی۔ اور اس پر طرہ یہ کہ جب حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ واقع نقل کیا گیا۔ تو اُنہوں نے بہت داد دی۔ اور فرمایا "ھذا من فقہ ابی یوسف" یہ واقع نقل کر کے امام غزالیؒ لکھتے ہیں۔ کہ اسمیں شک نہیں۔ کہ جمع دنیا کیلئے تو یہ بہت اچھی فقہ ہے مگر آخرت میں اس سے بڑھکر کوئی چیز نقصان پہنچانیوالی نہیں ہوسکتی۔ اور یہی وہ علم ہے جو نافع ہونیکی جگہ ضار و مہلک ہے"۔

مولانا ابوالکلام صاحب آزاد ان نقلوں کے بعد لکھتے ہیں "بظاہر ان واقعات کو پڑھکر طبیعت میں خلجان پیدا ہوتی ہے۔ اگر دقتِ نظر سے کام لیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے۔ کہ یہ اور اسی طرح کی منسوبات قطعاً ناقابلِ اعتنا و بلکہ داخلِ اکاذیب و بہتان ہیں حضرت قاضی ابو یوسف اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہما کا مقام اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے کہ ایسے منکرات و شنائع کا اُنکی نسبت وہم بھی کیا جاسکے یہ سارے حیلے بعد کے علمائے حیل و علمائے دجل و فساد کے تراشے ہوئے ہیں اور یقیناً انہوں نے ہی بضاعت ردیہ کے رواج دینے کیلئے اِنکو ائمہ سلف و فقہاء امصار کے نام سے منسوب کر دیا" انتہی

یہ تو علما و فقہا کا حال اور سلامی سلطنتوں کی اسناد کا ظہور ہے۔ اسی امر سے ہے۔ کہ امام احمد بن حنبلؒ سے اسلامی سلطنت اور علمائے حیل نے کیا ناقابلِ برداشت سلوک کیا؟ کیا یہ امام بھی برخلافِ سنت تھے؟ یہ تو شرع نبویؐ سے سر مو تجاوز نہ کرنیوالے تھے۔ تو علمائے حیل اور اسلامی سلطنت نے اُنکے مبارک جسم کو کوڑوں سے لہولہان کر دیا۔ اور اُنکو اُنکے عقاید حقیت سے انحراف کرانا چاہا۔ کیا یہ بھی وہابی تھے؟

اختلافِ امت کے وقت سنّت کو مضبوط پکڑنا

ایسے فتنہ و فساد کے واقعات پڑھکر رشک در رشک پڑتا جاتا ہے۔ اسی واسطے اہل علم کو بجائے خود سیرۃ نبوی صلعم پر عمل کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس اسوہ حسنہ سے بڑھکر اور کس کی تقلید مفید ہو سکتی ہے۔ کیونکہ جناب سرورِ کائنات کا ارشاد ہے۔ اخرج البیھقی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من تمسّک بسنّتی عند فساد امتی فلہٗ اجر مائۃ شھید (مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسّنّۃ) بیہقی نے ابوہریرہؓ سے نقل کیا۔ کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے چنگل مارا یعنی عمل کیا میری سنت پر میری امت کے فساد (اختلاف) کے وقت تو اُسکو سو شہید کا ثواب ملیگا"۔

تو اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ جو مسائل کتاب و سنت سے ظاہر نہیں ہیں۔ اور اُن میں اختلاف امت ہے۔ تو اُن کا ترک کرنا اولیٰ ہے۔ اور جو عمل محدثین اور ائمہ سلف سے ہی مختلف فیہ ہو۔ وہ ہر دو طرح سے مسنون ہی ہے۔ جیسا کہ آمین بالجہر یا رفع یدین وغیرہ کے جواز پر بھی احادیث ناطق ہیں اور اسکے خلاف بھی۔ تو یہ ہر دو طرح جائز ہوا۔ نہ کرنیوالے کو طعن کی جاوے اور نہ کرنیوالے پر ملامت۔ ہاں! جو لوگ ان کا جواز صاف حدیثوں میں پاکر پھر اِن اعمال کے عامل پر طعن کرے وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے ہونگے۔ اور جو شخص سنّت کے پیروؤں اور مختلف فیہ مسائل سے دستبردار لوگوں کو کافر کہے۔ وہ کفر اسی کے گلے کا ہار ہوگا۔

آمدم برسرِ مطلب

پیچھے ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ علمائے حیل نے ائمہ سلف پر بہتان باندھنے سے کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ تو اب اگر حال کے بدعتی علما مولوی اسمٰعیل صاحب شہیدؒ اور امام ابن تیمیہؒ و مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم پر بہتان کسیں۔ اور اُن پر کفر کے فتوے تھونپ دیں۔ تو عجب کیا ہے؟

مولوی اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کی کتاب تقویۃ الایمان جو کہ توحید پر ایک یگانہ کتاب ہے اس پر جو نکتہ چینیاں ہو رہی ہیں۔ اور جو جو تاویلیں کی جا رہی ہیں۔ اور یہ سب کچھ اُنکی تحریر کی نافہمیدگی کے سبب سے ہے۔ یا خود ستا لوگوں کا کوئی خاص عناد ہے جسکی وجہ سے

اس کتاب کو کفریہ اور اسکے مصنف علیہ الرحمتہ کو کافر لکھا جارہا ہے ایک عجیب داستان ہے ؁
علما کا حق تھا - کہ چونکہ انسان ایک غیر معصوم ہستی ہے اسلئے اگر کسی اہل سنت و پابند اسوہ حسنۂ نبوی صلعم سے نسیانًا کوئی غیر منصوص بات خلاف شرع ہو جاوے - تو اس پر بدظن ہونے کی بجائے ایسا الزام اس سے دور کرنا چاہئے تھا - اور انکی ایسی تحریر کو جو سہوًا کہیں درج ہوئی ہو اسطرح سے اسکی شرح لازم تھی کہ ان پر کسی طرح کی بدظنی نہ ہو - جبکہ انہوں نے اشاعت اسلام کیلئے اپنی جانوں تک سے فرق نہ کیا ہو - تو اگر ان سے کوئی ایک آدھ غلطی بھی ہو جاوے - تو کیا یہ قابل چشم پوشی نہیں ہوسکتی ؟ ایسی ہی غلطیوں کی شفاعت کیلئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم منتخب ہیں - اور پردہ پوش خود اللہ عزوجل - مگر صاف ظاہر ہے کہ جو لوگ ایسے بزرگوں کی غلطیاں بیان کرکے ان پر کفر لگاتے یا انکے عقیدوں کو برا کہتے ہیں - ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی وجہ سے ہم بھی اہل علم میں مانے جاویں - چونکہ یہ نفسانی غرض ہوتی ہے اور نفسانی غرض رکھنے والا مجنون ہوتا ہے اور مجنون کی بات قابل اعتماد نہیں ؁

حالانکہ علامہ شہید علیہ الرحمتہ نے جو کچھ لکھا اور عمل کیا - وہ سب مطابق نص قطعی اور احادیث صحیحہ کے ہے اور توحید پر ایک گونجتی ہوئی آواز ہے - علمائے مطلب پرست کا غلطی پر چشم پوشی کرنا تو کجا - انکے حق کو نہ سمجھ سکے اور نہ حق کی مطابقت کی - بھلا جو حق کی مطابقت نہ کرسکے اس سے عفو کی امید کیا ہوسکتی ہے ؟ فاعتبروا!

اس کتاب کے لکھنے کا مطلب یہ ہے - کہ زمانۂ حال میں ایک کتاب مسومہ "انوار آفتاب صداقت" مصنفہ جناب حاجی قاضی فضل احمد صاحب کورٹ انسپکٹر پولیس پنشنر شہر لدھیانہ شائع ہوئی ہے جسمیں حضرت امام ابن تیمیہ رح اور مولانا اسمٰعیل شہید دہلوی اور مولوی اشرفعلی صاحب تھانوی و مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی و دیگر تمام علمائے کرام دیوبند کی تکذیب کیگئی ہے اور ان تمام بزرگان دین کے عقائد کو خارج از اسلام کرکے ان پر کفر کے فتوے تھوپے گئے ہیں اور نہایت سخت بہتانی تازیانے لگائے گئے ہیں ؁

عجیب یہ ہے - کہ ان تمام بزرگوں اور ان کا سا عقیدہ رکھنے والوں کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز قرار دیا ہے اور ایسے ہی اسطرح کے عقائد والوں کو اپنی مسجدوں میں داخل ہونے اور نماز پڑھنے سے روکا گیا ہے - سبحان اللہ ! ایسے مفتری لوگ مقلد تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بنتے ہیں - مگر انکے فرمان وَالصَّلٰوةُ خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَّفَاجِرٍ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ جَائِزَةٌ کی تقلید سے منکر - یہی نہیں بلکہ فرمان باریتعالےٰ کے بھی خلاف - بموجب آیہ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا الآیہ - کیا کہا جاوے یہ عجیب نہیں ہے کہ نہ تو اللہ کریم

کا ارشاد قابلِ عمل اور نہ فرمانِ نبوی اور نہ ہی خود امام صاحب کا حکم قابلِ تقلید مگر جو بدعتی اور خود پرست علما فتوے دیدیں وہ پتھر پر لکیر۔ اور پھر بھی ایسے لوگ اہل سنت اور حنفی ہی بنے رہیں کیا یہ امام صاحب کے مقلد ہیں یا دشمن ؟ فاعتبروا!

لہذا حمیت اسلام اور عقیدت بزرگانِ دین کے جوش سے مذکورہ کتاب نا صواب کا جواب بقدر ہمت لکھنے کا ارادہ کیا۔ اللہ کریم سے دعا ہے۔ کہ بطفیل احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم میرے ذہن کو روشن اور فہم کو رسا بناوے۔ تاکہ یہ کتاب باحسن طریق انجام پاوے۔ اور راقم کی اس نیک نیتی کو موجب ثواب اخروی بناوے۔ آمین ؁

نیز راقم نے مذکورہ بالا کتاب کے مصنف انسپکٹر صاحب کی زبان سے اپنے کانوں سنا کہ جو علما ترکِ موالات اور عدم تعاون وغیرہ کا فتوے دیکر نصاریٰ کے خلاف کر رہے ہیں یہ سب کے سب وہابی ہیں اور ایسے وہابی اسکی کتاب نا صواب میں کافر مشرک، مرتد ٹھیر چکے ہیں۔ خدا جانے مسلمان کون ہیں ؟

ہمت تو انسپکٹر صاحب موصوف نے بہت کی۔ مگر تعصب سے۔ کاش! اسکی بجائے کوئی مفید خلائق اور نتیجہ خیز کام کی طرف متوجہ ہوتے۔ جس سے نیکی برباد گناہ لازم کے مصداق نہ بنتے اور تمام اہلِ اسلام کی دعا کے مستحق ٹھیرتے ؁

معترض کو چاہیئے تھا۔ کہ انصاف سے کام لیتے۔ اور ایسے بزرگانِ دین اور مجاہد عالموں کی توہین کیلئے قلم نہ اُٹھاتے جنکی توصیف کیلئے ایک عالم رطب اللسان ہے۔ بفرضِ محال اگر ان بزرگوں کی تصانیف اور عقائد پر شبہ تھا۔ تو یوں ہی سمجھتے کہ بہت سے اہلِ اسلام اُنکے مداح ہیں میری نکتہ چینی سے کیا حاصل؟ اور اُن کا معاملہ اللہ پر چھوڑتے۔ ہاں! گو ان بزرگانِ دین کے بہت سے حاسد بھی ہیں جنھوں نے ان کو بُرے بُرے الفاظ سے موسوم کیا اور اُنکی تصانیف پر اعتراض رکھے۔ مگر اکثر اُنکے موافق بھی تو ہیں۔ خواہ مخالفوں سے کم ہی ہوں۔ مگر یہ تو نص قطعی سے ثابت ہے۔ کہ "وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ"

چنانچہ علامہ شہید صاحب کی کتاب تقویۃ الایمان پر جرح کر کے معترض نے اسکی عبارتوں کو اپنے مطلب پر ڈھال کر یہ ثابت کیا ہے کہ شہید صاحب کا مذہب وہابی تھا۔ خدا جانے! شہید صاحب کے مطالب کو اپنے مطلب کیطرف ڈھال لینے سے معترض کا منشا کیا ہے خدا کی قسم! اگر شہید صاحب زندہ ہوتے۔ تو معترض کو ترکی بترکی جواب دیتے۔ اور ایسا سینہ سپر کرتے۔ کہ پھر کبھی مخالفت کا نام نہ لیتا۔ خبر نہیں! معترض کی غرض اس سے کیا تھی ؟ شاید مولوی صاحب کے مذہب سے واقفیت نہ ہوئی۔ یا کہ اس کتاب کا منشا نہ سمجھا۔ یہ نادر کتاب تو صرف

مسئلہ توحید کی بنا پر لکھی گئی۔ کیونکہ اسلام کی بنیاد ہی توحید ہے۔ جب توحید کے اصول سے کما حقہٗ واقفیت نہ ہو۔ تو دوسرا اعمال کیونکر کامل ہو سکتے ؟

معترض نے جو جو فقرات تقویۃ الایمان سے لیکر اُن پر جرحیں کی ہیں۔ اُنکے آگے پیچھے کی عبارتوں کو نظر انداز کرکے اپنے تعصب کا نمونہ دکھا دیا ہے۔ اور نیز اپنی کتاب کے اخیر میں شہید صاحب کے کچھ حالات غیر مکمل روایات سے لکھکر افترا سے کام لیا ہے۔ ان حالات کے لکھنے پر "تاریخ وہابیہ و دیوبندیہ" سے سندیں لی ہیں۔ وہ شی لعل خاں کی تصنیف ہے۔ جو سراسر تعصب اور جھوٹ سے بھری ہے ؟

میں عرض کر چکا ہوں۔ کہ احیاء العلوم مصنفہ امام غزالی علیہ الرحمۃ میں امام ابو یوسف اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہم کی نسبت کیا کچھ مرقوم ہے۔ تو تاریخ وہابیہ جو تعصب سے لکھی گئی۔ یہ کہاں تک معتبر ہو سکتی ہے۔ اسکا اعتبار اور سچائی اخیر کتاب میں بتا دونگا اور ظاہر کر دونگا کہ یہ کتاب قطعًا نا قابلِ اعتماد ہے ؟

زمانہ کا تو قدیم سے یہی حال رہا ہے کہ ایک دوسرے پر طعن و ملامت کرنے سے علما بھی باز نہ رہ سکے۔ کوئی کسی کے موافق کوئی کسی کے مخالف۔ یہانتک کہ طعن و طنز سے اصحاب کبار اور آنحضرت علیہ التحیۃ والسلام بلکہ خود ذات سبحانہ بھی نہ بچ سکے۔ ے

ما نجی اللہ والرسول معًا ۔۔۔ من لسان الوریٰ فکیف انا

قیل ان الالہ ذو ولد ۔۔۔ قیل ان الرسول قد کہنا

ایک قوم صاحب کتاب نے اللہ عزوجل کو صاحب ولد قرار دیدیا۔ جو آجکل سب سے مہذب مانی جاتی ہے۔ اور بعض نے سرورِ انبیا کو ساحر، مجنون، کاہن کہا۔ اور ایک فرقہ جو اہلِ اسلام میں داخلہ کا مدعی ہے وہ اصحاب کبار کی توہین کر رہا ہے۔ اب اگر کوئی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور مولانا اسمٰعیلؒ جیسی بزرگ ہستیوں کو کافر کہدے۔ تو تعجب کیا ہے ؟ مگر جو لوگ انصاف پسند تھے اُنہوں نے جان لیا۔ کہ اللہ عزوجل لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ہے۔ اور آنحضرت سید المرسلین، حامد، قاسم، امین، رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین ہیں۔ اور اصحاب کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین سے عناد رکھنے والا اخدا سے جنگجو ہے۔ اور دیگر بزرگان دین بلکہ تمام اہلِ اسلام کے حق میں یہ عقیدہ رکھا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا اور یوں دعا کرتے رہتے ہیں اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ ؟

غور کیجئے اگر علامہ شہید صاحب نے اپنی زندگی میں کیا کیا کام کئے یعنی بہت سے لوگوں کو راہ راست پر لائے۔ بدعتی علماؤں کو جھٹلایا۔ رسموں کو ہٹایا۔ شادی اور مرنے پر جو جو رسومات

ہوتی تھیں اُنکو روکا۔ رنڈیوں کو دوبارہ نکاح کرو لیٹے کسبیوں کو بھی نکاح کروائے۔ بدعات کی رسومات کا انکشاف کرکے اُنکے سدِ راہ ہوئے، دینِ اسلام کو سکھ قوم نے مٹانا چاہا تھا جنہوں نے علانیہ نماز پڑھنے اور اذان دینے سے روک دیا ہوا تھا۔ اور مسلمان بیچارے حضرت عمرؓ کے ایمان لانے سے پہلے کی طرح امورِ دینی کو خفیہ ادا کرتے تھے۔ تو شہیدؒ صاحب نے فاروقؓ کی طرح تلوار ننگی کر کے گلے میں لٹکالی۔ اور جہاد پر آمادہ ہوگئے۔ اور کافروں کی کئی صفیں غارت کر کے شہید ہوگئے انا للہ و انا الیہ راجعون (شہید صاحب کے حالات اسی کتاب میں آگے چلکر ملاحظہ فرمائیے)۔

اِس پر معترض یوں رقمطراز ہے۔ کہ اگر مولویصاحب حق پر ہوتے۔ تو قوم کفار پر فتح پاتے اور شہید نہ ہوتے۔ سلف کے اہلِ اسلام (صحابہؓ) اگرچہ تھوڑے ہوتے تھے۔ مگر زیادہ تعداد کے کافروں پر فتح پاتے تھے۔

تو اس بات کا جواب یہ ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کافروں کے ہاتھ سے کیا کیا تکلیفیں پہنچیں؟ دیگر انبیا سے کافروں نے کیا برتاؤ کیا؟ بلکہ کتاب پاک میں اکثر جگہ مذکور ہے۔ کہ بعض انبیا کو کافروں نے بغیر حق کے قتل کر دیا۔ خود آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کو کافروں سے کیا کیا اذیتیں ہوئیں۔ آپؐ کا دانت مبارک شہید ہوگیا۔ آپؐ کی اُنگلی مبارک زخمی ہوئی۔ حسنین علیہم السلام شہید ہوئے علیؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ وغیرہ کئی جابر و اکابر صحابی رضوان اللہ علیہم اجمعین شہید ہوئے۔ اور اکثر صحابہ کو رجوزور و قوت میں برتر تھے ایک ایک معمولی آدمیوں سے شہادتیں نصیب ہوئیں۔ کیا یہ سب حق پر نہ تھے؟ کہ انکو کافروں کے ہاتھ سے اور اکثر کو اہلِ اسلام ہی کے ہاتھ سے تکلیفیں اور شہادتیں نصیب ہوئیں۔ کیا ان کا مذہب حق نہ تھا؟ کیا یہ سب خدا کے محبوب نہ تھے؟

قوت اور ضعفِ ایمان

علامہ شہیدؒ صاحب کا مذہب در ایمان دو حرفی عبارت سے معلوم کر لیجئے۔ و ہو ہذا:-

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مسلم میں روایت ہے من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہٖ و ان لم یستطع فبلسانہٖ و ان لم یستطع فبقلبہٖ و ذالک اضعف الایمان

جیسے برائی کو دل سے برا جاننا ضعفِ ایمان ہے۔ ایسے ہی برائی کو ہاتھ سے (جہاد سے) روکنا قوتِ ایمان ہے۔ تو علامہ شہیدؒ صاحب نے کفر کو ہاتھ سے مٹانا چاہا اور ایمان کے درجہ اوّل کو ہاتھ مار کر شہید ہوگئے۔ اگر جان گئی تو کیا باک؟ ایمان کا اعلےٰ درجہ تو لے ہی لیا۔

بخاری نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا۔ کہ ایک شخص رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ اور عرض کی کہ مجھے کوئی ایسی عبادت بتلائیے جو جہاد کے ہم رتبہ ہو آنحضرت صلعم نے فرمایا "مجھے تو ایسی عبادت معلوم نہیں" (پھر آپ نے فرمایا) "کہ کیا تو ایسا کرسکتا ہے کہ جب مجاہد (جہاد کیلئے) نکلے۔ تو تو اپنی مسجد میں جاکر نماز پڑھنے میں کھڑا ہو جائے اور سست نہ ہو اور لگاتار روزے رکھنا شروع کر دے۔ اور ترک نہ کرے" اس نے عرض کی (حضور!) ایسا کون کرسکتا ہے؟

انہی ہر دو احادیث مذکورہ سے شہید صاحب کا مذہب معلوم ہوسکتا ہے *

معترض لکھتا ہے کہ وہابیوں دیوبندیوں کے ہاں شرک بہت سستا ہے۔ ہاں! اسکو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ اُسکے ہاں سستا ہی نہیں بلکہ مفت ملتا ہے۔ کیونکہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے تو خدا کے سوا پکارنے والوں اور اسکی سی تعظیم دوسرے کرنیوالونکو کافر یا مشرک کہا۔ مگر معترض نے فقط سنّت پر چلنے والونکو کافر کہدیا۔ جو صرف فروعات کے منکر ہیں۔ اور فروعات بھی بدعات سے۔ حالانکہ فروعات کا منکر کسی مذہب میں کافر نہیں ہوسکتا (ہاں! جو فروعات کو اصول سے مقدم جانے اور بدعات کو سنّت سے اور اقوال کو احادیث سے تو وہ کون ہوگا؟) ہاں! اصول کے انکار سے کفر لازم آویگا۔ اس مسئلہ پر اخیر کتاب میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث علیہ الرحمۃ کا قول ملاحظہ فرمائیے *

بدعاتِ زمانہ کا حال

حیرانی تو اس امر پر ہے کہ ایسے نکتہ چین لوگ سنّت وعمل و حکم نبوی صلعم پر تو پورے طور سے عمل کر نہیں سکتے۔ مگر بدعات پر کاربند ہو کر اتنی کوشش کرتے ہیں۔ کہ اسی کوشش میں ڈوب کر اصلیت خبط کر دیتے ہیں۔ اگر یہ لوگ مرکز پہ رہ کر بدعات پر (جو باتفاق برائے حسنہ ہوں) بھی عمل کریں تو بیشک ثواب سے خالی نہ ہوگا۔ طرّہ یہ کہ افراط تفریط میں آکر بدعات پر افراط سے عامل بنجاتے ہیں۔ کہ انہیں فرائض سے بھی بڑھا دیتے ہیں۔ مگر جو اصول دین ہیں انہیں لاپرواہی سے برتتے ہیں۔ اور افراط میں آکر ڈوب جاتے ہیں۔ فرمان آنحضرت صلعم صاف ہے کہ ہر فعل مرکز پر رہ کر جزا دیتا ہے *

کیا آنجناب صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں موتیں نہ ہوتی تھیں۔ کہ اسوقت بھی میتوں پر ایسے فعل کئے جاتے جو آج ہو رہے ہیں)۔ یا کہ اُسوقت پیری مریدی کا سلسلہ نہ تھا۔ یا اولیا اور بزرگ نہ تھے کہ اُنکی تعظیم کی نوبت سجدوں تک پہنچتی۔ اور اُنکو ماسوی اللہ کے حاجت روا مانا

جاتا۔ سبحان اللہ! آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سا پیر اور اولی الامر ازل سے لیکر ابد تک نہ ہوا ہے نہ ہوگا۔ اور صحابہ وصحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے مرید، فرمانبردار، جان نثار، عاشق کب ہو سکتے ہیں۔ جنکو آنحضرتؐ نے سجدہ کرنیکی تعظیم سے منع فرمایا۔ اور انہوں نے کبھی آنحضرت صلعم کو سجدہ نہ کیا اور نہ ہی حاجت روا جانا۔ ہاں! آپؐ سے کسی مشکل کی آسانی کیلئے دعا کرائی جاتی تھی۔ بعد حیات طیبہ کے روضہ مطہرہ پر ایسی شنائع جو ہمارے ملک میں ہو رہی ہیں کب صحابہ وغیرہ نے کی تھیں۔ (اب خواہ ہو رہی ہوں جو حجت نہ مانی جاویگی) اور نیز بڑی بڑی بزرگ ہستیوں کی قبریں موجود تھیں۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر مبارک مکہ میں ہی تھی۔ مگر کہیں سے ثابت نہیں کہ آنحضرت صلعم نے انکی قبر مبارک پر کوئی ایسا فعل کیا ہو جو آج ہمارے علما بدعت حسنہ قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ابراہیمی مذہب کو ہی اپنے لیئے پسند فرمایا۔ اور وہ انکی مبارک جد تھے۔ پھر بھی آنحضرت صلعم نے انکی قبر مبارک پر نہ کبھی پھول چڑھائے۔ نہ چراغ جلایا۔ نہ غلاف اوڑھایا اور نہ امداد طلب کی۔ نہ انکی میلادی مجلس کو رواج دیا۔ نہ نذریں مانیں۔ فاعتبرا

کیا یہ امر ثابت نہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کے معجزات اور برکات کا ذکر کرنا موجب ثواب وازدیادِ محبت ہے؟ حدیثوں سے ثابت ہے اور قدیم سے ہی یہ ذکر خیر ہوتا چلا آیا ہے۔ ہر ایک مسلمان خواہ حنفی ہو یا اہلحدیث سبھی اپنی مجالس وعظ میں ذکر کرتے چلے آئے ہیں۔ اور کر رہے ہیں (باوجود موسوم بوہابی ہونیکے مولوی عبدالستار صاحب کی اکرام محمدی یعنی تفسیر سورہ والضحی دیکھو اور اسمیں ذکر ولادت باسعادت پڑھو۔ تو معلوم ہو جاویگا کہ ایسے وہابی کیونکر محبت رکھتے ہیں؟ اور خود پرست حنفی کس طرح کھانا کھانے اور ریا و ناموری کیلئے یونہی مجلس میلاد قائم کرتے ہیں) کیا خیرالقرون میں نکاح شادیاں نہ ہوتی تھیں کہ مزامیر و راگ و تماشا مباح سمجھا جاتا؟

بدعات کی اہل ہنود سے مشابہت

العجب! آجکل ان کاموں میں جو جو جاہل اور بدعتی لوگوں نے زیادتیاں کر رکھی ہیں۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ اہل ہنود سے لیگئی ہیں۔ اہل ہنود ستھانوں اور اپنے دیوتاؤں کی مورتوں پر پھولوں کے ہار، عمدہ عمدہ ریشمیں کپڑے، سندھور وغیرہ کے چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ مسلمان دیکھ کر رہ نہ سکے انہوں نے یہ فعل اپنے بزرگوں کی قبروں پر جاری کر دیئے۔ کب اُن بزرگوں نے خود فرمایا یا کب خیرالقرون میں جاری ہوئے؟ نیز اہل ہنود اپنے دیوتاؤں

کی مورتوں اور پتھر کے بتوں سے مرادیں مانگتے ہیں۔ تو مسلمانوں کو جب شیطان نے ذرا حرکت دی تو انہوں نے بھی حقیقی حاجت روا کے سوا اور بہت سے حاجت روا بنا لیئے۔ اور انہیں قدرت ایزدی میں دسترس دیدیا۔ واللہ! وہ بزرگ خود تو ان خیالات کے کرنے کرانے سے بالکل پاک ہیں۔ جنہیں آج مسلمان لوگ حاجت روا جانتے اور انکی قبروں پر نذریں اور منتیں مانتے ہیں۔ خود فرمان رب العزت اپنے محبوب کیطرف ہے۔ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا الا یہ تو اور کون حاجت روا بن سکتا ہے؟ خیر! جب مسلمانوں نے دیکھا کہ اہل ہنود اپنے بزرگوں کی پیدائشوں اور مرنے کے دن کی خاص محفلیں سال بسال مقرر کرتے ہیں اور خوب راگ تماشے ہوتے ہیں۔ تو یہ بھی نہ رہ سکے۔ انہوں نے مجلس میلاد اور اعراس کو رواج دیا۔ اور ثابت کیا کہ ہم اہل ہنود سے ہی مسلمان ہوئے تھے۔ بواسطے مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا کے مطابق اپنے مذہب میں بھی رواج دیدیں تو ہرج کیا ہے؟ خیر! یہ بھی گزرا۔ پھر جب دیکھا کہ اہل ہنود میت پر تیسرا، دسواں، چالیسواں، ششماہی اور سالیانہ (ورسینہ) کا ختم دلوا کر ایصال ثواب کرتے ہیں تو انہوں نے بھی قدم بڑھایا اور اس کام کو خوب نباہا۔ حتیٰ کہ جس وارث میت کے گھر رات کے کھانے کو بھی نہ ہوتا۔ وہ بھی اپنے آباؤ اجداد کی رسم ادا کرنیکے لئے قرض لینے چلا گیا۔ اور جوں توں کر کے تیسرے روز الاچیدانے بانٹ ہی دیئے۔ اہل ہنود گنگا جمنا کی مندروں پر جا کر میت کا چالیسواں کرتے ہیں۔ اور کل سامان مستعمل دنیا (یعنی کپڑے، برتن اور چارپائی اور خوراک وغیرہ تک) کا ایصال ثواب کرتے ہیں۔ تو ان بیچارے مسلمانوں کو گنگا کی بجائے کوئی اور جگہ نہ ملی تو انہوں نے گھر میں ہی میت کے تین کپڑے اور ایک دن کی خوراک ادا کر کے فارغ البالی حاصل کر لی، وغیرہ وغیرہ۔

اہل ہنود نے اپنے کاہنوں کو عالم الغیب سمجھا تو مسلمانوں نے بھی اقتدا کر کے یہ رتبہ اپنے بزرگوں کو دے ہی دیا۔ خواہ وہ نامنظور کریں اور اس سے منکر ہوں۔

اہل ہنود دیوالی پر جا بجا چراغ اور فانوسوں کے روشنیاں کرتے ہیں۔ ہم نے بھی کمی نہ کی۔ شب برات کو اس کام کیلئے مقرر کر لیا۔ جسمیں ہزاروں روپیہ مسلمانوں کی گرہ سے آگ کی نذر ہوتا ہے۔ اور صاف یہ فعل موجب اسراف ٹھیرتا ہے۔

اہل ہنود اپنے بزرگوں کی مڑھیوں اور ستھانوں اور چلہوں پر دور دور سے سفر کر کے سالیانہ حاضر ہوتے اور خرچ کثیر کرتے ہیں اور میلہ لگواتے ہیں۔ تو مسلمانوں نے بھی اعراس قائم کر لئے اور بزرگوں کی قبروں پر قوالی و مزامیر کا دور شروع کر دیا۔

اہل ہنود بیاہ شادیوں پر جو رسمیں ادا کرتے تھے ہم نے بھی انکے اخذ سے فرق نہ کیا۔

کرکے ہی چھوڑیں۔ اور عجب یہ کہ انہیں مباح سمجھا ﴿

عجب یہ کہ ایسی شنیعات کو داخل دین کرکے بدعات حسنہ سے ملقب کردیا۔ اور پھر انکے منکر ونکو موسوم بوہابی، غیر مقلد ثابت کردیا ﴿

غور کرنا چاہیئے۔ کہ جو فعل ہمارے مذہب میں رائج تھے اُنکو اہل ہنود نے ایک کو بھی اپنے مذہب میں رواج نہ دیا۔ تو جو فعل اُنکے مذہبی ہوں اور وہ ہم میں بھی تھوڑی بہت کمی بیشی سے رائج ہوں۔ تو یہ اسی امر کی دلیل ہے کہ ہم مسلمانوں نے ہی اُن سے لئے ہیں۔ اور مذکورہ افعال سے یہ بات خوب ظاہر ہوتی ہے۔ تو اسکی نسبت فرمان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر فیصلہ ہے ہم کوئی رائے زنی نہیں کرتے۔ فرمایا آپ نے "من تشبہ بقوم فھو منھم" ﴿

اچھا! اگر یہ فعل ثواب میں داخل ہیں۔ تو معترض صاحب لکھتے ہیں اور بدلائل ثابت کرتے ہیں کہ "آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم غیب حیات طیبہ میں تھا اور بعد حیات بھی حاصل ہے اور وہ ازل سے لیکر ابد تک کی تمام باتوں کو جانتے ہیں" تو پھر معترض کو بتانا چاہیئے۔ کہ حضور علیہ التحیۃ والسلام نے اصحاب رضوان اللہ تعالے علیہم اجمعین کو یہ کیوں نہ بتایا۔ کہ میری امت کے اخیر زمانہ میں ایسے ایسے فعل کئے جائینگے۔ جو میری امت کے علما داخل دین کردینگے۔ اور وہ بڑے ثواب کے کام ہیں اسواسطے اے اصحابو! تم ان فعلونکو ابھی سے جاری کردو۔ اور ثواب لوٹ لو ﴿

ایسا ہرگز نہیں ہوا۔ بلکہ ہم اپنی اپنی جگہ پر بدلائل احادیث وغیرہ ان فعلوں کا رد بتا دینگے۔ کیونکہ جو فعل خیر القرون میں ظہور پذیر نہیں ہوا اور اسکی اصل کتاب وسنت سے نہیں مل سکتی۔ تو وہ بدعت حسنہ نہیں بلکہ سیئہ ہے کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار ﴿

یہاں یہ امر ثابت کردینا لازمی ہے۔ کہ ایسے مسائل پر جو لوگ اجماع کو لیتے ہیں وہ کیونکر ہے؟ ان پر اجماع امت ہرگز نہیں ہے اجماع کے یہ معنی نہیں ہوتے۔ کہ بعض کا اتفاق رائے ہوگیا اور اور بعض مخالف۔ اسکا فیصلہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ حرانی یوں کرتے ہیں:-

معنی الاجماع ان تجتمع علماء المسلمین علی حکم من الاحکام واذا ثبت اجماع الامۃ علی حکم من الاحکام لم یکن لاحد ان یخرج عن اجماعہم فان الامۃ لا تجتمع علی ضلالۃ ولکن کثیرا من المسائل یظن بعض الناس فیہا اجماعا ولا یکون الامر کذالک بل یکون القول الاخر ارجح فی الکتاب والسنۃ واما اقوال بعض الامۃ کالفقہاء الاربعۃ وغیرہم فلیس حجۃ لازمۃ ولا اجماعا باتفاق المسلمین بل قد ثبت عنہم رضی اللہ عنہم انہم نہوا الناس عن تقلیدہم وامروا اذا راوا قولا فی الکتاب والسنۃ اقوی من قولہم ان یاخذوا بما دل علیہ الکتاب والسنۃ ویدعوا اقوالہم۔ الی آخرہ (فتاوی ابن تیمیہ جلد اول صفحہ مطبوعہ مصر) ﴿

یعنی اجماع کے معنی یہ ہیں کہ سب مسلمانوں کے علما ایک حکم پر متفق ہو جائیں اور جب انکا اتفاق ایک حکم پر ثابت ہو جائے تو کسی کو انکے اجماع سے نکلنا جائز نہیں۔ کیونکہ ساری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوتی لیکن بہت سے ایسے مسائل ہیں جنہیں لوگ اجماع سمجھتے ہیں۔ حالانکہ واقعہ میں ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ دوسرا قول (خلاف اجماع) کتاب و سنت میں راجح ہوتا ہے۔ ہاں! بعض علمائے امت کے اقوال مثلاً ائمہ اربعہ وغیرہ کے سو یہ کسی طرح بھی حجت لازمہ (دلیل شرعی) نہیں۔ اور نہ باتفاق مسلمانان اجماع ہے۔ بلکہ ان ائمہ سے ثابت ہوا ہے۔ کہ انہوں نے خود لوگوں کو اپنی (ائمہ کی) تقلید کرنے سے منع کیا ہے اور حکم دیا ہے کہ جب کوئی حکم کتاب اللہ اور سنت کا ہمارے حکم کی نسبت قوی پاویں۔ تو قرآن حدیث کے حکم کو قبول کریں۔ اور اُن کا قول چھوڑ دیں"۔

تو مذکورہ رسومات کے اثبات پر جو بعض کا اتفاق ہے اسکو ہم نہ تو اجماع جانتے ہیں۔ اور نہ یہ دلیل شرعی سمجھی جاویگی۔ کیونکہ جبکہ اصحابہ و تابعین کے اقوال (جو خلاف کتاب و سنت ہوں) دلیل شرعی نہیں مانے گئے۔ تو آجکل بعض کا اتفاق کیونکر دلیل شرعی ہوگا؟ اسکا فیصلہ آپ ہی ہے۔

علامہ شوکانی لکھتے ہیں "قد تقرر عند ائمۃ الاصول وغیرہم عدم حجیۃ اقوال الصحابۃ لا سیما اذا خالفت الثابت عنہ صلی اللہ علیہ وسلم (نیل الاوطار مصری جلد اول صفحہ ۲۸۳) یعنی ائمہ اصول سے یہ بات قرار پا چکی ہے کہ حدیث کے خلاف صحابہ کا قول دلیل شرعی نہیں۔

دوسری جگہ لکھا "لا حجۃ فی اقوال التابعین (جلد ۱ صفحہ ۳)

صحابہ کے اقوال کو حجیت سے ساقط کرنیکے بعد کسی اور طبقے کے متعلق حجیت کا خیال نہیں آسکتا۔

تو اب معلوم ہو گیا۔ کہ ایسی بدعات کی رسومات پر بعض کا اتفاق ہونا کسی مخالف کو خارج از اسلام نہیں کرسکتا۔ مقلدوں پر لازم ہوتا ہے کہ ہر بات پر اپنے امام کا قول لیں۔ مگر ایسی رسومات کے جواز پر دوسروں کے قول اور فتاووں کو حجت ماننا یہ مقلدی نہیں۔ مقلد وہ ہوتا ہے جو اپنے امام کے قول کے سوا کو حجت نہ مانے اور ہر امر پر اپنے امام کے قول کو دلیل پیش کرے۔ مگر معترض نے اپنی تمام کتاب میں امام صاحب کا ایک قول بھی کسی مسئلہ پر پیش نہ کیا۔

دیباچہ ختم کیا جاتا ہے۔ اہل بصیرت و انصاف کے نزدیک بدعات کا رد یہی کافی ہے۔ مگر معترض یوں کب مانیں۔ اعتراضات کا مفصل جواب بھی ہوگا۔ پہلے دو بزرگوں کے کچھ حالات لکھے جاتے ہیں۔ جنکو کافر بنانے کی غرض سے معترض نے ۶۰۰ صفحات کی کتاب لکھی ہے۔

"ھٰذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ"

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْمُجْتَبٰی مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰی شَفِیْعِ الْاُمَمِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَ اَتْبَاعِہٖ وَ عَلٰی کُلِّ عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ۔

امّا بعد واضح بر روشنضمیراں باد۔ کہ دیباچہ میں بتایا گیا ہے۔ کہ اکثر جہلا معترضین نے خاص خاص بندگان خدا پر الزام لگائے اور کثرت سے لگا رہے ہیں۔ اور بعض خود پرست علما نے ان بندگان خدا مجددان دین پر اپنی سرکشی نفس سے کفر کے فتوے تھوپ دئیے ہیں۔ لہذا حمیت اسلام اور عقیدت بزرگان کی وجہ سے یہ گوارا نہ ہوسکا۔ کہ وہ معترضین اپنے کو سچا بنا دیں۔ اور خلق خدا کو دھوکہ میں ڈالکر ایسے بزرگوں سے بدظن کردیں۔ اور من عادی لی ولیًا فقد اٰذنتہ بالحرب (خدا نے فرمایا ہے جو کوئی میرے ولی (یا دوست) سے عداوت رکھتا ہے میرا اُس سے اعلان جنگ ہے) کے مصداق اللہ کے دوستوں سے عداوت رکھنے والے لوگ اللہ کے دشمن ہوجاویں۔

گو میں معترضوں کو کافر بنانے کی کوشش نہ کرونگا۔ ہاں! انکے عقائد اور دعوے کو بدلیل ثابت کرکے انکی بدظنیوں کو رفع کرکے عنداللہ ماجور ہونیکی امید رکھونگا۔ کیونکہ وہ معترضین امت محمدیہ سے نامزد ہیں۔ اور اسی رسول دین برحق کا کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھتے ہیں اسواسطے بموجب ارشاد شارع علیہ السلام من قال لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰهُ فدخل الجنۃ کلمہ گو کو کافر نہیں بناؤنگا۔ کیونکہ علما اسواسطے نہیں ہوتے۔ کہ مسلمان کو کافر بنادیں۔ بلکہ علما کا حق ہے کہ کافرونکو توحید بتادیں اور دین کے اصول سمجھادیں۔ وما توفیقی الا باللہ۔

شیخ الاسلام حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

سب سے اول اسی بزرگ ہستی کا انکشاف حال کیا جاتا ہے کیونکہ معترض نے بحوالہ شرح تحفہ محمدیہ مصنفہ سید اشرف علی گلشن آبادی اپنے مخالف فرقہ کا موجد انہیں ہی قرار دیا ہے معترض نقل کرتا ہے:۔

"جاننا چاہیئے کہ ساتویں صدی میں حنبلی مذہب سے ایک شخص ابن تیمیہ نامی گمراہ بدمذہب نکلا۔ نعوذ باللہ۔ بدی کی باتوں کو اپنا جزو ایمان ٹھیرا لیا تھا۔ چنانچہ انکار شفاعت کا کیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ جسکے باب میں اذن دیگا۔ اسی کی شفاعت کرینگے۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے روضہ مقدسہ

کی زیارت کیلئے سفر حرام ہے۔ اور توسل و استمداد اولیاء اللہ سے ممنوع ہے وغیرہ۔ اور بڑے بڑے علمانے اسکا رد لکھا۔ اور بادشاہ تک اسکی خبر پہنچی۔ ابن تیمیہؒ جیل میں قید کیا گیا۔ پھر توبہ کی۔ لیکن پھر دیسا ہوگیا۔ اور پھر قید کیا گیا۔ اور یہ حکم جاری ہؤا۔ کہ من کان علیٰ عقیدۃ ابن تیمیہ حل ماله و دمہٗ یعنی جو شخص ابن تیمیہ کا عقیدہ رکھیگا سو کافر ہے اور اسکا مال اور خون قتل مسلمانوں پر حلال ہے۔ اسکے زمانہ بعید کے بعد عبدالوہاب (نجدی) پیدا ہؤا (صفحہ ۱۲تا۱۰ مطبوعہ بمبئی)

واہ سبحان اللہ! علما کا بھی جو دل چاہتا ہے لکھہ مارتے ہیں۔ فیصلہ آج نہیں کل ہونے کو قریب ہے۔ اور منصف خود ذات باری ہوگی۔ ایسے عقاید کی نسبت حضرت ابن تیمیہؒ کو کافر بنایا اور انہیں کو ان عقاید کا موجد قرار دیا۔ تو پھر ایسے عقاید والے کو وہابی کیوں کہا جاتا ہے؟ کیا یہ لفظ "وہابی کوئی خاص سزا مقرر ہوئی ہے۔ یا فرقہ کا نام ہے؟ اگر فرقہ کا نام ہے تو غلط ہے ان عقائد کے موجد حضرت ابن تیمیہؒ ہیں۔ تو انکے اتباع کرنیوالوں کو بھی انہی کے نام ہی سے موسوم کرنا چاہیئے۔ نہ کہ عبدالوہاب نجدی کے نام سے۔ ان عقایدوالونکو وہابی عبدالوہاب نجدی کی نسبت سے موسوم کرنا اور عبدالوہاب نجدی کو ان عقائد کا موجد ثابت کرنیکی غرض کیلئے اپنے دعوے کی تصدیق پر فتنہ نجدوالی حدیث کا ثبوت دینا۔ چہ معنی دارد؟ موجد اس فرقہ کے تو ابن تیمیہؒ ہوئے اور فتنہ کی حدیث عبدالوہاب پر عائد کرکے وہابی کہدینا یہ کوئی عقلمندی نہیں؟ موم کا ناک جدھر چاہا موڑ لیا۔ (خود بخود) یا چوری کوئی کرے اور سزا کسی اور کو۔ اندھا راجہ بیداد نگری نہیں چلنے دو۔ ایسے عقائد والونکو وہابی یا نجدی نہ کہا کرو۔ ابن تیمیی یا حرانی ٹھیک ہے۔ کیونکہ جسکے فعل کا کوئی اتباع کرے اسی کے نام سے نامزد ہوتا ہے +

ایک قدم اور آگے بڑھاؤ اور سنو۔ پیچھے دیباچہ میں لکھا گیا ہے۔ کہ ابن تیمیہؒ اور علامہ شوکانیؒ تقلید کے خلاف ہیں۔ تو معترض کا مخالف فریق جو تقلید کے خلاف ہے۔ وہ کسی کے نام سے نامزد نہیں ہوسکتا۔ نہ وہ وہابی کہے جا سکتے ہیں نہ ابن تیمیی۔ مقلد وہی مانا جاویگا۔ جو کسی کی تقلید کا اقرار کرے۔ اور بغیر اپنے علم پر غور وخوض کیئے اپنے امام کے فرمودے پر آنکھیں بند کرکے چلا جاوے۔ تو اس امر میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دو شاگرد ہی غیر مقلد ہیں۔ جنہوں نے اپنے استاد کی تقلید نہ کی۔ اور انکے خلاف بہتسے فتوے دئے۔ تو غیر مقلدی کا موجد مولوی اسمٰعیل شہیدؒ کو قرار دینا کیا معنی رکھتا ہے؟ چنانچہ معترض کے ایک معتبر صاحب منشی لعل خاں مدراسی کی ایک کتاب فتاوے بر عقائد وہابیہ میں لکھا ہے۔ کہ فرقہ غیر مقلد کا بانی مولوی اسمٰعیل دہلوی ہے +

نکتہ چین لوگ اسی دھندے میں رہتے ہیں کہ کسی نہ کسی وجہ سے لوگونکو متہم کرتے رہیں اور خود پاکباز بنیں۔ کیا کہئے؟ دین رسولی کی دھجیاں اڑا رہے ہیں۔ معاذ اللہ +

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے مدّاح

تو اب پہلے اس امر کو ثابت کرنا ہے۔ کہ امام صاحب کی نسبت علما کا کیا خیال ہے۔ اور کس کس علمائے ہمعصر امام صاحب موصوف نے امام صاحب کو گمراہ بدمذہب قرار دیا۔ یا معترض کا بہتان ہے؟ اور ان کا مذہب کیسا ہے۔ اور انہوں کی نسبت علمائے حق کا کیا اعتقاد ہے؟ سو مذکورہ معترض کی عبارت سے ثابت نہیں۔ کہ کس علما نے خلاف لکھا۔ اور کس نے گمراہ ثابت کیا۔ اور نہ یہ کوئی معتبر کتاب ہے کہ مجرد اسی کا کہنا سچ سمجھ لیا جائے ؛

مَیں بتاتا ہوں۔ کہ امام صاحب کے معاصرین سے تو قاضی سبکی علیہ الرحمۃ مخالف تھے اور اور بعدہٗ بہت سے ہو گئے۔ مگر اکثر ہندی تھے جو ناواقفت تھے۔ انہیں اُنکی نسبت کما حقہٗ واقفیت نہ ملی۔ پہلے قاضی سبکی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال دیکھو ؛

جب قاضی تاج سبکی (رحمۃ اللہ علیہ) امام ابن تیمیہؒ کی مخالفت میں غلو و تشدد کرنے لگے تو حافظ ذہبیؒ نے ایک خط لکھکر انکو ملامت کی۔ اس خط کے جواب میں معذرت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ (صرف ترجمہ) یعنی جو کچھ جناب نے شیخ تقی الدین (ابن تیمیہؒ) کی نسبت لکھا ہے۔ تو یقین کیجئے۔ کہ یہ خادم انکی قدر و منزلت کی بزرگی، علم کی بے پایانی، علوم عقلیہ و نقلیہ میں وسعتِ نظر، کمال ذکاوت و اجتہاد اور ان سارے اوصاف کمال میں وہانتک پہنچ جانیکا معترف ہے جو حد توصیف سے باہر ہے۔ علی الخصوص ان اوصاف کے ساتھ اُنکا زہد و ورع اور دیانت و حق پرستی اور صرف اللہ کیلئے نصرتِ حق میں قیام و ثبات اور طریق سلف پر سلوک اور موارد سلفیہ سے بحد کمال اخذ و نظر اور بحیثیت مجموعی ان کا وہ مرتبۂ کمال کہ موجودہ عہد میں اپنی نظیر آپ ہی ہیں۔ بلکہ کتنے ہی عہدوں سے ایسے باکمال پیدا نہیں ہوئے۔ انتہی ؛ (تذکرہ ابوالکلام آزاد)

ایسا ہی تذکرہ مولانا ابوالکلام صاحب میں صفحہ ۲۲۰ سے ۲۳۹ مخالفین کے حالات اور اُن کا اعتراف لکھا ہے۔ ناظرین خود ملاحظہ فرما لیں ؛

اب دیگر علما کا حال سنو اور انکی زبانیں دیکھو۔ کہ اس بارہ میں وہ کیا فرماتے ہیں؟:-

ابن خلکان رحمۃ اللہ علیہ امام موصوف کی نسبت تحریر فرماتے ہیں۔ وکان زاھدًا مستقلا کثیر الورع صاحب مذھب مستقل تبعہ جمع کثیر اُنکے حلقہ درس میں چارسو ثقات حاضر رہتے تھے یحضر درسہ کل یوم اربع مائۃ صاحب طیلسان"

حافظ ذہبی اپنے معجم شیوخ میں اس نادرۃ الارض و اعجوبۃ الدہر کے اوصاف و مدائح لکھتے لکھتے تھک گئے اور وہ ختم نہ ہوئے۔ تو بالآخر یہ کہکر خاموش ہو جانا پڑا۔ "وھو اکبر

من ان ينبه على سيرته مثلي ووالله لو حلفت بين الركن والمقام انی ما رايت بعيني مثله وانه ما رأى مثل نفسه - یعنی اُنکا مقام اس سے کہیں ارفع و اعلےٰ ہے کہ مجھ جیسا شخص انکی سیرۃ و خصلت بیان کرے قسم خدا کی اگر میں عین رکن و مقام کے درمیان کھڑا ہوکر قسم کھاؤں - کہ نہ تو میری آنکھوں نے ان کا مثل دیکھا اور نہ خود انھوں نے اپنا ہمتا پایا - تو میری قسم سچی ہوگی - اور میرے لیئے کفارہ یمین نہیں وکفاک بالذہبی[۱] شاہدا ہ

تقي الدين اضحى بحر علم ۔۔۔ يجيب السائلين بلا قنوط

احاط بكل علم فيه نفع ۔۔۔ فقل ما شئت في البحر المحيط

حافظ ابو الحجاج مزی صاحب تہذیب کا بھی امام موصوف کی نسبت یہی قول ہے۔

"ما رايت مثله ولا رأى هو مثل نفسه وما رايت احدا اعلم بكتاب الله و سنة رسوله ولا اتبع لهما منه"۔

الغرض حافظ برزالی، ابو الحجاج مزی، ابن سید الناس، ابن دقیق العید ذہبی، ابن نصر مقدسی، ابو حیان صاحب تفسیر ان خوبان عہد کے حسن و جمال پر کون نام دھر سکتا ہے۔ لیکن وہ سب یکزباں ہوکر کہتے ہیں - کہ ابن تیمیہؒ کا سا جمال ہماری آنکھوں نے نہیں دیکھا۔ اور ان کا مقام اس سے کہیں بلند ہے کہ ہم جیسے انکی تعریف و توصیف کریں - تو غور کرنا چاہیئے کہ آخر وہ کیا چیز تھی جسکو یہ سب بھی نہ پاسکے - (مطابق تحریر مخالف کے (نعوذ باللہ) امام صاحب کی گمراہی اور بیدینی کی تعریف - ہے بمعنز تونکو اللہ ہدایت دیے) اسکو خود شیخ ابو حیان نے ابن تیمیہؒ کی ایک مجلس دیکھتے ہی کہدیا۔ ہ

قام ابن تيمية في نصر شرعتنا ۔۔۔ مقام سيد تيم اذ عصت مضر

فاظهر الحق اذ آثاره درست ۔۔۔ واخمد الشر اذ طارت له شرر

كنا نحدث عن حبر يجئ فها ۔۔۔ انت الامام الذي قد كان ينتظر

قاضی جمال الدین زملکانی (جنھوں نے بلاشبہ شیخ ابن تیمیہؒ سے بہت مخالفت کی) کا خیال ابن تیمیہؒ کی نسبت حافظ ابن رجبؒ نے طبقات میں یوں نقل کیا ہے:- "لم یر من خمس مائة سنة" یعنی پانچ سو برس سے ایسا باکمال نہیں دیکھا گیا" اور قاضی موصوف نے امام ابن تیمیہؒ کی ایک کتاب "الدلیل علی بطلان التحلیل" کو اپنے قلم سے نقل کیا - اور لوح پر لکھا - من مصنفات

[۱] یہ امام ذہبی کا قول ہے - اور خود امام ذہبی کے تبحر و جامعیت علم کا جو حال ہے - اسکے لئے انکے شاگرد علامہ تاج سبکی کا یہ قول کفایت کرتا ہے" وهو رجل الرجال في كل سبيل كانما جمعيت الامة في صعيد واحد فنظرها" قال في طبقات الاكبرى ہ

سیدنا وشیخنا وقدوتنا، الامام العالم العلامۃ الاوحد، البارع الزاھد الورع القدوۃ الکامل العارف، سید العلماء، قدوۃ الائمۃ، حجۃ اللہ علی العباد، اوحد العلماء العاملین، آخر المجتھدین، شیخ الاسلام"

حافظ سیوطیؒ نے "اشباہ والنظائر النحویہ" میں شیخ زملکانی کا ایک قول امام ابن تیمیہؒ کی مدح میں نقل کیا ہے۔ وہو ہذا ؎

ماذا یقول الواصفون له ؟ وصفاته جلت عن الحصر
هو حجة الله قاهرة هو بیننا اعجوبة الدهر
هو آیة فی الخلق ظاهرة انوارہ اربت علی الفجر

صاحب الرد الوافر نے بھی اُن کا قول نقل کیا ہے جسکا ترجمہ یہ ہے :" یعنی اجتہاد کی ساری شرطیں پوری طرح ابن تیمیہؒ میں جمع ہوئیں۔ انکی ہمہ دانی کا یہ حال تھا کہ جس علم میں زبان کھلتی معلوم ہوتا کہ اسی علم کے ماہر و امام ہیں۔ تمام مذاہب کے فقہا اُنکے گرد جمع ہوتے اور اپنے اپنے مذہبوں کے علوم و مسائل میں استفادہ کرتے۔ انتہی "

حافظ ذہبی ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں "وهو عجیب فی استحضار السنة و استخراج الحجج منها بحیث یصدق علیه ان یقال کل حدیث لا یعرفه ابن تیمیة فلیس بحدیث و لکن الاحاطة لله تعالیٰ۔ یعنی علوم سنت کے استحضار اور اُن سے دلائل و براہین کے

لہ حافظ ذہبی نے ابن تیمیہؒ کا حال سات سے زیادہ موقعوں پر لکھا ہے۔ ہر مقام پر پوری تفصیل سے حالات لکھتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ لکھتے ہوئے جوش ارادت و اضطراب عقیدت سے بیخود ہو ہو جاتے ہیں۔ سب سے زیادہ تفصیل تینوں معاجم میں کی ہے۔ یعنی معجم کبیر، اوسط، اصغیر اور چونکہ بلحاظ اخذ سند و اجازت مسند امام احمد و سماعت روایات و قرأۃ مصنفات امام ابن تیمیہؒ کے شاگردوں میں داخل ہیں۔ اسلئے اپنے معجم شیوخ میں بھی حالات لکھتے ہیں۔ ان کتابوں کے علاوہ تذکرۃ الحفاظ میں بالاختصار اور تاریخ الاسلام کبیر میں بالتفصیل تذکرہ کیا ہے اور خصوصیت کے ساتھ انکے ابتلاء و محن و واقعات مصریہ شامیہ کے حالات لکھے ہیں۔ امام صاحب موصوف کی ایک مشہور کتاب منہاج السنۃ ہے اسکو انہوں نے مختصر کیا ہے اسکے دیباچہ میں بھی مفصل ترجمہ درج کیا ہے۔ علاوہ بریں ابن تیمیہؒ کی اکثر مصنفات اپنے قلم سے لکھی ہیں۔ اور انکے آخر میں یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ میں نے خود مصنف سے بشرائط قرأۃ وسماعت انکی اجازت لی، مختصرًا تذکرہ حالات و مناقب بھی کر جاتے ہیں۔ من احب شیئًا اکثر ذکرہٗ (قول مندرجہ متن معجم کبیر میں ہے)۔

حافظ ابن ناصر الدین شافعی نے "الرد الوافر" میں اور حافظ عسقلانی و سیوطی نے "دور کامنہ" (یہ نسخہ مولوی حامد حسین مرحوم کے کتب خانہ لکھنؤ میں موجود ہے) اور "طبقات الحفاظ" میں یہ تمام اقوال یکجا کر دئیے ہیں۔ نیز حافظ ابن قدامہ و حافظ عماد الدین واسطی اور ابو حفص بزار نے "سیرۃ ابن تیمیہؒ" میں۔ اور واضح رہے کہ صرف حافظ ذہبی کا یہ حال نہیں ہے۔ الرد الوافر میں تقریبًا ایک سو اکابر و مشاہیر عہد و قریب العہد کے اقوال نقل کئے ہیں۔ جنہوں نے

استنباط میں انکا رسوخ و احاطہ عجیب و غریب ہے۔ یہانتک کہ ان پر یہ بات صادق آتی ہے۔ کہ جس حدیث کو ابن تیمیہؒ نہیں جانتے وہ حدیث ہی نہیں"۔

پس اب معترضین[1] کے قول پر اعتماد کرکے ایسی بزرگ ہستیوں کو نعوذ باللہ کافر کہدیں۔ یا کہ مذکورہ اسناد کے موافق انکو مجتہد مطلق، امام العصر، نادرۃ الدہر، نابغۃ الاسلام، اوحد الزمان، مجدد کتاب و سنت، محی الملۃ وغیرہ القاب سے ملقب کیا جاوے؟ پس راقم کا اور کل روشنضمیران امت و عاقلانِ روزگار کا صحیح طور پر یہی عقیدہ ہے۔ کہ حضرت امام ابن تیمیہؒ انہی القاب سے صحیح طور پر ملقب ہونیکے لائق ہیں۔ کیونکہ انکی نسبت بڑے بڑے اکابر علما نے صاف فرما دیا ہے "ما رأینا مثلہ بعینی وانہ ما رأی مثل نفسہ"۔

پس اب معترضین کو یہ بھی چاہیئے۔ کہ جبکہ امام ابن تیمیہؒ کو کافر وغیرہ الفاظ سے موسوم کیا گیا ہے۔ تو جن علما نے انکی توصیف میں زبانیں کھولیں، قلمیں چلائیں ان کو بھی امام صاحب کے ساتھ شامل کرلیں۔ یعنی حافظ برزالی، ابوالحجاج مزی، ابوحیان صاحب تفسیر، حافظ ذہبی، حافظ عسقلانی، ابوحفص بزار، حافظ ابن ناصر الدین شافعی، حافظ سیوطی، حافظ ابن قدامہ، حافظ عماد الدین واسطی اور دوسرے ایک سو مشاہیر و اکابر علمائے مصر و شام جنہوں نے کتاب الرد الوافر میں امام صاحب کی توصیف میں تقریظیں لکھیں وغیرہم سب کو (نعوذ باللہ) کافر ہی کہنا چاہیئے۔ اور انکی مصنفات کو بتمامہ داخل کفر سمجھنا چاہیئے۔ تو اسلام کا پورے طور پر اہتمام ہو جاوے

(بقیہ نوٹ متعلقہ صـ۲۱) بالاتفاق انکے مجتہد مطلق، امام العصر، نادرۃ الدہر، نابغۃ الاسلام، اوحد الزمان، مجدد کتاب و سنت، محی الملۃ، انموذج خلفاء الراشدین، آخر الائمۃ المجتہدین، مفتی الفرق، الامام فی کل علم و فن، اعجوبۃ علماء القرون الوسطےٰ ہونیکا ایسے لفظوں میں اعتراف کیا ہے۔ جن سے زیادہ توصیف و تمجید کے الفاظ نہیں ہو سکتے۔ ؎

نہ من بران گل عارض غزل سرایم و بس　　کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزاران اند

یہ حال تو معاصرین و قریب العہد علما کا ہے۔ بعد کے مورخین کا یہ حال ہے۔ کہ "الرد الوافر" پر مصر و شام کے مشاہیر علما و ائمۂ عصر نے تقریظیں لکھی ہیں۔ ان میں حافظ ابن حجر عسقلانی اور قاضی عینی شارح بخاری بھی ہیں۔ قاضی عینی لکھتے ہیں۔ کہ "جو شخص ابن تیمیہؒ کے مراتب عالیہ علم و عمل و اجتہاد و امامت سے انکار کرتا ہے وہ یا تو مجنون لایعقل ہے۔ یا کمال سفیہ و بلید، یا سخت شریر و مفسد، حافظ عسقلانی کی رائے اس پر موقوف نہیں انکی شیفتگی و ارادت کا جو حال ہے۔ وہ دُور کا منہ سے ظاہر ہوتا ہے جس میں نہایت شرح و بسط سے ترجمہ لکھا ہے۔ اور معاصرین کی شہادتیں انکے فضل و کمال مخصوص پر جمع کی ہیں" (تذکرہ)

[1] سید اشرف علی گلشن آبادی کی کتاب شرح تحفہ محمدیہ ہے۔ جسمیں امام ابن تیمیہ رح کی توہین کی گئی ہے جسکی عبارت پیچھے لکھی گئی ہے۔ اور مولوی فضل الرسول احمد بدایونی کی کتاب سوط الرحمٰن ہے۔ اسمیں بھی بہت قبیح الفاظ سے امام موصوف کو یاد کیا گیا ہے۔ تیسری کتاب انوار آفتاب صداقت ہے۔ جسکے مصنف مولوی قاضی فضل احمد پنشنر کورٹ انسپکٹر پولیس لدھیانوی ہیں۔ اور انہی موقر الذکر کی کتاب کا جواب ہو رہا ہے (مصنف)

(یا قلع قمع ہو جائے) انصاف!

جبکہ ہمیں سلف کے علمائے کرام سے یہ بات ظاہر ہو گئی۔ کہ ابن تیمیہؒ اس پائے کے بزرگ تھے کہ خود اُنکے معاصرین میں سے کسی ایک کو بھی وہ درجہ نصیب ہُوا۔ تو پھر آجکل کے لوگونکی بات پر اعتماد کر کے (بقول حافظ عینیؒ) کیوں مجنون، لایعقل، مفسد، شریر اور سفیہ بنکر اپنا ایمان کھو دیں۔

پس ہم سب بزرگانِ اسلام وائمہ دین کو یوں یاد کرتے ہیں۔ اللّٰھم اغفر لنا و لاخواننا الذین سبقونا بالایمان۔ آمین۔

لہٰذا اب ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ کہ امام موصوف کے اعمال پر اعتراض کرنیوالونکو بطور بحث جواب دیا جاوے۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جس بزرگ ہستی کی توصیف ائمۂ دین نے کی ہے۔ اسکا ہر ایک عمل قابل اتباع ہے۔ چہ جائیکہ ان پر اعتراض؟ کیونکہ جس طرح معترض کی یہ بات افترا ثابت ہو گئی۔ کہ ابن تیمیہ گمراہ بدمذہب تھا (نعوذ باللہ) اسی طرح وہ عبارت بھی جھوٹ ہے جو انکی گمراہی اور بدمذہبی کا سبب لکھا۔ جسکے متعلق بضمن حالات علامہ اسمٰعیل شہیدؒ کچھ لکھا جاویگا کیونکہ یہ دونو بزرگ ہم عقائد تھے۔ اور معترض نے حوالے بھی اکثر شہید صاحب ہی کی عبارات کے دئے ہیں۔ اسواسطے ان پر غور و خوض لازمی ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

نیز یہ بات بھی قابل ذکر ہے۔ کہ حجۃ الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب "تفہیمات الاہیہ" میں امام ابن تیمیہ کی نسبت جو غلط فہمیاں ہیں۔ وہ سب دُور کردی ہیں۔ (معترضو! یہ امام الہندؒ مجھے پیچھے سے یاد آئے ہیں۔ اپنے خیال کے مطابق انہیں بھی ابن تیمیہؒ کے ساتھ ملا لیں) ذرا غور سے کتاب محولہ کا مطالعہ کر لیں۔ کیونکہ یہاں اتنی طویل بحثوں کی گنجائش نہیں ہے۔

نیز یہ بھی یاد رہے۔ کہ راقم نے "مشتے نمونہ از خروارے" بلکہ "دانۂ نمونہ از خروارے" امام صاحب کے اوصاف میں اسناد پیش کی ہیں۔ اگر تمام علمائے سلف و خلف کے اقوال مختصراً بھی نقل کر دوں تو ایک بھاری دفتر چاہیئے۔ اگر شائقین کو خواہش ہو۔ تو مسطورہ فٹ نوٹ میں اس امر کی نسبت جن کتب کا حوالہ دیا گیا ہے وہ دیکھکر خود تسکین فرمالیں اور اس بات پر کتاب "الرد الوافر" تمام حاوی ہے۔

حضرت علامہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہید علیہ الرحمۃ

انکی نسبت معترضین کے اقوال کہانتک درج کروں۔ کیونکہ فتن زمانہ نے ان پر ایسا قلم چلایا۔ کہ پناہ بخدا! احقر کی نظر سے شہید صاحب کے خلاف صرف ایک کتاب موسوم بہ "انوار آفتاب صداقت"

گذری۔ جسکے متعلق کچھ لکھنا پڑا۔ اگر کسی صاحب کو یہ کتاب دیکھنی ہو۔ تو میر امیر بخش تاجر کتب کشمیری بازار لاہور سے مل سکتی ہے ٭

پہلے میں شہید صاحب کے اوصاف و افعال کا کچھ ذکر کرتا ہوں۔ بعدہٗ اُن پر جو بہتان اور اعتراض لگے ہیں۔ اور ان پر کفر تھوپا گیا ہے اسکے متعلق مختصر بحث لکھونگا۔ جن عقائد پر معترض نے امام ابن تیمیہؒ کو کافر لکھا ہے یہ بھی انہی کے متبع ہیں۔ اسواسطے ان سے بھی وہی برتاؤ ہوا جو امام موصوف سے کیا گیا۔ اسواسطے دونو کی نسبت ایک جگہ اظہار خیال کیا جاویگا۔

انکی نسبت تذکرہ مولانا ابو الکلام آزاد کو دیکھو جسکی عبارت در باب توصیف حضرت شہیدؒ کو میں بوجہ اس کتاب کے اختصار کے نقل کرنے سے معذور ہوں۔ اور امید ہے۔ کہ اس ایک شہادت کیلئے مولانا آزاد کا نام نامی کافی ہے۔ انکی تصنیف مذکور کے صفحہ ۲۴۵ تا ۲۴۹ کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ شہید صاحب کا درجہ کسقدر بلند اور عمل کسقدر پسندیدہ ہے؟ اس فصل کے اخیر میں بذریعہ فٹ نوٹ مہتمم صاحب نے عذر کیا ہے۔ کہ مصنف ممدوح نے اس باب میں طول طویل چار فصلیں لکھی ہیں۔ جو بوجہ طوالت تذکرہ تذکرہ میں چھپ نہیں سکیں۔ انکو علیحدہ چھاپا جاویگا۔ (مگر تاحال نہیں چھپیں) شائد اُن چار طول طویل فصلوں میں آزاد صاحب نے شہید صاحبؒ کی نسبت کیا کیا فوائد تحریر فرمائے ہیں؟ اور کیا کیا فوائد مرقوم ہیں؟ جنکے تذکرہ میں درج نہ ہونے کی نسبت خاکسار احقر کو تو افسوس ہے ٭

اب ایک دوسری کتاب "سوانح حضرت سید احمد صاحب بریلوی مصنفہ مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری کو ملاحظہ فرماویں جسمیں حضرت موصوف اور مولانا شہید صاحب و غیرہم کے حالات درج ہیں۔ اور اسکے مطالعہ سے ظاہر ہو سکتا ہے۔ کہ جو شخص مولانا شہید صاحب کی نسبت بُرا خیال کرتے وہ کسی دلیل سے اپنے خیال میں صادق نہیں ہے۔ یہاں اسی کتاب سے کچھ حالات لکھے جاتے ہیں ٭

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کا بیوی کی چھنک کو منع کرنا

اس سے معلوم ہوگا کہ حضرت شاہ عبد القادر علیہ الرحمۃ نے شہید صاحب کے علم کو مانا اور اس مسئلہ پر اپنے خلاف اُنکی دلیل کو منظور کیا۔ وہ یہ ہے۔

"انہی ایام کا ذکر ہے۔ جبکہ مولوی محمد اسمٰعیل کے علم و فضل سے انوار بیعت سید احمد صاحب (بریلوی) سے جلا پایا۔ تو ایک روز مولانا شہید نے اپنے گھر میں دیکھا۔ کہ عورتوں نے بیوی کی چھنک کا کھانا اختیار کیا ہے [illegible] آپہنچے کیفیت دیکھکر انکو منع فرمایا [illegible] بھی تشریف لائے

عورتوں نے مولوی عبدالقادرؒ صاحب سے اسکا مرافعہ کیا۔ تب مولوی صاحبؒ نے مولانا شہیدؒ کیطرف مخاطب ہوکر فرمایا۔ کہ اسمعیل! یہ تو فقط ایصال ثواب ہے اسکا کیا مضائقہ ہے؟ تب مولانا شہیدؒ نے یہ آیت پڑھی۔ وَقَالُوا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَاۤءُ بِزَعْمِهِمْ (یعنی انہوں نے کہا۔ یہ جانور اور کھیتی اچھوتے ہیں۔ اسکو وہی لوگ کھاویں۔ جسکو اپنے گمان سے تجویز کریں) اور فرمایا یہ بیوی کا کونڈا بھی اچھوتا ہے۔ اس پر مرد کا سایہ تک نہیں پڑنے دیتے۔ اور ان عورتوں نے اپنے گمان سے اسکے کھانیکے واسطے اُن عورتوں کو تجویز کر رکھا ہے۔ کہ جن کا نکاح ثانی نہ ہوا ہو۔ مولانا عبدالقادر صاحبؒ یہ تقریر شہید صاحب کی سُنکر خاموش ہو گئے۔ اور باہر تشریف لیگئے۔ (یعنی اس دلیل کو صحیح مانا اور اسکو منظور فرمایا) تب مولانا شہید نے وہ کھانا اٹھواکر درویشوں اور طالبعلموں میں تقسیم کردیا۔؎

مولوی جعفر علی صاحب لکھتے ہیں۔ کہ مولانا شہیدؒ فرماتے تھے۔ کہ بعد بیعت سید صاحب کے ایک روز میں حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے ساتھ ٹہل رہا تھا۔ اسوقت شاہ صاحبؒ نے پوچھا کہ میاں اسمعیل! جو کچھ لقائے الٰہی اور اطمینان باطنی فیض صحبت سید صاحب (بریلوی) سے تم کو معلوم ہوا ہے بیان کرو۔ میں نے عرض کیا۔ کہ اے صاحب! میں مرتبہ جناب سید عالی تبار کو کیا ادراک کرسکتا ہوں۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک؟ مگر ہاں اسقدر تو میں سمجھتا ہوں۔ کہ نظر کرم و احسان اتم پروردگار عالم کا سید صاحب کے اوپر ہے۔ اور اسکا شکر یہ آپ ہی پر لازم ہے۔ کیونکہ یہ سب آپ ہی کی توجہ کے سبب ہے۔ اور اللہ تعالےٰ نے آپکو دو علم عنایت فرمائے ہیں۔ ایک علم ظاہری جسکے حامل اور فیضیاب مولوی عبدالقادرؒ صاحب ہوئے۔ دوسرا علم باطنی جسکے حامل حضرت سید صاحب ہیں۔ یہ کلمات او صاف میری زبان سے سُنکر شاہ صاحبؒ عاجزی اور فروتنی ظاہر فرمانے لگے۔ اور پھر فرمایا۔ میاں اسمعیل! مُحبّ الٰہی تو بہت ہیں۔ مگر محبوب الٰہی بہت کم اور نایاب۔ میں نے عرض کیا کہ محبوب الٰہی حضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تب آپؒ نے فرمایا۔ کہ مرتبہ محبوبیت کا مثل مرتبہ رسالت کے ختم نہیں ہوا۔ پھر میں نے عرض کیا۔ کہ محبوب سبحانی سید عبدالقادر گیلانیؒ ہیں۔ تب آپ نے فرمایا۔ کہ مرتبہ محبوبیت حضرت سید عبدالقادرؒ پر بھی ختم نہیں ہوا۔ اور محبّ اور محبوب الٰہی میں فرق ہے کہ محبّ ہمیشہ بلا و رنج و محنت میں مبتلا رہتا ہے بخلاف محبوب کے۔ کہ کوئی شخص اپنے محبوب کو تکلیف دینا گوارا نہیں کرتا۔ بلکہ اسکو راحت و آرام پہنچانا چاہتا ہے۔ اسیطرح محبوبان بارگاہ الٰہی دنیا میں بھی لباس فاخرہ اور اطعمۂ لذیذ اور خدم و حشم سے ممتاز رہتے ہیں۔ اور آخرت میں اس سے زیادہ پائینگے۔ بعد ذکر کرنے اس گفتگو کے شاہ صاحب کے مولانا شہیدؒ فرماتے تھے۔ کہ ہرچند شاہ صاحبؒ نے سید صاحب کا نام نہیں لیا۔ مگر اس تذکرۂ محبوبانِ الٰہی میں مشارٌ الیہ سید صاحب (بریلوی) ہی تھے

اس عرصہ میں مولانا شاہ عبد القادرؒ صاحب کا انتقال ہوگیا۔ اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ واسطے درس تدریس علوم رسمی کے مولانا مرحوم کی جگہ مقرر ہوئے۔ (صفحہ ۲)

ذرا معترضین کو غور کرنا چاہیئے۔ کہ مولانا شہیدؒ کے اس فقرہ یعنی "اللہ تعالےٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مثل پیدا کرنے پر قادر ہے" مندرجہ تقویۃ الایمان پر بڑی بڑی نکتہ چینیاں کرتے ہیں۔ دیکھو یہاں حضرت سید عبد العزیزؒ صاحب نے بھی ویسی ہی توہین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ یعنی مرتبۂ محبوبیت کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ختم نہ کیا۔ بلکہ مرتبۂ محبوبیت میں سید احمدؒ صاحب کو شامل کیا۔ اور مرتبۂ محبوبیت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملا دیا۔ یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی محبوب خدا تھے۔ اور بعد ازاں چلتے چلتے حضرت سید احمد صاحب بھی محبوب خدا قرار دیئے گئے تو اب حضرت شاہ صاحبؒ موصوف پر بھی (نعوذ باللہ) کفر لگنا چاہیئے۔ تو پوری فقاہت ظاہر ہو۔

بعض معترضین مولوی شہید صاحبؒ کو معتزلہ اور وہابی ناموں سے موسوم کر کے کہتے ہیں۔ کہ وہابی تقیہ کر لیتے ہیں۔ تو مولانا موصوف سے ثابت ہے۔ کہ اُنہوں نے ایک بحث میں تقیہ اور نفاق کو ایک ہی ثابت کیا ہے۔ (صفحہ ۳۶)

صراط المستقیم مصنفہ مولانا شہیدؒ کا مکہ معظمہ میں مقبول ہونا

(جب سید احمد صاحب بریلوی حج کو تشریف لیگئے) اُس چودہ مہینے کے قیام ملک حجاز میں آپکی ذات مقدس سے (سید صاحب کیطرف اشارہ ہے) اہل عرب اور روم اور مصر اور شام اور بلغار وغیرہ کو بہت فائدہ پہنچا۔ جسکا کسی قدر ذکر ہم اوپر (سوانح احمدی) میں کر چکے ہیں۔ خاص مکہ معظمہ میں علاوہ اُن بزرگان مذکور کے شیخ مصطفےٰ امام حنفی مصلے اور شیخ شمس الدین شطا مصری واعظ بیت الحرام بھی آپکی بیعت سے مشرف ہوئے تھے۔ مولوی عبد الحی صاحب نے بموجب حکم حضرت (بریلوی) کے صراط المستقیم کا عربی ترجمہ کیکے ان لوگوں کو دیا تھا۔ الخ (صفحہ ۹۵)

سوانح احمدی مذکور میں جا بجا حضرت شہید صاحب کے حالات کا انکشاف ہوتا ہے۔ اور ان کا اتقا، ورع، جہاد فی سبیل اللہ، وغیرہ بخوبی ثابت ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی یاد رہے۔ کہ حضرت سید صاحب بریلوی سے تو سب اہل اسلام کا حسن ظن ہے (گو بعض متعصب لوگ ان سے بھی نہیں ٹلے) اسواسطے شہید صاحب کے متعلق انہی کی ایک شہادت کفایت کر سکتی ہے۔ جو اُنکی سوانح سے معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب نے اپنے تمامی مقاصد میں شہیدؒ صاحب کو ہی پیشرو بنایا۔ اور انہی کو ہر مہم کے انجام کیلئے جرنیل گردانا۔ اور انکو اپنا خلیفہ بنایا۔ خود سید صاحب کی نسبت حضرت شاہ عبد العزیز الرحمۃ کی مذکورہ شہادت کافی ہے۔

مولانا شہید سالک طریقت اور شاہ صاحب کے منظور نظر مرید اور خلیفہ تھے

مولوی عبدالحی اور مولانا شہید صاحب ان دونو بزرگوں کا ذکر خیر سید صاحب کی سوانحعمری میں جابجا آچکا ہے۔ جس تاریخ سے یہ دونو بزرگ داخل خدام ہوئے تھے۔ اس تاریخ سے بلا کسی دینی ضرورت کے آپکی خدمت بابرکت سے ایکدم بھی علیحدہ نہیں ہوئے۔ اور حق تو یہ ہے۔ کہ ان بزرگوں نے سید صاحب کو خوب پہچانا تھا۔ انکی جان نثاری اور فرمانبرداری ضرب المثل ہے۔ یہ دونو بزرگ آپ کی پالکی کے ساتھ ننگے پاؤں دوڑنے کو اپنا فخر دارین جانتے تھے۔ اور ان دونو سرتاج علمائے دہلی نے جنکی تعظیم بادشاہ تک کرتے تھے اپنے تئیں بالکل مٹا دیا تھا۔ پاخانہ کمانے، چکی پیسنے، دانہ دلنے، گھاس کھودنے، بوجھ اٹھانے، سائیسی کرنے غرض کسی ذلیل سے ذلیل کام سے بھی عار نہ تھی۔ روحانی برکات حاصل ہونے کے بعد یہ دونو خاندانی بزرگ، مقتدائے قوم و امیرزادے، نازونعمت میں پلے ہوئے، دہلی سے خوش خوراک اور خوش وضع شہر کے باشندے اب بچی کچی کھچڑی یا اسکی کھرچن کھا کر یا دو تین وقت کڑاکے کے فاقے کھینچکر اور چٹائیوں یا خالی زمین پر سو کر ایسے خوش و خرّم اور شاداں و فرحاں رہتے تھے۔ کہ وہ خوشی کبھی انکو دہلی کے پلاؤ و قورمہ اور توشک و تکیہ میں بھی نصیب نہ ہوئی۔ دراصل مزا ایمان کا ایک ایسی عمدہ اور نادر نعمت ہے۔ کہ کوئی دنیوی نعمت اسکی لذت اور شیرینی کو نہیں پہنچتی۔ بلکہ دنیا میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہے جسکو مزۂ ایمان کے ساتھ تشبیہ ہی دی جائے۔ میں (جامع حالات سید صاحب بیلوی) نے ایک مقبول بارگاہ الٰہی کی کتاب میں لکھا دیکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ جسطرح پر ایک نئی دلہن ناکتخدا سہاگنوں اور ہمجولیوں سے اپنے مزہ وصال کو کسی کھانے یا میوے وغیرہ سے تشبیہ دیکر بیان نہیں کر سکتی۔ اسی طرح سے مزۂ ایمان کا بیان کرنا یا کسی دنیوی مزہ سے اسکو تشبیہ دینا محال ہے۔ اسی لذت کو حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ ؎

لذت مے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی

دنیا کے لوگ ایسے آدمیونکو ہمیشہ دیوانہ بتلاتے آئے ہیں۔ ؎

دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی   دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند

ان دونو ستاروں کے اوصاف تحریر و بیان سے باہر ہیں۔ مولوی صاحب شہید رحمۃ کی خوبئ بصارت کے مقدمہ میں لکھا ہے۔ کہ جب مولانا شہید کی پہلی نظر چہرۂ مبارک سید صاحب پر پڑی تو فرمایا۔ اگر یہ بزرگ اپنے مہدی ہونے کا دعوے کرے تو میں بلا تامل اسکے ہاتھ پر بیعت کرونگا۔ (دیکھئے کیسا خلاص ہے انکو توہین کنندۂ بزرگاں کہنا ناانصافی ہے)۔

مولوی عبداللہ ملتانی کو مولانا شہیدؒ کی نسبت کشف

مولوی عبداللہ صاحب معروف جند وڈے سے (جو ایک اولیائے کامل اور صاحب کشف ملتان میں ہوئے ہیں) کسی نے پوچھا۔ کہ ہند کے اولیاء اللہ میں سے سب سے برتر ولی مقبول خدا کونسا بزرگ ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ کہ عالم ارواح کی سیر میں میں نے دیکھا ہے۔ کہ سب سے بڑا درجہ اولیائے ہند میں مولوی محمد اسمعیلؒ صاحب شہید کا ہے۔ کیونکہ میں نے مولانا شہیدؒ کو جنت میں ایک چھپرکٹ پر لیٹے ہوئے اور کتاب صراط المستقیم کا مطالعہ کرتے ہوئے دیکھا ہے ٭ (صفحہ ۱۷)

سبحان اللہ ایسے بزرگ صاحب کشف اپنے کشف سے آپ شہیدؒ صاحب کا رتبہ اسقدر بلند بتاویں مگر معترض نا مہذب نہیں۔ کتنا بڑا بعد ہے ٭

ایک روز کسی کور باطن ظاہری علم والے نے ان دونو بزرگوں (مولوی عبدالحیؒ اور مولانا شہیدؒ) سے سوال کیا۔ کہ آپ لوگ ایسے بڑے فاضل اجل اور قرآن و کتب احادیث کے حافظ ہو کر سید صاحب ایک امّی آدمی کے مرید کیسے ہو گئے۔ انہوں نے اسکی کور باطنی پر تعجب کر کے اسکے جواب میں فقط اتنا نکتہ کہدیا۔ کہ جو کچھ ہم نے ہزاروں کتابوں میں پڑھا اور حدیثوں میں دیکھا ہے۔ باوجود امّی ہونیکے سید صاحب کو ان سب کا عامل پایا ہے ٭

مولوی عبدالحیؒ صاحب سلوک راہ ولایت اور مراقبہ و مشاہدہ و توجہ و کشف وغیرہ کے پورے سالک اور اس فن میں استاد کامل تھے۔ اور مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہید سلوک راہ نبوّت کے سالک کامل اور پورے عامل تھے۔ اسواسطے آپکے (سید صاحب کے) ملفوظات راہ نبوت کا حصہ صراط المستقیم کا مولوی محمد اسمعیل صاحب کا اور سلوک راہ ولایت کا حصہ مولوی عبدالحیؒ صاحب کا لکھا ہوا ہے ؏ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است ٭

مولوی محمد اسمعیل صاحب شہید کے قصص فہانت اور فطانت اس کمال سے ہیں جو انسان سے مطلوب ہیں۔ اور جس کمال کی تکمیل کو سید صاحب آئے تھے۔ کچھ علاقہ نہیں رکھتے۔ اسواسطے میں انکو یہاں تمام درج کرنا نہیں چاہتا[1] ٭

مولانا شہید علیہ الرحمۃ کے مختصر حالات زندگی

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہید خلف مولوی عبدالغنی نبیرۂ مولانا شاہ ولی اللہ محدثؒ

[1] جامع حالات سید صاحب نے یہ سواسطے لکھا کہ شہید صاحب کے ذہانت اور ذکاوت کے کارناموں کا تعلق سید صاحب کے زیر قلم احوال سے علیحدہ ہے۔ اسواسطے انکے اندراج کو کچھ نظر انداز کر دیا ہے ٭

دہلوی بڑے فاضل اجل اور ذہین ومتین تھے۔ مولوی کرامت علی صاحب حیدرآبادی جو مولانا شہید کے ہم سبق تھے روایت کرتے ہیں۔ کہ مولانا شہیدؒ صرف ایکدفعہ اپنا سبق پڑھکر پھر کتاب کو بند کرکے رکھدیتے تھے اور کبھی مطالعہ وغیرہ کچھ نہ کرتے تھے۔ آپکے ہم سبق طالبعلموں نے اس بے پروائی کی شکایت مولانا شاہ عبدالعزیز رضی سے کی۔ شاہ صاحب نے اسکا سبب اُن سے دریافت کیا۔ تو انہوں نے سارا پچھلا پڑھا ہوا شاہ صاحب کو ازبر سُنا دیا۔ اُسوقت اُن طلبا کو آپکی خداداد ذہانت اور فطانت کا حال معلوم ہوا ❊

مولوی سدید الدین کا مصنفات مولانا شہیدؒ کے متعلق خیال

مولوی سدیدالدین خاں خلف الرشید مولوی رشیدالدین خاں صاحب امین مدرسہ کلکتہ جنکا ہزارہا روپیہ کا کتبخانہ غدر دہلی ۱۸۵۷ء مطابق ۱۲۷۳ھ میں لوٹا گیا تھا۔ فرمایا کرتے تھے۔ کہ ہم کو اپنے کتبخانہ کے لوٹے جانیکا اسقدر افسوس نہیں ہے جسقدر اُن حاشیوں کے ضائع ہو جانے کا افسوس ہے جو علمی کتابوں پر مولانا شہید نے چڑھائے تھے۔ کیونکہ وہ کتابیں تو پھر بھی ملسکتی ہیں۔ مگر اُن حاشیوں کا ملنا سراسر محال ہے ❊

بیان کرتے ہیں کہ ایکروز مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کسی بڑے اہم مسئلہ کا فتوے لکھکر اور اسکو اپنی نشستگاہ میں چھوڑکر اندر مکان میں تشریف لیگئے تھے اس عرصہ میں مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہید تشریف لے آئے اور اس فتوے کا ملاحظہ کرکے بعض فروگزاشتوں کو اپنی قلم سے تصحیح کرکے وہیں رکھکر چلے گئے۔ جب شاہ صاحب واپس تشریف لائے۔ تو ان ترمیموں کو دیکھا۔ تو نہایت خوش ہوئے۔ اور فرمایا۔ کہ اللہ تعالےٰ کا شکر ہے۔ کہ علم ابھی تک ہمارے خاندان میں باقی ہے ❊

مولانا شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ اکثر یہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ میری تقریر تو اسمٰعیلؒ نے لی۔ اور تحریر رشیدالدین نے اور تقوے اسحاق نے ❊

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے تمام درسی کتابیں شاہ صاحب اور مولوی عبدالحی صاحب سے ختم کی تھیں۔ اور بوجہ اپنی ذہانت و فطانت کے خود ایک دریائے ذخار علم کا ہوکر اسکی موجوں میں تبحر کر رہے تھے۔ کہ اس عرصہ میں انکی خوبیٔ قسمت سے سید صاحب کا سا پیر کامل اکمل ملگیا جنکی برکت صحبت اور انوار ہدایت سے وہی علم (جسنے مولوی عبدالرحیم عرف عبدالرجیم آپکے ہم مکتب کلکتہ والا کو دہریہ بنا دیا تھا) انکے حق میں ایک محمد و آلہ شناخت اور ترویج دین کا کمال خوبی کے ساتھ ہوگیا۔ یہانتک کہ آپکے روبرو بات کرنی دشوار تھی ❊

مولوی فضل حق منقولی خیرآبادی کی مولانا شہید سے عناد کی وجہ

مولوی فضل حق منقولی خیرآبادی جو اُس زمانہ میں حاکم اعلےٰ شہر دہلی کے سررشتہ دار اور علم منطق کے پتلے اور افلاطون سقراط و بقراط کی غلطیوں کی تصحیح کرنیوالے تھے۔ مولانا شہیدؒ کے سخت مخالف ہو گئے چنانچہ کتاب تقویۃ الایمان کے اس مسئلہ پر کہ "اللہ رب العزت حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم سا دوسرا پیدا کر دینے پر قادر ہے"۔ انہوں نے سخت اعتراض کیا۔ اور لکھا کہ اللہ رب العزت حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم جیسا دوسرا پیدا کر دینے پر ہرگز قادر نہیں۔ اسکے جواب میں مولانا شہیدؒ نے ایک فتوےٰ بدلائل عقلی و نقلی نہایت مدلل لکھا ہے۔ چنانچہ ایضاح الحق کے خاتمہ پر وہ فتوےٰ بتمامہ چھپ بھی گیا ہے۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کس خوبی سے آپنے اپنے مخالفوں کا منہ بند کیا ہے۔ خلاصہ اسکے جواب کا یہ ہے کہ مولانا شہید لکھتے ہیں۔ کہ قدرت ایک علیحدہ صفت ہے اور تکوین یعنی بنانا ایک علیحدہ صفت ہے۔ سو وجود مثل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تحت قدرت الٰہی کے داخل ہے۔ نہ تحت تکوین کے تاکہ وقوع اسکا لازم آئے۔ اور تقویۃ الایمان کے اس مقام پر بھی ثابت کرنا مقصود ہے کہ رب العزت جل جلالہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مثل پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اور یہ مقصود نہیں ہے کہ مثل حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پیدا کریگا۔ کیونکہ آپ خاتم النبیین ہو چکے۔ پھر آپنے واسطے ثبوت قدرت الٰہی کے یہ آیت لکھی ہے۔ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ (ترجمہ کیا وہ ذات پاک جسنے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ مثل انکے یعنی بنی آدم کے اور پیدا کر دے؟ ہاں! وہ ضرور بڑا پیدا کرنیوالا اور جاننے والا ہے) پھر آپنے لکھا ہے۔ کہ اس آیت میں ضمیر جمع مذکر کی کل بنی آدم کی طرف جن میں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں راجع ہے۔ اور گو اس آیت میں بیان معاد کا ہے مگر پیدا کرنے مثل پر اسکا قادر ہونا اس آیت سے بخوبی ثابت ہے۔

بوجہ ہونے اہلکار انگریزی کے مولوی فضل حق صاحب کا بڑا رعب اور دبدبہ شہر دہلی میں تھا۔ خود بادشاہ بھی انکی خاطرداری کرتے تھے۔ جب مولوی فضل حق صاحب بحث مسئلہ قدرت الٰہی میں لاجواب ہو گئے تو اور مخالفت بڑھی۔ یہانتک کہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کا وعظ جامع مسجد سے بند کرا دیا گیا۔ لیکن شہر کی خلقت آپکے وعظ پر شیدا تھی۔ مجبوراً بادشاہ کو آپکے وعظ ہونیکی پھر اجازت دینی پڑی۔ مگر اُسوقت جامع مسجد کے اندرونی حوض پر ایک بازار لگا کرتا تھا جسمیں صدہا ہندو لوگ بھی دکانیں لگاتے تھے۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے یہ ساری کیفیت خانۂ خدا میں بازار لگنے اور خرید و فروخت ہونے اور ہندوؤں کے شامل ہونیکی اَلْحُکْمُ لِلّٰہِ تعالےٰ کے مواخذہ اور

عذاب سے بادشاہ کو ڈرایا۔ فوراً بادشاہ نے وہ بازار بند کرا دیا ٭

ایک روز ایک جلسۂ وعظ میں ایک روسیاہ بدعتی نے مولانا صاحب کو چھری سے شہید کرنا چاہا مگر خیر گزری کہ وہ وار نہ کرنے پایا۔ اور پکڑا گیا۔ سبحان اللہ! یہ بھی ہادیانِ اہلِ حق کی سنت ہے۔ کہ گمراہ لوگ اُنکے قتل کا ارادہ کریں۔ اور روشنیِ ہدایت کو منہ کی پھونک سے بجھانا چاہیں۔ مگر اس اقدام میں ناکام رہتے اور مصداق خسر الدنیا والآخرۃ کے ہوتے ہیں ٭

مولوی صاحب محمد اسمٰعیل رحمہ نے باتباع فعل سید صاحب کے شہر دہلی میں سب سے پہلے اپنی بیوہ ہمشیرہ کبیر سن کا نکاح مولوی عبدالحی صاحب سے کر کے رانڈوں کے نکاح کرانے پر کمر باندھی اور نکاح ثانی کی فضیلتیں اور اسکو عیب سمجھنے کی بُرائیاں ایسی وضاحت اور خوبی کے ساتھ بیان کرنی شروع کیں۔ کہ ہزارہا رانڈوں کے نکاح ثانی خاص شہر دہلی میں ہو گئے۔ ایک معتبر دیرینہ شخص جامع کتاب ہذا (یعنی سوانح سید احمد) سے کہتا تھا۔ کہ اسوقت قریب دس ہزار کے سکیں اور بے بیس رانڈیں آپ کی سعی اور کوشش سے شوہر والیاں ہو گئیں۔ اور آپ کی بدولت یہ رسم زبون ہمیشہ کے واسطے شہر دہلی سے اُٹھکر سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جاری ہو گئی۔ اسوقت بھی پچاسوں آدمی آپکا وعظ سننے والے شہر دہلی میں موجود ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ جب آپکا وعظ گرم ہوتا تھا۔ تو سامعین میں نالہ وزاری سے شور ہو جاتا تھا۔ اور روتے روتے ہچکیاں بندھ کر بیخود ہو جاتے تھے ٭

ایک دولتمند شیعہ نے جو اُسوقت دہلی کا تحصیلدار تھا مولانا شہید کو بُلا کر آپکا وعظ اپنی قوم میں کرایا تھا۔ قریب تین چار سو شیعوں کے اسوقت آپکے وعظ میں حاضر تھے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا بیان تھا۔ جب وعظ گرم ہوا۔ تو ہر ایک شیعہ بیہوش ہو گیا۔ بعد اختتام وعظ کے اُنہوں نے کچھ نذرانہ مولانا صاحب کو دینا چاہا۔ مگر آپنے منظور نہیں فرمایا ٭

ایک روز خانم کے بازار میں قریب تیس کسبیوں کے آپنے جمع کرا کے انکو وعظ سُنایا اُسی شام کو ان میں سے انتیس ۲۹ کسبیوں نے توبہ کر کے نکاح کر لئے ٭

صاحب ذکر جلی ایک اس قسم کا قصہ مولوی محمد علی صاحب رامپوری کی زبانی تحریر کرتے ہیں کہ ایکروز مولوی محمد اسمٰعیل صاحب حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے مدرسہ کے دروازے پر کھڑے تھے۔ آپنے دیکھا کہ بہت سی جوان اور خوبصورت عورتیں رتھوں اور بہلیوں میں سوار ہو کر بلا پردہ کہیں کو جا رہی ہیں۔ مولویصاحب نے پوچھا۔ کہ یہ کون عورتیں ہیں؟ ایک شخص نے کہا۔ کہ یہ سب بیاں فلانی بڑی کسبی کے گھر کچھ تقریب ہے وہاں جا رہی ہیں۔ مولویصاحب نے پوچھا۔ کہ کیا یہ مسلمان ہیں؟ اس شخص نے کہا۔ کہ ہاں! مسلمان ہیں۔ تب مولانا نے فرمایا۔ کہ جب مسلمان ہیں تو ہماری بہنیں ہیں۔ کیا خداوند تعالےٰ ہم سے نہیں پوچھیگا؟ کہ اسقدر مسلمان عورتیں بدکاری اور زناکاری میں گرفتار

تھیں۔ اور تم نے ان کو نصیحت نہیں کی اسواسطے اب تو میں انکے مکان پر جاکر انکو نصیحت کرونگا۔ آپکے رفیقوں نے کہا۔ کہ آپکے وہاں تشریف لے جانے سے آپکو بدنام کردینگے کہ کنچن واڑے میں بھی آپ جانے لگے۔ آپنے فرمایا۔ کہ سمعیل کو اس بات کی پرواہ نہیں جب اللہ اور رسُول کا حکم سُنانے کو نکلا تو ہر ایک کو سُناویگا۔ اسکے واسطے سب کلمہ گو مومنوں کا حق برابر ہے۔ آپنے اول اپنے دل سے کہا۔ کہ اے دل! اگر تیرے بدن کی بوٹیاں کاٹ کر چیلوں کو کھلادیں یا تیرے جسم کو ہاتھی کے پاؤں سے باندھکر کھنچوائیں۔ تو اُسوقت بھی اللہ ہی کی بات بولتا رہیگا۔ دل نے کہا۔ ہاں! جبتک میرے اندر سانس ہیں۔ خدا کی بات کہنے سے کسی عذاب و عقوبت سے بھی باز نہ آؤنگا۔

جب شام ہوئی مولانا صاحب درویشوں کا سا بھیس بدلکر اس کسبی کے مکان پر پہنچے۔ جہاں سب کسبیاں جمع ہوکر کچھ گا بجا رہی تھیں۔ آپنے وہاں جاکر دروازہ کھٹکھٹایا۔ اور کہا۔ کہ آؤ۔ اللہ والیو! آؤ اللہ والیو! اسوقت چند چھوکریوں نے دروازہ پر آکر پُوچھا۔ کہ کون ہو؟ آپنے جواب دیا۔ کہ فقیر ہے کچھ صدا سُناؤنگا اور تماشا دکھاؤنگا۔ وہ سمجھیں کہ کوئی تماشا گر فقیر ہے۔ دروازہ کھولکر اندر بُلالیا۔ آپنے اندر جاکر بہت نرمی سے پُوچھا۔ کہ بڑی بی صاحبہ کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ اوپر بالا خانے میں مع اپنے مہمانوں کے جشن کر رہی ہیں۔ مولانا صاحب اوپر تشریف لیگئے۔ اور دیکھا کہ بڑی بی صاحبہ بڑے تزک و درشان سے مع اپنے مہمانوں کے کرسیوں پر بیٹھی ہیں۔ چاروں طرف شمعدان روشن ہیں۔ چونکہ مولانا صاحب ایک نامی گرامی اور مشہور شخص ایک بڑے گھرانے کے صاحبزادے تھے۔ باوجود بھیس بدلنے کے بھی وہ آپ کو پہچان گئیں۔ اور اپنی اپنی کرسیوں سے اُٹھکر آپکے سامنے مودب کھڑی ہوگئیں۔ اور پوچھا۔ کہ حضرت! آپنے کیونکر تکلیف فرمائی؟ آپنے فرمایا۔ گھبراؤ نہیں۔ میں کچھ صدا سُنانے آیا ہوں۔ تم سب جمع ہوکر اپنی اپنی جگہ میں آرام سے بیٹھ جاؤ۔ چونکہ اُنکی ہدایت کا وقت آگیا تھا۔ سب ایک جگہ جمع ہوکر بیٹھ گئیں۔ مولانا صاحب نے حمائل کھولکر ایسی خوش الحانی سے قرآن شریف پڑھا۔ کہ اُسی کو سُنکر لوٹ پوٹ ہوگئیں۔ پھر آپنے اُن آیتوں کے معنی بیان کرکے ہر ایک چیز دنیوی کی بے ثباتی کا اسطرح ذکر کیا۔ کہ یہاں نہ حسن نہ جوانی کو قیام ہے۔ نہ مال و زندگانی کو۔ یہاں کی ہر چیز فانی اور زوال پذیر ہے۔ یہ بیان ایسی شرح و بسط اور فصاحت و بلاغت سے ہوا۔ کہ ہر ایکنے رونا شروع کیا۔ اسکے بعد مولانا نے موت اور جان کندنی کی سختی اور اسوقت کی بیکسی اور وحشت اور عالم کی مفارقت کا افسوس پُر درد طور سے بیان کیا۔ کہ ساری عورتیں ہوش باختہ ہوگئیں۔ پھر اسکے بعد قبر کی تنہائی اور منکر و نکیر کا سوال اور وہاں کے عذاب کا بیان اس زور سے کیا۔ کہ سامعین پر حالت بیخودی کی چھا گئی۔ اور ہر طرف سے نالہ و آہ و گریہ و زاری شروع ہوئی۔ پھر اسی بیان کے

متصل آپنے میدانِ قیامت کی سختی اور عقوبت کا بیان اسطرح کیا۔ کہ روز قیامت بدکاروں کے گروہ کے گروہ گرفتار کر کے حاضر کئے جائینگے۔ اور جو کوئی اس فعل بدکاری کا دنیا میں سبب یا وسیلہ یا موجد یا معاون ہوا ہے وہی اسدن اس گروہ کا پیشرو ہوگا۔ جب بروز قیامت تم ہر ایک مجرم بدکاری گرفتار ہوکر حاضر کی جاؤگی۔ تو ہر ایک نر اپنے کے ساتھ سینکڑوں ہزاروں زانی و بدکار بھی لائے جائینگے۔ جنکی زناکاری و بدکاری کا تم باعث اور وسیلہ ہوئی ہو۔ تمہارے ہی نازو ادا نے ان کو اس آفت میں پھنسایا تھا۔ تو اب خیال کرو۔ کہ ایسی حالت سے جبکہ سینکڑوں اور ہزاروں زانی و بدکار تمہارے پیچھے پیچھے ہونگے۔ اللہ رب العزت کے سامنے تمہارا کیا حال ہوگا۔ یہ بیان بھی ایسا گرم ہوا۔ کہ سبھونکی ہچکیاں بندھ گئیں۔ تب آپنے آب توبہ سے اس خستہ دلونکے حالونکو ٹھنڈا کرنیکو توبہ کی فضیلت بیان کرنی شروع کی۔ اور کہا۔ کہ توبہ سے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ اس بیانِ وعدۂ عفو اور شرح غفاری اس غفور الرحیم سے ان بیدلونکو کچھ ہوش آیا۔ معًا اسکے آپنے نکاح کی فضیلت بیان کرنی شروع کی۔ اور آخر میں فرمایا۔ کہ جسکا دل جس سے چاہے اس سے نکاح کرلیوے۔ اور اپنے افعال ماضیہ سے تائب ہوجاوے۔ التآئب من الذنب کمن لا ذنب له (ترجمہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ گناہ سے توبہ کرنیوالا ایسا ہوجاتا ہے گویا اُس نے گناہ کیا ہی نہیں) جب یہ وعظ ہورہا تھا۔ اسکی شہرت تمام شہر میں ہوکر ہزاروں خلقت اسکے سننے کو وہاں آکر جمع ہوگئی تھی راستے بند ہوگئے تھے۔ آس پاس کے کوٹھے اور بالاخانے خلقت سے لدگئے تھے نتیجہ اس وعظ دلپذیر کا یہ ہوا۔ کہ جسقدر جوان عورتیں قابل نکاح اس مجمع میں موجود تھیں سب نے توبہ کرکے نکاح کرلئے۔ اور جسقدر بوڑھی اور سن رسیدہ نائکا وغیرہ تھیں انہوں نے محنت مزدوری سے اپنی گذران کرنی شروع کی ؟

ایکدن کا ذکر ہے کہ مولانا صاحب ممدوح جامع مسجد کی سیڑھیوں پر گذری بازار میں کھڑے وعظ فرمارہے تھے۔ اسوقت ایک ہیجڑے کے نصیب جو کچھ چمکے تو وہ بھی مہندی لگائے ہوئے اور ہاتھ میں چوڑیاں کڑے اور پاؤں میں چھڑے اور سہانہ سرخ جوڑا پہنے ہوئے بغرض تفنن طبع مولویصاحب کے نزدیک آکر کھڑا ہوا۔ اور وعظ سننے لگا۔ جب اسکے دل پر کچھ اثر ہوا تو محو ہوکر آپکے سامنے سیڑھی پر بیٹھ گیا۔ آپ بھی اسکے رنگ ڈھنگ کو دیکھکر اسکی طرف متوجہ ہوگئے اُسوقت آپنے اسکی زنانی ہیئت کی برائی اور بیان مواخذۂ الٰہی اور عذاب آخرت کا اس ورو شور سے بیان کیا۔ کہ ہیجڑے پر وہ اثر ہوا کہ ہیجڑے نے وہیں بیٹھے بیٹھے چوڑیاں توڑ ڈالیں اور زیور اتار کر علیحدہ کردیا۔ اور ہاتھ پاؤں سے مہندی کا رنگ دور کرنے کیلئے سیڑھیونکے پتھروں پر انکو اسقدر رگڑا کہ خون جاری ہوگیا۔ بعد اختتام وعظ کے تائب ہوکر آپکے خادموں میں داخل ہوگیا

اور ساتھ ہی خراسان کو گیا۔ اور دہلی کا مخنث بمقابلہ سکھاں داد مردانگی کی دیکر شہید ہوا ÷

ایکدفعہ ایک وعظ میں مولانا شہید نے ایک رکوع کا بیان اس خوبی سے کیا۔ کہ مولوی امام بخش صہبائی اور مولوی عبداللہ خاں صاحب اور مفتی صدرالدین صاحب وغیرہ علمائے اجل دہلی نے جو آپکے سامعین وعظ تھے دوبارہ اس رکوع کا بیان ہونیکی درخواست کی حسب استدعا ان لوگو نکے ایک دوسرے جلسہ میں آپنے وہی رکوع پڑھا۔ اور بعد ترجمہ اس روز اس رکوع کو ایک ایسے دوسرے پیرایہ میں اس خوبی اور فصاحت و صفاحت سے بیان کیا۔ کہ ہر مطلب اور نتیجہ پہلے روز کے بیان سے سراسر غیر تھا۔ مگر بیان کی خوبی روز اوّل سے بڑھکر تھی۔ ایک تیسرے وعظ میں بھی حسب درخواست سامعین اسی رکوع کا بیان ہوا۔ مگر یہ بیان اُن پہلے دونو بیانوں سے غیر تھا۔ مگر بیان کی خوبی ہر دو روز ماضیہ سے کہیں بڑھ چڑھکر تھی ÷

آپکے وعظ سے ہزاروں بدعتی بلکہ شیعہ و ہندو وغیرہ بھی کثرت سے ہدایت پایا کرتے تھے بہت ہی کم تھا۔ کہ کوئی شخص آپکی زبانِ ہدایت نشان سے توحید اور اتباع سنت کا بیان سُنکر شرک و بدعت سے توبہ نہ کرے ÷

مولوی حاجی قاسم نام امام عیدگاہ دہلی کا بڑا بدعتی تھا۔ اور یہانتک آپسے ضد اور عداوت ہوگئی تھی۔ کہ وہ کہا کرتا تھا۔ کہ جس چیز کو مولوی اسمعیل حرام کہینگے۔ میں اس چیز کو ضرور حلال کہونگا۔ ایکروز مولانا نے اسکی یہ بیہودہ ہٹ سُنکر فرمایا۔ کہ ہم اسکی ماں بہن کو اس پر حرام کہتے ہیں۔ بھلا وہ انکو اپنے اوپر حلال تو کر لیوے ؟

کہتے ہیں کہ مولوی فضل حق صاحب نے آپکی کامیابیوں کو دیکھکر آخر فرمایا تھا کہ مولوی محمد اسمعیل ضرور شیر خدا ہے۔ اور میں نفس کا شیر ہوں ÷

ایکدفعہ عید کی نماز پڑھنے کو آئے۔ تو سب موحدوں نے جمع ہو کر مولوی صاحب شہید سے عرض کیا۔ کہ حاجی قاسم امام عیدگاہ بدعتی ہے۔ اسکے پیچھے نماز پڑھنا اچھا نہیں ہے۔ کسی دوسری جگہ نماز عید کا بندوبست کیا جاوے۔ تب مولانا نے فرمایا۔ کہ جماعت میں تفرقہ ڈالنیوالوں پر لعنت آئی ہے۔ ہم تفرقہ مسلمین کے باعث نہ ہونگے۔ مولوی قاسم صاحب بھی ہمارے ہی چچا مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگرد ہیں۔ وہ یہ سب باتیں محض اپنی نفسانیت سے کہتے ہیں۔ اپنے عقیدے سے نہیں کہتے ÷

مولانا شہید ہمیشہ سپاہیانہ وضع رکھتے تھے۔ گلے میں الخالک اور چست پاجامہ سر پہ پیچیدہ عمامہ اور تلوار کو حمائل کیئے رہتے تھے۔ سید صاحب کے واقعات جنگ کے پڑھنے سے معلوم ہوا ہوگا۔ کہ مولوی محمد اسمعیل صاحب شہید باکمال جنرل اور فن جنگ سے آگاہ تھے سید صاحب

کے بیسیوں واقعات جنگ میں شاید شاذونادر کوئی ایسا واقع ہو جسکے جنرل اور کمانڈر مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نہ ہو کر گئے ہوں۔ اور آپکے ساتھ ہمیشہ تائید الٰہی ہوا کرتی تھی۔ کہ کبھی کسی حملہ میں آپ ناکامیاب ہو کر نہیں آئے بعض موقعوں پر دس دس اور بارہ بارہ آدمیوں سے آپنے ہزارہا کفار کا مقابلہ کر کے فتح حاصل کی ہے ⁂

ایک سفر میں جب آپ ایک سرائے میں ٹھیرے ہوئے تھے۔ اس بستی کے بہت عالم فاضل آپ کی تشریف آوری کی خبر سنکر آپکی زیارت کیواسطے سرائے میں حاضر ہوئے تھے۔ وہاں پہنچکر ان لوگوں نے بجائے مولویصاحب کے ایک سپاہی کو دیکھا۔ کہ گلے میں تلوار لٹکائے ہوئے اپنے گھوڑے کی خدمت کر رہا ہے۔ انہوں نے اس سپاہی سے پوچھا۔ کہ میاں سپاہی مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کہاں ہیں؟ سپاہی نے جواب دیا۔ کہ اُن سے آپکا کیا کام ہے؟ انہوں نے کہا۔ کہ زیارت سے مشرف ہو کر کچھ مسائل کی تحقیق کرینگے۔ آپنے فرمایا۔ کیا مسائل ہیں؟ انہوں نے بڑے بڑے ادق مسائل جو سوچکر لائے تھے بیان کئے۔ آپنے گھوڑے پر کھر کھرا کرتے کرتے اُن کے ایسے جواب باصواب دیدئے۔ کہ جو کسی دوسرے مولوی سے مہینوں میں بھی نہ بن آتے۔ تب وہ لوگ سمجھ گئے۔ کہ غالبًا یہی شخص مولوی محمد اسمٰعیل ہے۔ تب انہوں نے بڑے ادب سے عرض کیا کہ حضرت! آپکے ساتھ کچھ کتابیں نہیں ہیں؟ آپنے فرمایا۔ کہ کتاب اللہ میرے سینے میں ہے۔ اول اس سے سمجھاتا ہوں۔ جب کوئی اس سے نہیں مانتا۔ تو یہ تلوار جو میرے گلے میں پڑی ہے اسکا علاج ہے۔ ان دونو کے ہوتے اور کتاب کی کیا ضرورت ہے؟

عبد اللہ سراج شیخ العلمائے مکہ کا مولانا شہید سے اپنے شبہات علمی نکالنا

مولوی عبدالاحد ابوسعید لکھتے ہیں۔ کہ عبد اللہ سراج جو بروقت حج کو تشریف لے جانے مولانا شہید کے مکہ معظمہ میں شیخ العلما تھے مولانا شہید رحمہ کے روبرو دو زانو بیٹھکر اپنے شبہات علمی کو پوچھا کرتے تھے۔ اور علم مناظرہ انہوں نے مولانا شہید رحمہ ہی سے سیکھا ہے ⁂

صدہا مولوی اور عالم کابل اور قندھار اور سمرقند اور ماوراء النہر وغیرہ کے جمع ہو کر بمقام پکھلی مسئلہ وجوب تقلید میں آپسے بحث کرنیکو آئے تھے۔ چنانچہ ایک ہفتہ تک یہ بحث رہی۔ آخر کو وہ سب مولوی لاجواب ہو کر عدم وجوب تقلید شخصی کے قائل ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ یہ شخص تو قرآن واحادیث کا حافظ اور محقق اسمیں غوطہ لگائے ہوئے ہے۔ اس سے کون جیت سکتا ہے؟ لیکن باوجود اس فتحیابی کے سید صاحب نے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب سے فرمایا۔ کہ یہ وقت ترک تقلید کا نہیں ہے۔ ہم کو اسوقت کفار سے جہاد کرنا ہے۔ تقلید کا جھگڑا اٹھا کر اپنے

اندر تفرقہ ڈالنا بہتر نہیں ہے۔ اس جھگڑے سے جسکی بنا ایک فروعی اختلاف سنّت یا مستحب ہے ہمارا اصل کام ہجرت اور جہاد کا جو فرض عین ہے فوت ہو جاویگا۔

یہ بھی اسوقت کی ایک روایت ہے۔ کہ جب بہت سے ولائتی مولوی بڑی بڑی پگڑیاں اور جبّے پہنکر مولوی محمد اسمٰعیل صاحبؒ کی ملاقات کیواسطے لشکر مجاہدین میں آئے۔ تو اُسوقت مولانا شہیدؒ چکّی سے اپنے گھوڑے کا دانہ دل رہے تھے۔ وہ سارے ولائتی مولوی آپکا یہ حال دیکھکر بے اختیار رو پڑے اور کہنے لگے۔ کہ ٹھیک صحابہ رضی اللہ عنہم کی چال پر یہی شخص ہے اور ہم دُنیا کے کُتّے ہیں۔

روایت کرتے ہیں۔ کہ جب تنویر العینین فی اثبات رفع یدین آپنے لکھی۔ اسوقت مولانا شاہ عبد العزیز صاحبؒ اور مولوی عبد القادر صاحبؒ دونو زندہ تھے۔ جب شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے اس کتاب کو دیکھا تو بہت پسند فرمایا۔ اور کہا کہ خدا کا شکر ہے۔ کہ اس گھر میں ابھی تک محقق علم حدیث کے موجود ہیں۔

مولانا شہیدؒ نے سیّد صاحب سے بیعت کرنیکے بعد اپنے ملک کے لوگونکی ہدایت کیواسطے بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ منجملہ انکے ایک تقویۃ الایمان ہے۔ یہ کتاب توحید اور اتّباع سنّت کی خوبی اور شرک و بدعت کی بُرائی میں ایک لاثانی کتاب ہے۔ اس کتاب سے اسوقت تک لاکھوں آدمیوں نے ہدایت پائی۔ اور امید ہے کہ قیامت تک ہماری آئندہ نسلیں اس سے ہدایت پاتی رہینگی۔ ایک شاعر نے اس کتاب کے حق میں کہا ہے۔ ؎

جسپہ ہو جاوے مگر الطاف حق	تقویۃ الایمان کا لیوے سبق
ہر جزو اسکا ہدایت کا سبق	طبع اسمٰعیل کا روشن ورق

آسمانی علم کا اظہار ہے

دین اک مدّت سے سوتا تھا پڑا	غازئ حق نے دیا دیں کو جگا
ورنہ رفتہ رفتہ قبر اولیاء	سجدہ گاہ خلق ہوتیں برملا

شکر خالق کا ہمیں درکار ہے

اب جو اسمٰعیل غازی مولوی	دین کے دریا مراتب میں ولی
جب اُنہوں نے تقویۃ الایمان کہی	اسمیں تفریق حق و باطل میں ہے کی

پھر گیا جو شخص ناہنجار ہے

مومنوں کے حق میں تقویۃ ہے وہ	فاسقوں کا باعث لعنت ہے وہ
فاقبلوا مِن ربّکم نعمت ہے وہ	قد خلت من قبلکم سنّت ہے وہ

کفر کے حق میں گویا تلوار ہے

تقویۃ الایمان کا پہلا حصہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کے معنوں کی تفسیر ہے جو مولانا شہیدؒ نے اپنے ہاتھ سے لکھکر تمام کردیا تھا اسواسطے اسکی عبارت بڑی پُرزور مثل ننگی شمشیر کے ہے جسکی نورانی شعاعوں سے مشرکوں اور گور پرستوں کے دل کباب ہوتے ہیں۔ دوسرا حصہ اس کتاب کا (مشعر تفسیر محمد رسول اللہ کے) آپکی وفات کے بعد مولوی محمد سلطان علی خانصاحب نے ترتیب دیا۔ اس سبب سے اسکی عبارت ایسی پُرزور نہیں ہے۔ اگر تقلید کا مقدمہ مولانا شہیدؒ کے ہاتھ سے لکھا جاتا۔ تو عجب گل کھلتا۔ اور پھر معتقدان سید صاحب کو تقلید شخصی کے واجب اور فرض کہنے کا حوصلہ باقی نہ رہتا۔ دوسری کتاب آپکی دینی تصنیفات میں حقیقت امامت ہے۔ اس کتاب میں آپنے حقیقت امامت کو بہت شرح اور بسط کے ساتھ بیان کیا ہے اس کتاب کی تصنیف سے دراصل سید صاحب کے فضائل اور آپکی اطاعت کی خوبیوں اور نافرمانی کے بُرے نتائج کا بیان کرنا مقصود تھا۔ اس کتاب کے ہر ہر فقرے میں مشارٌ الیہ سید صاحب ہیں۔ کتاب مذکور میں سید صاحب ہی کی شان میں آپنے لکھا ہے "ہر کمالیکہ در خدمتگذاری او مصروف نگردد خیالیست سراختلال و ہر علمے کہ دربیان اعظام و اکرام او بکار نیاید وہمیست سراسر باطل و محال"۔ تیسری کتاب تنویر العینین فی اثبات رفع یدین ہے۔ اس کتاب میں آپنے بہت سی صحیح صریح غیر منسوخ حدیثوں کو جمع کرکے ثابت کیا ہے کہ رفع یدین سنت غیر مؤکدہ اُن سُنتوں میں سے ہے۔ کہ جن سے قرب الٰہی حاصل کیا جاتا ہے۔ رفع یدین کرنیوالا ثواب پاویگا۔ مگر رفع یدین کے تارک پر ملامت نہ کی جاوے اگرچہ عمر بھر نہ کرے۔ اور جو عالم احادیث سے ثبوت رفع یدین پاکر رفع یدین کرنیوالوں پر طعن کرے وہ ان لوگوں میں داخل ہے جو مخالفت کرتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعد ظاہر ہوجانے ہدایت کے۔ تنویر العینین کے خاتمے پر آپنے لکھا ہے۔ کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے میں دونو طرف دلائل قوی ہیں۔ لیکن طرفین کے دلائل میں تامّل کرنے سے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا اولی اور افضل ہے اسکی ترک سے۔ اور پھر آپنے لکھا ہے۔ کہ اسیطرح آمین پکار کر کہنا آہستہ کہنے سے اولی و افضل ہے۔ کیونکہ جہر کی روائتیں بہت آئی ہیں۔ اور صبح کی نماز میں قنوت کا پڑھنا یا نہ پڑھنا دونو مساوی ہیں۔ اور بسم اللہ کے آہستہ کہنے کی روائتیں بالجہر کی روائتوں سے زیادہ ہیں۔ تو بسم اللہ کو آہستہ ہی پڑھنا بہتر اور روشن ہے۔ اور ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنا حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہوا۔ اور ناف[1] کے نیچے یا ناف کے اوپر

[1] ان مسائل اختلافیہ کے فیصلہ سے ہر دو فریق کے متعصب لوگوں کو سبق حاصل ہونا چاہئے کہ شہید صاحب نے کیسے انصاف سے فیصلہ کردیا ہے۔ مگر جو لوگ اس اختلاف سے ایکدوسرے کو کافر کہتے ہیں وہ سخت خودستا اور بے انصاف لوگ ہیں۔ اہل حق کے فیصلہ جات اسطرح بغیر ریا اور خودستائی کے ہوتے ہیں۔ جنکا ہمیں پیرو ہونا چاہیئے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

اور سینے کے اوپر اور سینہ کے نیچے ہاتھ رکھنا مساوی ہیں - جہاں چاہے رکھے - کیونکہ دونو طریق صحابہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں ۔

چوتھی کتاب آپکی دینی تصنیفات میں ایضلح الحق اسم بامسمّے ہے - پانچویں کتاب حقیقتِ نبوتؐ ہے - ایک مثنوی معروف بہ سلکِ نور بھی آپکی تصنیف سے ہے - جسکا شروع اسطرح پر ہے ؎

الٰہی ترا نام کیا خوب ہے — کہ ہر جان کو وہ ہی مطلوب ہے
اسی سے ہے ہر دل کو آرام و چین — وہی سب زبانوں کا ہے زیب و زین

صراط المستقیم ملفوظاتِ سید صاحب جو آپ ہی کے قلم سے قفس تحریر میں آئی - آپکی عمدگی اور علوم تبعیت پر ایک بڑی شاہد عادل ہے - اس کتاب کے دیباچہ میں آپنے لکھا ہے - کہ میرے اوپر انعام الٰہی بیحد و بے شمار ہیں - اور سب سے بڑا انعام سید صاحب کی خدمت بابرکت میں میرا حاضر رہنا ہے - اور آپکی مجلس مبارک میں حاضر رہنے سے میں نے آپکے کلمات ہدایت آیات کو سُنکر بہت فائدہ اُٹھایا ہے ۔

جامع حالاتِ سید صاحبؒ مولانا شہیدؒ لکھتے ہیں - کہ اللہ رب العزت کا محبوب ہے - کہ یہ عالم نبیل فاضل جلیل قاضی جلیل مجاہد فی سبیل اللہ جو مخر اہل اسلام ہند کا تھا - واقعہ ۲۴ - ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ بوقت ظہر صدہا کافر دنکو اپنے ہاتھ سے تہ تیغ بیدریغ کر کے بالاکوٹ میں شہید ہوا ۔

لکھا ہے کہ آپکے گھوڑے سے جدا ہونے سے پہلے آپکا جسم مبارک گولیوں سے چھلنی ہو گیا تھا - تاہم آپنے صدہا کافرونکو داخل جہنم کیا - آپ کو ناس سونگھنے کا بہت شوق تھا - اپنی شہادت سے چند لحظے پہلے آپنے اپنی ڈبیہ نسوار کی نکالکر سونگھی - اور پھر اسکو جھاڑکر پھینکدیا اور فرمایا - کہ بس یہ آخری سونگھنا ہے - ناس کو سونگھکر اور لشکر کفار میں گھس کر آپ شہید ہو گئے[۱]

یہ بھی روایت ہے - کہ آپکی شہادت کے بعد راجہ شیر سنگھ خلف راجہ رنجیت سنگھ نے جو سکھوں کی فوج کا جرنیل تھا آپکی لاش پر دوشالہ ڈلوا کر بہت عزت سے آپ کو دفن کرا دیا ۔

---

[۱] معترض نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ مولوی محمد اسمٰعیل نے اسواسطے جہاد کیا - کہ کسی طرح سے میں بادشاہ بنجاؤں اور لوگ میرے تابع ہو جاویں - یہ غرض نفسانی تھی - اسیواسطے کافرونکے ہاتھ سے قتل ہو گئے - تو جواب اسکا یہ ہے - کہ اگر وہ غرض نفسانی سے جہاد کرتے - تو جبکہ آپکا بدن گولیوں سے چھلنی ہو گیا تو پھر آپنے کیوں سینہ کو سپر بنایا - ایسے وقت میں تو نفس کہتا ہے کہ جان بچ جاوے - مگر انہوں نے آگے بڑھکر نفس کا کہنا نہ مانا - اور دوسرے یہ کہ جب آپنے نسوار سونگھکر اور اپنے شہید ہو جانے پر پورا اعتماد کر کے فرمایا کہ بس یہ آخری سونگھنا ہے اور ڈبیہ پھینکدی تو کیا اسوقت آپکی خواہش بادشاہ بننے کی تھی یا شہید ہو جانے کی ؟ اگر یہ غرض نفسانی ہوتی - تو جب آپنے جان جاتی دیکھی تھی تو ضرور جنگ سے منہ موڑ لیتے - اور غرض نفسانی میں یہ نہیں ہو سکتا کہ جان چلی جائے کیونکہ ایسے وقت میں نفس کہتا ہے - جان بچالے خواہ ایمان بھی چلا جائے - معترض کا یہ بہتان ہے ۔

چنانچہ اسوقت تک ایک کچی قبر آپ کی بالاکوٹ میں موجود ہے۔ اور دُنیا کے لوگوں کی عقل پر بہت افسوس ہے۔ کہ ایسے شخص قاطع شرک وکفر کی قبر پر اب وہاں کے لوگ کی منتیں چڑھا کر آپ سے مرادیں مانگتے ہیں۔ (سوانح احمدی دیکھو)۔

دیکھو کوئی لوگ تو مولانا شہیدؒ کو وہابی کہکر کافر بناتے ہیں۔ مگر انہی بدعتی لوگوں میں سے ایک فرقہ مولانا کو اولیاء اللہ سمجھکر اُنکی قبر پوجتا ہے۔ یہ بھی ایک قابلِ غور بات ہے۔ کہ اللہ کریم اپنے محبوبوں کو نہ دنیا میں رسوا کرتا ہے نہ آخرت میں کریگا (بمصداق مندرجہ بالا حضرت شاہ عبد العزیز علیہ الرحمۃ) تو مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کیسی عزت دی جو مرقوم ہو چکی۔ اور پھر بعد شہادت کے بھی انہی دشمنوں (سکھوں) کے ہاتھ سے عزت دلواکر دفن کرایا۔

مشتے نمونہ از خروارے یہ ہیں صحیح حالات مولانا شہیدؒ کے۔ پس اس سے معترضین کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ ایسے باکمال بندۂ خدا پر نکتہ چینی اور کفر تھوپنے سے باز رہیں۔ اور خدا کے لئے اپنے نفس پر ظلم نہ کریں۔ اور جو جو کارنامے انہوں نے اشاعت اسلام کیلئے کئے ہیں۔ ان پر ذرا نظرِ انصاف ڈالکر شہیدؒ صاحبؒ و دیگر تمام بزرگان دین کے حق میں اللّٰھم اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان دعا کرنی چاہیئے۔ اگر اُن کا کوئی فعل اپنی نظر میں قبیح معلوم ہو تو اسکا معاملہ اللہ کے سپرد کرنا چاہیئے۔ اور اُن سے بدظن نہ ہونا چاہیئے۔

حضرت شہیدؒ صاحب کے مختصر حالات لکھنے سے ناظرین اہل بصارت کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ جس شخص کا علم، عمل، اتقا، زہد اور قربانی یہاں تک ہو۔ وہ کب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں بے ادبی کی زبان کھول سکتا ہے؟ بلکہ وہ تو سراسر سنت کے پیرو اور فی سبیل اللہ جان و مال تک سے دریغ نہ کرنیوالے تھے۔

پہلے اس سے کہ معترضوں نے آپکی جن جن عبارات پر نکتہ چینیاں کی ہیں۔ اور آپ کو نعوذ باللہ کافر تک لکھدیا ہے اُنکے جواب دوں میں اس امر کی وضاحت کرتا ہوں۔ کہ آپ نے کیسے بے ادبی کی ہے اور کیونکر اُنہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک کو گھٹایا ہے؟ جس سے ناظرین اہل بصارت کو معلوم ہو جاویگا۔ کہ انہوں نے نہ تو آنحضرت صلعم کی کسرِ شان کی۔ اور نہ بے ادبی۔ بلکہ انہوں نے صحیح طریقہ کے ادب اور آنحضرت صلعم کے علو مرتبت اور اُنکے اسلام کو با حسن وجوہ ظاہر فرمایا ہے۔ اس امر کی وضاحت کیلئے یہ ضرورت اسواسطے محسوس ہوئی ہے کہ معترضین نے مولانا کو بے ادب قرار دیا ہے۔ جسکا جواب خود مولویصاحب کی تحریر سے ہی سنئے۔

مولوی سید عبد اللہ بغدادی کہ جو قریباً ہندی زبان سے ناواقف تھے بہت سے متعصب لوگوں نے کہا۔ کہ مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی نے فلاں فلاں عقیدہ پر ایک کتاب لکھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

سخت توہین اور کسر شان و بے ادبی کی ہے۔ جسکی دلیل تقویۃ الایمان سے ظاہر ہے۔ تو اس بات
کو سُنکر مولوی سید عبداللہ بغدادی نے مولانا شہید کو اس امر کی تنبیہ میں ایک خط لکھا جسکا جواب
با صواب مولوی صاحب نے یوں دیا۔ بزبان عربی :۔

والعجب کل العجب من جنابکم انکم اقررتم ان هذا الامر حق داخل فی عقیدة
ثم قلتم انه سوء الادب لیت شعری اذا کان ثابتاً من البراهین داخلا فی العقیدة
کیف یتصور انه سوء الادب فکلامکم یشیر الی اجتماع الضدین والسند یطلب لما لا
یثبت بالدلیل وهذا الامر ثابت اجمالا فی القرآن فما الجرح فی تفصیل الاجمال ومع
ذلك فقد قال الله تعالی لنبیه فی القرآن قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰی اِلَیَّ اَنَّمَا
اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ولا یخفی ان المخاطبین بقوله اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ هم المشرکون
فکیف مثل الله تعالی فی البشریة نبیه بالمشرکین الذین ثبت نجاستهم فی القرآن
حیث قال الله تعالی اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ الخ

یہ خط بتمامہ مع ترجمہ اخیر کتاب ہذا میں ملاحظہ ہو۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولویصاحب کی
نیت اور مقصد کیا ہے۔ یہاں پہلے مولویصاحب کی نیت دکھلانے کیلئے نمونہ دیا گیا ہے۔ کیونکہ کسی
امر سے پہلے نیت کا اظہار ضروری ہوتا ہے۔ مرقومہ عربی عبارت سے واضح ہوگیا۔ کہ مولویصاحب کی
نیت ہرگز ہرگز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کسر شان اور بے ادبی پر نہیں ہے۔ بلکہ اسی طرح مثالاً
اظہار منشاء ہے جیسے اللہ تعالے نے فرمایا۔ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰی اِلَیَّ یعنی مشرک
لوگوں کو کہدیجے۔ کہ میں (خلقت میں) تمہاری طرح بندہ ہی ہوں (صرف یہی ہے) کہ مجھ پر وحی آتی
ہے۔ کہ معبود تمہارا اور میرا وہی ایک اللہ ہے ۔

اس خط کو پڑھکر سید عبداللہ بغدادی عذر کرتے ہوئے مولانا صاحب سے ملے۔ اور فرمایا۔ جو
کچھ آپنے لکھا ہے وہ سب بجا ہے میں نے بسبب ہندی نہ سمجھنے کے ایسا کیا۔ اور مجھے ایک پنجابی نے
تمہاری کتاب کا غلط ترجمہ کرکے سُنا دیا۔ سو آپ رنج نہ فرما دیں ۔

جس طرح معترضین نے مولانا شہید کے مضامین کو اُلٹایا ہے تو اسی طرح اب اللہ کریم کو
بھی (نعوذ باللہ) بے ادب قرار دیں۔ کیونکہ اُس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مشرکوں سے تشبیہ
دی۔ اور ادھر فرمایا۔ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ۔ اور مشرک لوگ ناپاک ہوتے ہیں۔ ناپاکوں سے مثال
دینا بے ادبی ہے۔ خواہ معترضین اصلیت کو خود نہ پہنچ سکیں۔ مگر دوسروں پر الزام ضرور لگا دیں
اب اللہ عزوجل کیطرف جھکیں اور اُسکے (نعوذ باللہ) بے ادب ہونے پر فتوے دیں۔ اللھم اھدنا ۔
اور سنو! کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت کی ایک بے ادبی کی تھی۔ کہ

جب اُنکی برّیت نازل ہوئی۔ تو اُنھوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا نہ کیا۔ بلکہ انکار کیا
ان پر بھی معترضوں کو فتوا ے لگانے کی جرأت کرنی چاہیئے۔ تو پوری حنفیت ظاہر ہو۔ خواہ ایسے
لوگ حنفیت کو سرمونہ جانیں "حنفیت در کتاب و حنفیاں در گور" الفاظ حدیث بقدر مطلب:۔

جسوقت حضرت صدیقہ بنت صدیق زوجۂ صادق المصدوق رضی اللہ عنہم کی. برّیت بذریعۂ
وحی نازل ہوئی۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خوش ہوگئے۔ تو حضرت صدیقہؓ کی والدہ نے صدیقہ
سے فرمایا "قومی الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" (یعنی اے عائشہؓ) آنحضرتؐ کے سامنے
کھڑی ہوجاؤ (اوران کا شکریہ اور تعریف ادا کرو۔ کیونکہ آپؐ کے ذریعہ تمہاری برّیت نازل ہوئی)
تو حضرت صدیقہ نے فرمایا "لا واللہ لا اقوم ولا احمد الا اللہ" (نہیں! اللہ کی قسم! نہ کھڑی ہونگی
میں (رسول خدا کے سامنے) اور نہ تعریف (اور شکریہ ادا) کرونگی۔ مگر اللہ عزوجل کا ۔

دیکھو معترضو! صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جو خود صدّیقہ اور صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی اور صادق و
مصدوق صلے اللہ علیہ وسلم کی زوجہ تھیں بزعم تمہارے بڑی بے ادبی کی ہوگی۔ مگر یہ اُنکی توحید ہے
یہی سبب ہے کہ اہل اللہ کا قول ہے۔ کہ اگر حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نہ ہوتیں تو آدھا دین ہی
گم ہو جاتا۔ کیونکہ قریبًا نصف کے انہی سے روایت حدیث ہے۔ اور یہ بڑی متدیّن فقیہ مواحد
حنفی تھیں۔ اور اصحاب رضی اللہ عنہم ہر امور میں آپسے استفسار فرماتے تھے۔ مگر آجکل کے بعض
لوگ حدیث کے عامل کو کہتے ہیں۔ کہ تم عورت کے مذہب پر چلتے ہو (نعوذ باللہ) ۔

تو جیسی بے ادبی اور انکار از شکریۂ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حضرت صدیقہؓ نے کیا تھا
اور جس طرح خود اللہ کریم نے فرمایا تھا قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰٓى اِلَيَّ فرمایا تھا۔ اسی طرح کی
شہید صاحب نے کی ہے۔ جو اُنکے مرقومہ خط سے کماحقہٗ ظاہر ہے۔ اس بے ادبی سے ہزار ادب
قربان۔ اور اس وہابیت سے ہزار حنفیتیں نچھاور۔ اور اس کفر سے ہزار ایمان تصدّق۔ اور بدعتیوں
کے تقلیدی مذہب سے یہ غیر مقلّدی ہزار درجہ افضل ہے۔ جس عقیدہ میں حضرت صدّیقہ رضی اللہ
عنہا جیسی محترم ہوں وہ عقیدہ کب باطل ہوسکتا ہے ۔

این گناہ از صد ثواب اولیٰ تر است

اعتراضات بر مولانا شہید علیہ الرحمۃ کی فہرست

اہل بصیرت کو تو مولانا شہید صاحب کے حالات سے ہی معلوم ہوگیا ہوگا۔ کہ واقعی وہ پورے
طور پر موحد اور شرک و بدعت کے قطع کرنیوالے تھے۔ بلکہ اولیاء اللہ تھے۔ مگر معترضوں کی تشفّی کیلئے
اُن پر کے اعتراضات کا جواب بھی مختصر دیا جاتا ہے اور اُنکے ضمیر کو ظاہر کیا جاتا ہے۔ جن کے لکھنے

اور عقیدہ رکھنے سے مولانا شہیدؒ کو کافر کہا گیا ہے۔ پہلے تمام وہ فقرے درج کئے جاتے ہیں جن پہ
اعتراض اور جرح کی گئی ہے۔ پھر انکا نمبر وار جواب اور انکشافات لکھا جاویگا۔ وھو ھذا۔

۱۔ مولوی صاحب نے خلف وعید درحق گنہگاراں کو ثابت کیا ہے۔

۲۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بڑا بھائی قرار دیا ہے۔

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی شان کے سامنے چمار سے بھی ذلیل ہیں۔ (نعوذ باللہ)

۴۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خدا کی شان کے روبرو ایک ذرہ ناچیز سے بھی کمتر ہیں۔

۵۔ اللہ جسکو چاہیگا اپنے حکم سے اسکا شفیع بنائیگا۔

۶۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مر کر مٹی سے جا ملے۔

۷۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کچھ قدرت نہیں اور نہ وہ سنتے ہیں۔

۸۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب جاننا شرک ہے۔

۹۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مطہر کی فقط زیارت کو سفر کرنا حرام ہے۔

۱۰۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے روضہ کے سامنے تعظیم (استمدادیہ) سے کھڑا ہونا شرک ہے۔

۱۱۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر جانکر یا محمد یا رسول اللہ کہکر پکارنا اور امداد چاہنا شرک ہے۔

۱۲۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مثل پیدا کرنا داخل قدرت الٰہی ہے۔

۱۳۔ قبروں پر غلاف چڑھانا شرک ہے۔

۱۴۔ قبر کی چوکھٹ کے آگے کھڑے ہوکر پکارنا اور امداد مانگنا شرک ہے۔

۱۵۔ قبر پر روشنی کرنا۔ ۱۶۔ قبروں پر فرش بچھانا۔

۱۷۔ قبروں پر جاکر پانی پلانا۔ ۱۸۔ وضو اور غسل کیلئے قبروں پر پانی کا سامان کرنا۔

۱۹۔ قبروں پر کے کنوؤں کا پانی متبرک جانکر پینا اور [illegible] کیلئے لے جانا۔

۲۰۔ [illegible] قبروں سے الٹے پاؤں چلنا۔

۲۱۔ قبر کو [illegible] دینا۔ ۲۲۔ قبر پر [illegible] کرنا۔

۲۳۔ قبر پر شامیانہ لگانا۔ ۲۴۔ مجاور بنکر بیٹھے رہنا۔ وغیرہ

راقم کو اس امر کی بہت [illegible] محسوس ہوتی ہے کہ معترضین نے بعض فقرات کو تو خود بخود
[illegible] مولانا شہیدؒ پر [illegible] شرک کی [illegible] مولانا شہید صاحب نے لکھا
[illegible] صریح سے ثابت ہے
تو اس عقیدہ پر معترض [illegible] کہ وہ شفاعت کے [illegible] مولانا شہید صاحب نے لکھا کہ
کوئی مخلوق خواہ چھوٹا ہو یا بڑا خدا کی شان کے سامنے [illegible] سے بھی کمتر ہے جو بالکل صحیح ہے

تو اس پر معترض نے اپنی گرہ سے ہی لکھدیا۔ کہ مولویصاحب نے آنحضرت صلعم کو خدا کی شان کے سامنے ایک ذرہ ناچیز سے بھی کمتر کہا ہے۔ اور مولانا صاحب نے خدائی قدرت کا اندازہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اللہ کریم اگر چاہے۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جیسے ہزار نبی پیدا کر سکتا ہے۔ تو اس پر معترض نے یوں نکتہ چینی کی ہے۔ کہ مولویصاحب نے اور نبی کا پیدا ہونا مثل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مانا ہے۔ اور اکثر خدا رسیدہ بزرگوں اور اولیاؤں کا قول ہے۔ کہ "ما خداداریم ومارا نا خداور کار نیست" اور اسی طرح مولوی محمد اشرفعلی صاحب تھانوی نے اسی توحید کے موضوع پر لکھا۔ کہ "با خداداریم کار دو با خلائق کار نیست"۔ تو اس سے معترض نے مراد لے لی ہے۔ کہ انہوں نے لکھا ہے۔ کہ خدا سے ہم کو کام ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے نہیں۔ واہ سبحان اللہ! اس مصرعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ لفظ "خلائق" جمع ہے جو تمام مخلوقات پر عائد ہوتا ہے۔ نہ کہ "خلق" لکھا۔ جو واحد پر عائد ہو کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ناطق کیا جائے۔

اور مولانا شہید صاحب نے جو یہ عبارت لکھی ہے۔ کہ "بعضے کام تعظیم کے اللہ نے اپنے لئے خاص کئے ہیں کہ انکو عبادت کہتے ہیں۔ جیسے سجدہ اور رکوع اور ہاتھ باندھکر کھڑے ہونا اور اسکے نام پر مال خرچ کرنا اور اسکے نام کا روزہ رکھنا اور اسکے گھر کی طرف دُور دُور سے قصد کرکے سفر کرنا اور ایسی صورت بنا کر چلنا۔ کہ ہر کوئی جان لیوے کہ یہ لوگ اُس گھر کی زیارت کو جاتے ہیں اور راستے میں اُس مالک کا نام پکارنا اور نامعقول باتیں کرنے سے اور شکار سے بچنا اور اسی قید سے جا کر طواف کرنا اور اسکے گھر کی طرف سجدہ کرنا اور اسکی طرف جانور لیجانے اور وہاں منتیں ماننی۔ اس پر غلاف ڈالنا اور اسکی چوکھٹ کے آگے کھڑے ہو کر دعا مانگنی اور التجا کرنی اور دین و دنیا کی مرادیں مانگنی اور ایک پتھر کو بوسہ دینا اور اُسکی دیوار سے اپنا منہ اور چھاتی ملنا اور اسکا غلاف پکڑ کر دعا کرنی اور اسکے گرد روشنی کرنی اور اسکا مجاور بنکر اسکی خدمت میں مشغول رہنا جیسے جھاڑو دینا اور روشنی کرنا، فرش بچھانا، پانی پلانا، وضو اور غسل کا لوگوں کیلئے سامان درست کرنا اور اُس کے کوئیں کا پانی متبرک سمجھکر پینا، بدن پر ڈالنا، آپسمیں بانٹنا، غائبوں کیواسطے لیجانا، رخصت ہوتے وقت اُلٹے پاؤں چلنا اور اسکے گرد و پیش کے جنگل کا ادب کرنا، یعنی وہاں شکار نہ کرنا، درخت نہ کاٹنا، گھاس نہ اکھاڑنا، مواشی نہ چگانا، یہ سب کام اللہ نے اپنی عبادت کیلئے اپنے بندوں کو بتائے ہیں۔ پھر جو کوئی کسی پیر و پیغمبر کو یا بھوت پری کو یا کسی کی سچی قبر کو یا جھوٹی قبر کو یا کسی کے تھان کو یا کسی کے چلّے کو یا کسی کے مکان کو یا کسی کی تبرک کو یا نشان کو یا تابوت کو سجدہ کرے یا رکوع کرے یا اُسکے نام کا روزہ رکھے یا ہاتھ باندھکر کھڑا ہووے یا جانور چڑھاوے یا ایسے مکانوں میں دُور دُور سے قصد کرکے جاوے یا وہاں روشنی کرے، غلاف ڈالے، چادر چڑھاوے، اُنکے نام کی چھڑی کھڑی

کرے رخصت ہوتے وقت اُلٹے پاؤں چلے، انکی قبر کو بوسہ دیوے، مورچھل جھلے، اُسپر شمیانہ کھڑا کرے چوکھٹ کو بوسہ دیوے، ہاتھ باندھکر التجا کرے، مراد مانگے، مجاور بنکر بیٹھا رہے۔ وہاں کے گرد پیش جنگل کا ادب کرے اور ایسی قسم کی باتیں کرے سو اس پر شرک ثابت ہوتا ہے۔ ہکو اشراک فی العبادت کہتے ہیں۔ انتہی +

تو اس پر معترض صاحب یوں دُر فشانی کرتے ہیں۔ کہ جو مولویصاحب نے لکھا کہ کسی کی قبر کی طرف دُور دُور سے قصد کر کے سفر کرنا شرک ہے۔ کیا کہیں اللہ کی بھی کوئی قبر ہے ؟ کہ اسکی طرف کریں (اور دوسری قبروں کی طرف سفر کر کے نہ جاویں) کیا خدا کی قبر ہے ؟ کہ اُسی پر غلاف ڈالیں۔ کیا خدا کی کوئی چوکھٹ ہے ؟ کہ اسکے آگے کھڑے ہوکر پکاریں اور دعا مانگیں (اور دوسری قبروں کی چوکھٹوں پر کھڑے ہو کر دعا نہ مانگیں) کیا کہیں کوئی خدا کی قبر ہے ؟ کہ اس پر روشنی کریں ؟ (اور دوسری قبروں پر چراغ نہ جلاویں) کیا کوئی خدا کے بیٹھنے کی جگہ ہے کہ وہاں ہی فرش بچھایا جاوے ؟ کیا خدا بھی پانی پیتا ہے کہ اُسکے سوا کسی کو نہ پلاویں ؟ کیا خدا کے وضو اور غسل کے لئے بھی پانی مہیا کیا جاتا ہے کہ دوسرے نمازیوں کیلئے سرے سے ہی پانی جمع کرنا گناہ ٹھیرے ؟ کیا کوئی خدا کا بھی کنواں ہے۔ کہ اُسیکا پانی متبرک سمجھا جاوے ؟ کیا خدا سے رخصت ہوتے وقت بھی کہیں اُلٹے پاؤں چلتے ہیں۔ کہ یہ ادب دوسروں سے نہ کیا جاوے ؟ کیا خدا کی بھی کوئی قبر ہے ؟ کہ اُسی کو بوسہ دیا جاوے ؟ کیا کوئی خدا کی بھی قبر ہے ؟ جسپر مورچھل جھلا جاوے یا شمیانہ کھڑا کیا جاوے (اور یہ فعل دوسری قبروں پر نہ کیا جاوے) کیا کوئی خدا کی بھی قبر ہے ؟ کہ اسکے سوا اور قبر پر مجاور نہ بیٹھے ؟ (یہ معترض کے اقوال کی تشریح ہے) +

اللہ اللہ ! ایسے اعتراض نہ تو آجتک کسی نے کئے ہیں۔ اور نہ ایسی لغو حرکت کوئی کر سکتا ہے۔ خدا کے گھر (بیت اللہ) کا ادب قبروں پر کرنا عجب حرکت ہے۔ اور اس سے بھی عجب تدبیر کہ اس سے منع کرنیوالے کو جواب کیسا بیبا کانہ ملتا ہے۔ بہرصورت ایسے لوگوں کا منشا بہتان بندی کے سوا کچھ نہیں۔ ان سب اعتراضات کا نمبروار جواب سُنئے۔ وما توفیقی الا باللہ +

اعتراض نمبر ا کا جواب

(خلف وعید)

یہ اعتراض لکھتے ہوئے معترض نے لکھا ہے۔ کہ مولویصاحب نے خدا کو جھوٹا اور جھوٹ بولنے والا قرار دیا ہے۔ حقیقت کو نہ دیکھا۔ نہ ایسے نکتہ چینوں کی ایسی نظر ہوتی ہے +

مولانا صاحب نے خلف وعید ممکن لکھا ہے۔ جسکے معنی یہ ہیں کہ وعید۔ وہ ہوتی ہے جو گناہ

کی سزا مقرر ہو۔ اور وعدہ وہ ہوتا ہے جو نیکی کی جزا کا وعدہ ہو۔ مگر معترض نے وعید و وعدہ دونو کو ایک ہی بنا دیا ٭

ردّ المحتار والے صاحب نے خلف وعید کے معنی جُودًا وَ کَرَمًا کئے ہیں۔ اور لکھا ہے کہ ان الاشاعرۃ قائلون بجواز ہٖ لانہٗ لا یعد نقصًا بل جودًا و کرمًا۔ یعنی اشاعرہ (محققین) خلف وعید کے جواز کے قائل ہیں۔ کیونکہ یہ نقص نہیں ہے۔ بلکہ جود و کرم ہے۔ یہ نہیں لکھا کہ غیر مقلد وہابی یا معتزلہ خلف وعید کے قائل ہیں۔ گو تفتازانی اور نسفی اسکے خلاف ہے۔ مگر جو قائل ہیں۔ وہ بھی محققین ہیں۔ ایسا ہی بعض مسائل پر قدما محققین میں بھی اختلاف چلا آیا ہے (یہ کیا وجہ ہے کہ آجکل اس اختلاف پر بعض محققین کا ہی اتباع کرنیسے وہابی بنجاتا ہے؟) خلف وعید کے قائل آج ہی وہابی ہونیکے مستحق نہیں۔ خلف وعید کے قائل اشاعرہ محققین کو بھی وہابی کہنا چاہیئے ٭

اللہ عزوجل فرماتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ الآیہ یعنی جسنے اللہ کیساتھ شرک کیا وہ نہ بخشا جاویگا۔ اور اسکے سوا دوسرے گنہگاروں کو بخشا جاویگا۔ تو یہی خلف وعید ہے۔ کہ گنہگاروں کو بغیر مقررہ سزا دینے کے بخشدے۔ اور یہ گنہگاروں کو ہی بخشنے کا حکم ہے نہ کہ بیگناہوں کو۔ اگر وہ چاہے تو مشرکوں کو بھی بخشنے پر قادر ہے۔ مگر چونکہ انہوں نے سمجھوا لے اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ بڑا ظلم کیا ہے اسواسطے انہیں نہ بخشیگا ٭

دوسری جگہ فرمایا۔ فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ یعنی جس گنہگار کو چاہیگا بخشدیگا۔ اور جس گنہگار کو چاہیگا عذاب کریگا۔ (یہ نہیں فرمایا۔ کہ سب گنہگاروں کو عذاب کیا جاویگا۔ جس سے خلف وعید ناممکن ہوتا) کیونکہ بیشک اللہ تعالےٰ ہر چیز (اور ہر امر) پر قادر ہے ٭

تجرید البخاری باب بدء الخلق۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک زانیہ عورت (صرف اس بات پر) بخشدی گئی۔ کہ اُسکا گزر (ایکمرتبہ) کسی کُتے پر ہؤا۔ جو ایک کوئیں کے کنارے پر بیٹھا ہؤا (گیلی) مٹی چاٹ رہا تھا۔ اور قریب تھا کہ اُسے پیاس مار ڈالے۔ مگر اس عورت نے اپنا موزہ اُتارا۔ اور اُسکو اپنے دوپٹے سے باندھا۔ اور اُس کیلئے (کوئیں سے) پانی نکالا۔ چنانچہ اس بات پر وہ عورت بخشدی گئی ٭ (یہی خلف وعید ہے کہ وہ عورت گناہ کبیرہ کی مرتکب اور ایک کیسے معمولی فعل سے (اُس پر خلف وعید ہوئی اور) بخشدی گئی) ٭ اسی پر موقوف نہیں۔ بلکہ اللہ تعالےٰ اپنے نوشتۂ لوح محفوظ کے خلاف کرنے پر قادر ہے اور جب چاہتا ہے کر بھی دیتا ہے۔ حکایت

ایک روز حضرت عزرائیل علیہ السلام دربار حضرت سلیمان علیہ السلام میں بشکل انسان آئے۔

تو حضرت سلیمان نے انکو کرسی پر بٹھایا۔ تو اثنائے گفتگو میں عزرائیل نے ایک درباری جوان کو نگاہ بھر کر دیکھا۔ اور دیر تک دیکھا۔ پھر جب وہ درباری جوان دربار سے چلا گیا۔ تو پیغمبر خدا نے حضرت عزرائیل سے اس کی نسبت پوچھا۔ کہ خیر تو ہے؟ کہ تم نے بڑے غور سے اس جوان کو دیکھا ہے عزرائیل بولے دیکھتا ہوں کہ کیسا خوبرو جوان ہے۔ مگر مجھے کل اسکی جان کنی کا حکم ہے۔ پھر عزرائیل بھی چلے گئے۔ مگر وہ جوان بدستور دربار میں آتا رہا۔ اور اسے موت نہ آئی۔ پیغمبر خدا کو اس امر سے کچھ خیال گزرتا رہا۔ کہ اسکی زندگانی تو اسی روز عزرائیل ختم کر گئے تھے۔ مگر یہ تو صحیح و سالم ہے۔ حتے کہ ایک مدت گزر گئی۔ پھر کسی موقعہ حضرت ملک الموت آئے۔ تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا۔ کہ کیا بات ہے جو تم نے فلاں جوان کے متعلق کہی تھی۔ مگر وہ تو زندہ ہے۔ عزرائیل نے جواب دیا۔ کہ اسی رات کو ایک سائل اس جوان کے دروازے پر آیا۔ اور اسکا سوال اس جوان نے پورا کر دیا۔ تو اس سائل نے یہ دعا دی۔ کہ اللہ کریم تیری عمر دراز کرے۔ پس اس سائل کی دعا منظور ہو گئی۔ اور اسکی عمر بڑھا دیگئی۔ (خطبات الحنفیہ)

جبکہ اللہ کریم نے ایک سائل کی دعا سے اس شخص کی عمر کو بڑھا دیا۔ تو جب وہ ذات پاک اپنی رحمت کا دروازہ کھولیں گے۔ اور گنہگار لوگوں پر جو ناراضگی اور غصہ ہوگا۔ اسے اس ذات پاک کی رحمت گھیر لیگی۔ اور تمام گنہگاروں کو بخشا جاویگا۔ تو کیا یہ امر محال ہے؟ اسمیں محال کیا ہے؟ جبکہ خود باریتعالیٰ ہے کہ ان رحمتی غلبت غضبی ۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا صاف فرما دیا اپنی کتاب کیمیائے سعادت میں کہ "گناہ واجب نیست کہ بدوزخ برد۔ بلکہ عفو ممکن است" یعنی گناہ کرنے سے لازمی نہیں ہو جاتا۔ کہ وہ گناہ دوزخ کو ہی لیجاتے۔ بلکہ گناہ معاف ہو سکتا ہے۔ اور حرف "بلکہ" تاکید کی اشارہ ہے۔ اور یہی قطعیت ہے۔ کیونکہ اللہ ہر امر پر قادر ہے۔ جیسے امام غزالی نے اسی کتاب کیمیائے سعادت میں لکھا ہے "ہر کہ صفات حقتعالیٰ بشناخت و جلال و بزرگی و توانائی و بے نیازی او بدانست۔ اگر ہمہ مخلوق عالم را بدوزخ دارد یک ذرہ مملکت وے کم نشود" یعنی جسنے اللہ تعالیٰ کی صفات کو جانا۔ اور اسکی بزرگی و جلال اور طاقت اور بیخوفی کو پہچانا۔ تو وہ اس امر کو مان لیتا ہے کہ اگر اللہ کریم تمام جہان کی مخلوق کو دوزخ میں ڈالدیوے۔ تو اسکی بادشاہت میں ذرہ فرق نہیں آسکتا۔

معترضوں کو ہوشیار ہونا چاہئے۔ کہ مولانا شہید کی طرح امام غزالی نے بھی یہ لکھ دیا ہے۔ "کہ اگر ہمہ مخلوق را بدوزخ دارد" لفظ ہمہ مخلوق میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں۔ تو اس سے یہ مفہوم نکلا کہ امام غزالی نے لکھا ہے۔ کہ اگر آنحضرت صلعم کو (نعوذ باللہ) اللہ تعالےٰ دوزخ میں ڈالدے تو اسکی بادشاہت میں فرق نہیں آجاتا۔ امام صاحب پر بھی فتوائے کفر لگادیں۔

اس امر پر معترض نے لکھا ہے کہ مولوی محمد اسمٰعیل نے لکھا ہے کہ "ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ خدا کی شان کے سامنے ایک ذرہ ناچیز سے بھی کمتر ہے" اسمیں لفظ "بڑا ہو یا چھوٹا" لکھا ہے اسواسطے اسمیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں - مگر امام غزالیؒ نے لفظ بڑا یا چھوٹا نہیں لکھا - اسواسطے اسمیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم شامل نہیں ۔

مگر معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کونسی لغت ہے کہ "ہر مخلوق" میں آنحضرت صلعم کو شامل نہ کیا جاوے اور "ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا" میں آنحضرت صلعم کو شامل کر لیا جاوے - مگر بتانا چاہیئے کہ معترض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مخلوق ہی نہیں جانتے ؟ یا لفظ "ہر مخلوق" کسی خاص تعداد یا کسی خاص زمانہ کیلئے ہے ؟ معترض یہ بات نہیں بتا سکینگے - اسواسطے میں بتا دیتا ہوں - کہ لفظ "ہر مخلوق" اور "ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا" کا مطلب بالکل ایک ہی ہے - اور اس سے ہر دو صاحبوں کی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے خصوصًا اور قصدًا مراد نہیں ہے - فافہم ۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ کریم کے جلال و بزرگی و بیباکی کو پہچانا - تو آپؐ نے اصحاب سے فرمایا کہ "میں تم سب سے زیادہ (قیامت سے) خائف ہوں - کیونکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۔

شیخ شرف الدین یحییٰ منیری نے اللہ کی قدرت کا اندازہ اور اسکی بخشش (یا خلعت عبدیت) کی حد بتلائی ہے اور کیسا صریح فرمایا ہے - کہ "اگر ہمہ منکران عالم و شیاطین جہاں را با ذریت و اتباع او فی المثل بعلیین بپاند و تاج قدسی بر سر نہد نشود حق کرم او گذار نشود - خواہد کہ درد - تے زمین کافرے و مشرکیست در دریائے رحمت غرق کند ۔ (یہی خلعت عبدیت ہے) ۔

معترض لکھتا ہے کہ اگر شیخ یحییٰ منیری کی اس (مذکورہ) عبارت پر ایمان اور عمل ہے - تو ان کی اس (مندرجہ ذیل) عبارت پر بھی عمل کرو - کہ انہوں نے فرمایا ہے :-

"از خود از طاعت خود منکر باش ، ایمان خود را بنظر زنار بیں ، عبادت خود را بت پرستی شمر و خود را نمرودے و فرعونے تصور کن" ۔

ایک معمولی علم والا بھی اس عبارت کو سمجھ سکتا ہے - کہ یہ عبارت کسر نفسی کی تعلیم دیتی ہے - اور اپنی عبادت پر ناز کرنے سے روکتی ہے - اور اپنے کو ہر صورت میں گنہگار جاننا بتاتی ہے - اسمیں کونسی عبارت ناقابل عمل ہے ؟ مگر اہل اللہ کا کلام سمجھنا کار سے دارد ۔

دوسری عبارت یہ ہے - "تا کافر نشوی مسلمان نشوی ، تا سر آں خود را نبرو مسلمان نشود ، تا کافر خود حقیقت نشود مسلمان نشود" ۔

یہ بھی ہمارے نزدیک قابل عمل ہے - اور اسکی شرح یہ ہے - کہ پہلے جملہ کا مطلب یہ ہے - کہ کافر کے

لغوی معنے پوشندہ کے ہیں۔ یعنی چھپانے والا یا گم کرنے والا یا نابود کرنے والا۔ پس معنی یہ ہوئے۔ کہ انسان جبتک اپنے کو نابود نہ کرے مسلمان نہیں ہو سکتا۔ (موتوا قبل ان تموتوا) اور دوسرے جملہ کے یہ معنی ہوئے۔ کہ جبتک انسان اپنے نفس اور خواہشات نفسانی کو قطع نہ کرے مسلمان نہیں ہو سکتا اور تیسرے جملہ کا مطلب یہ ہے۔ کہ جس چیز سے انسان پیدا ہوا ہے وہ شیخ صاحب کے ضمیر سے ماں (والدہ) ثابت ہے۔ یعنی انسان دو طرح سے ظہور پذیر ہوا۔ ایک تو خاک سے اور دوسرے ماں کے پیٹ سے۔ پس خاک (زمین) بھی بمنزلہ ماں ثابت ہوئی۔ تو مطلب یہ ہوا۔ کہ جب تک انسان (باثباتِ ایمان) زمین میں نہ چلا جائے (یعنی مر نہ جائے) مسلمان نہیں ہو سکتا یعنی مسلمان تب ہوا کہ جب ایمان سے مر جائے۔ اب تو امید ہے کہ معترض بھی مذکورہ عبارتِ شیخ صاحب کو قابلِ عمل سمجھ لینگے۔

اور اللہ تعالے نے خود فرمایا۔ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ یعنی اے گنہگارو! میری رحمت سے ناامید نہ ہو جیو۔ یہ بشارت گنہگاروں کے لئے ہے نہ کہ بیگناہوں کے۔ اسی سے خلف وعید کی امید ہے۔

مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی نمبر نود وہشت شمس الدین کیطرف مع شرح از مترجم:-

برادر شمس الدین بداند کہ مراہلسنت را اجماع است کہ وعید مطلق کافراں راست (یعنی مشرک و منکرانِ رسالت کیلئے) و وعدہ مطلق مومناں راست۔ یا مومن عاصی باشد کافر نبود۔ تا در تحت وعید مطلق در آید۔ (جو گنہگار لوگ ہیں وہ اُن کافروں میں شمار نہیں ہو سکتے جنکے وعید مطلق ہے یعنی جو مشرک ہیں۔ دیکھئے جو شخص پانچ ارکانِ اسلام میں سے چار یعنی نماز، روزہ، حج، زکوۃ کو پورے طور ادا نہیں کرتا یا ترک ہی کر رکھتا ہے۔ مگر وہ شرک سے بچا ہوا اور سچے دل سے کہتا ہو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ تو اسکی بخشش ضروری ہے۔ شارع علیہ السلام کا ارشاد ہے من قال لا الٰہ الا اللہ فدخل الجنۃ تو جبکہ ان چار ارکان کے ترک پر بھی بخشش ہو سکتی ہے تو خلف وعید اور کیا ہے) و نیز محسن مطلق نیست تا در وعدہ مطلق درآید۔ پس در بارۂ او درمیانِ ایشاں اختلاف است۔ قول معتزلہ آنست کہ ویرا از وعید مطلق است اگر بے توبہ ازیں جہاں بیروں رود جاوداں در دوزخ بماند (خوب! اب تو امید ہے کہ معتزلی لوگ جو خلف وعید کے منکر ہیں اس عقیدہ سے توبہ کرینگے۔ کیونکہ امام ربانی خود فرماتے ہیں۔ کہ صاحب کبیرہ کے حق میں وعید مطلق کا اعتقاد رکھنے والا معتزلی ہے) و مذہب اہلسنت آنست کہ مراو را موقوف ساختہ اند و وعدہ مطلق و وعید مطلق بحکم مشیت مطلق دارند۔ اگر خواہد ویرا بیامرزد و آں از فضل بود۔ اگر خواہد او را عذاب کند و آں از عدل بود و ہیچ حال مومن را در دوزخ خلود نکنند ہر چند عاصی بود (دیکھئے! مجدد صاحب نے خلف وعید کو فضل سے اطلاق کیا ہے اور فرمایا! اگر خواہد ویرا بیامرزد و آں از فضل

فضل ہوؔ اور اہلسنت کا مذہب یہ بتایا۔ کہ کسی کے حق میں نہ وعدہ مطلق قرار دیں اور نہ وعید مطلق جانیں۔ بلکہ یہ معاملہ اللہ پر چھوڑیں۔ چاہے بخشے چاہے عذاب کرے۔ اسکے خلاف معتزلہ کا مذہب ہے) فہی المراد +

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے قول سے خلفِ وعید خوب ثابت ہے۔ فرمایا انہوں نے کہ "ہر مومن کہ با گناہ رود خداوند تعالٰے از سہ کار یکے باوے کند۔ یا برحمتِ خویش بیامرزد، یا بشفاعتِ پیغمبر بخشد، یا بمقدار گناہ عذاب کند و آخر آزاد کند"۔ جملہ "یا برحمتِ خویش بیامرزد" کا نام ہی خلفِ وعید ہے +

شرح مواقف میں ہے۔ "جمع المعتزلۃ والخوارج عقاب صاحب الکبیرۃ اذا مات بلا توبۃ ولا یجوز ان یعفو اللہ عنہ۔ یعنی معتزلہ اور خوارج کا اسپر اجماع ہے۔ کہ جو صاحب کبیرہ بلا توبہ مرجائے تو یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ اللہ اُسے بخشدے یہی معترض کا مذہب ہے جو اہلسنت سے بنتا ہے +

شرح مقاصد۔ الثواب فضل من اللہ تعالٰی والعقاب عدل من غیر وجوب علیہ و الاستحقاق من عبد خلافاً للمعتزلۃ۔ (اسکا مطلب بھی شرح مواقف کے متصل ہے) +

حضرت شاہ عبد العزیز علیہ الرحمۃ کس شد و مدّ سے خلفِ وعید کے قائل ہیں۔ فرماتے ہیں "باید دانست کہ اہل قبلہ را دریں مسئلہ اختلافِ عظیم رو دادہ۔ بعضے از ایشاں مرتکب کبیرہ را وعید قطعی دائمی ثابت میکنند۔ و میگویند کہ اگر صاحب کبیرہ بے توبہ بمیرد حکم او حکم کافراں ست و ہمین است مذہب معتزلہ و خوارج و دیگر جاہلان بیوقوف (یعنی یہ ثابت کرنیوالا کہ گنہگار جو کبیرہ گناہ کرے اور پھر وہ بغیر توبہ کے مرے تو اُسکو ضرور عذاب ہوگا۔ اور اُسے بخشش نہیں اور اسپر وعید ضرور ہوگی۔ یہ خوارج و معتزلہ سے ہے۔ یعنی خلفِ وعید کے برخلاف) مذہب صحیح کہ صحابہؓ و تابعینؒ آنرا مشروحاً بیان فرمودہ اند و اہلسنت و جماعت آنرا اختیار نمودہ اند آنست کہ مرتکب کبیرہ قابلِ عفو است۔ (یہ خلفِ وعید ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب بغیر وعید کے بخشا جا سکتا ہے) اگر بے توبہ بمیرد او مانند سائر مسلمین است، در نمازِ جنازہ و استغفار و اعانت بصدقات و میراث در حق او شفاعتِ پیغمبرؐ و رحمتِ الٰہی را امیدوار باید بود (یعنی کبیرہ گناہ کرنیوالے کیلئے رحمتِ الٰہی اور شفاعتِ پیغمبرؐ سے امیدوار رہنا چاہئے رحمتِ الٰہی اُسپر ضرور ہوگی اور بغیر وعید کے بخشا جا سکتا ہے یا یہ کہ اس پر خلافِ وعید کیجاویگی) بلکہ یقین باید کرد کہ حقتعالےٰ برحمتِ بے غایتِ خود یا بشفاعتِ پیغمبر از بعضے مرتکبان کبیرہ عفو خواہد فرمود۔ (کیسے زور سے خلفِ وعید ثابت ہوتی ہے) و بعضے را از ایشاں عذاب ہم کند و نیز یقین باید کرد کہ ہر کہ از ینہا معذب خواہد شد عذاب او منقطع خواہد گشت۔ عذاب ابدی خاصۂ کفر (شرک) است ہیچ گناہ مستحق آں نتواں شد۔ (یہ عبارت خلفِ وعید پر خوب دال ہے) +

مذکورہ اسناد عمدًا معترض کی کتاب سے ہی لی گئی ہیں۔ جو اُس نے خلفِ وعید کے خلاف لی تھیں مگر معلوم نہیں ہوتا۔ کہ یہ عبارات کیونکر خلفِ وعید کے خلاف ہو سکتی ہیں۔ اسواسطے انکی شرح کرنی پڑی۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اللہ کریم ماں باپ سے زیادہ اپنے بندوں پر رحیم ہے۔ تو غور کرنا چاہیئے۔ جبکہ اولاد سو بار خطا کرکے ماں باپ کے پاس حاضر ہو تو ماں باپ پھر بھی نظر الطاف سے دیکھتے ہیں۔ اور اُسکی خطاؤں کو معاف کرکے اُسکی تکالیف کا دفعیہ کرتے ہیں بلکہ اولاد کیواسطے اپنے اوپر تکالیف گوارا کرتے ہیں۔ یہ ہی نہیں۔ بلکہ اگر اولاد بیفرمان بھی ہو۔ اور وہ اپنے ماں باپ سے علیحدہ ہو جاوے تو بھی ماں باپ کی الطاف کم نہیں ہوتا۔ تو فرمائیے جناب! اللہ کریم (نعوذ باللہ) ایسا ہی سنگدل ہے کہ اپنے عاجز اور خطاوار بندوں کو تمام عذاب کریگا اور اپنی بیغایت بخشش کو ظاہر نہ کریگا۔ اور اپنے انعامات عظمٰے کو اُن پر عطا نہ کریگا۔ بیخطا انسان تو چند ہی ہیں۔ جو معترض کے نزدیک مداخلت جنت کے مجاز ہونگے۔ کیا باقی سبھی خطاوار بغیر وعید کے چھٹکارا نہ پاوینگے؟

پس بموجب دلایات مذکورہ کے ہمارا ایمان ہے کہ بغیر مشرکوں کے تمام عاصیوں پر اللہ کریم اپنی رحمت سے خلف وعید کرینگے۔ اور اسکے خلاف معتزلہ ہیں۔

یہ امر تو ظاہر ہی ہے۔ کہ ہر ایک فرد بشر (سوائے معدودے چند کے) غیر معصوم ہے۔ مگر اللہ تعالےٰ نے لا الہ الا اللہ کہنے والوں کو بشارت دیدی ہے کہ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ خواہ تم کتنے ہی صغیرہ وکبیرہ گناہ کرو۔ مگر پھر بھی رحمت الٰہی سے نا امید نہ ہونا۔ کیونکہ اسنے فرمایا ہوا ہے ان رحمتی غلبت غضبی میری رحمت میرے غضب کو گھیر لیتی ہے۔ پس طالب بخشش اور امیدوار رحمت گنہگاروں کو اللہ تعالےٰ جسے چاہینگے بغیر وعید کے بخشدینگے۔

معترض نے چند آیات اس موضوع پر لی ہیں کہ اللہ تعالےٰ اپنے وعدہ اور وعید میں سچا ہے ہاں! جملہ اہل اسلام کا ایمان ہے کہ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا۔ کہ اللہ سے زیادہ اپنی بات میں کوئی صادق نہیں ہے۔ اسواسطے جو وعدہ مومنوں کو اُنکے اعمال نیک پر دیا گیا ہے۔ اللہ کریم اُسے ہرگز نہیں بدلینگے۔ کیونکہ یہ نقص ہے اور ظلم ہے اور ذات باری ایسے نقائص سے پاک ہے۔ اور وعید جو گنہگاروں کو اُنکے اعمال بد پر دیگئی ہے وہ جس سے چاہیگا دُور کردیگا۔ چونکہ سزائے بدی کے معاف کرنے میں اللہ کریم سے زیادہ کوئی رحیم نہیں ہے اسواسطے سزا کا معاف کردینا کوئی نقص نہیں۔ بلکہ یہ رحیمی وکریمی اور بخشش ہے تو اُس ذات سے بڑھکر کون رحیم ہو سکتا ہے؟ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جسدن اللہ کریم نے روحوں کو پیدا کیا۔ اور اُن سے اپنی ربوبیت اور الوہیت کا اقرار لیا۔ تو اسی وقت اپنی قدرت سے لکھدیا۔ ان رحمتی غلبت غضبی اور یہ نوشتہ اللہ کریم نے اپنے پاس عرش پر رکھا ہوا ہے۔ (تو فرمائیے۔ یہ اُسنے کسواسطے لکھا ہے؟ رحمت ظاہر کرنیکے لئے یا غضب کے اظہار کیلئے؟)

ہاں! اگر اللہ کریم وعید کے ساتھ یہ بھی لکھدیتے کہ فلاں گناہ کی سزا یہ ہے۔ مگر میں

بخشدونگا۔ تو مرتکب گناہ کو خوف ہی کیا تھا؟ بیدھڑک گناہ کرتا جاتا۔ اور اسکے کرنیسے کب باز رہتا۔ کیونکہ جانتا کہ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلاً اس سے کون سچا ہے؟ اسکا وعدہ ہے کہ میں گناہ بخشدونگا۔ چنانچہ بعض جاہل صوفیوں کا اسی پر بھروسہ ہوگیا ہے۔ کہ لا تقنطوا من رحمة الله پر بیٹھکر انہوں نے تکمیل احکام شارع علیہ السلام کو چھوڑ دیا ہے ٭

اللہ کریم نے جگہ جگہ پر خوف دلائے ہیں اور وعیدیں بتائی ہیں۔ طرح طرح کے عذابسے ڈرایا ہے تو پھر بھی لوگ آنکھیں بند کئے گناہ کرتے جاتے ہیں اور خوف نہیں کھاتے۔ تو اگر گنہگاروں کی بخشش میں قطعی طور پر ایک آیت بھی آجاتی اور بتایا جاتا کہ فلاں فلاں گناہ بخشدئے جائینگے۔ تو پھر خوف ہی کیا تھا؟ پس اسی وجہ سے لازمی امر ہے۔ کہ یہ خلف وعید کے اثبات کا مسئلہ عام جہلا وغیرہ میں ذکر نا چاہیئے۔ تاکہ وہ تکمیل احکام شرع کو ترک نہ کردیں اور بیخوف نہ ہوجاویں ٭

خلقت انسان کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ اللہ کریم اپنے انعام و اکرام کا اظہار کریں اور اپنی تمام نعمتوں اور بخششوں کو اس پر تمام کریں ؎

ورنہ طاعت کیلئے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

پس اس سے زیادہ رحمت بخشش اور نعمت کونسی ہوسکتی ہے۔ کہ گنہگاروں کو بخشا جاوے پس اللہ تعالےٰ نے اپنی نعمتیں پورے طور پر انعام کرنے کیلئے روز جزا کو مقرر فرمایا ہوا ہے۔ اور اسی روز اپنے بڑے بڑے انعامات کو ظاہر فرمادینگے۔ جن میں سب سے بڑا انعام گنہگاروں کی بخشش کے سوا اور نہیں ہوسکتا۔ پس اس روز حساب کے بعد جب گنہگاروں پر بباعث غضب اللہ کریم یہ حکم جاری کرینگے۔ کہ انکو دوزخ میں ڈال دو۔ تو ادھر سے دریائے طغیانی میں آجاویگا۔ اور اسکے غضب کو گھیر لیگا۔ تو پھر ہم گنہگاروں کیلئے خلف وعید ہوجاویگی۔ ہم امیدوار خلف وعید ہیں ٭

یہ مسئلہ خاصان خدا و عاشقان ذات باری کا اصلی جزو ایمان ہے اور گنہگاروں کے لئے امید بخشش کیواسطے شہید صاحب نے ظاہر فرمایا۔ مگر مخالفوں نے بجائے نعمت کے مولانا پر کفر تھوپ دیا۔ اور اپنے ایمان کے ایک اصلی جزو لا تقنطوا من رحمة الله کو چھوڑ کر خود بھی رحمت الٰہی سے ناامید ہوتے ہیں اور دوسرونکو بھی کرنا چاہتے ہیں ٭

باقی رہی خلف وعید در حق مشرکان و کافران۔ یہ بھی بموجب قول شیخ یحیٰی منیری کے جو مذکور ہوا۔ کہ "اگر ہمہ منکران عالم و شیاطین جہاں را با ذریت و اتباع او فی المثل بعلیین رسانند و تاج قدسی برسر نہند ہنوز حق کرم او گذارده نشود" ہوسکتا ہے اور اللہ کریم قادر ہے۔ مگر انہوں نے بہت ظلم کیا ہے اسواسطے وہ نہ بخشے جاوینگے۔ اگر بخشے بھی جاویں تو مختار ہے۔ مگر ہم مشرکوں کی بخشش کیلئے قیاس نہیں لگا سکتے۔ خدا ایسے بلاؤں سے ہر ایک کو بچائے۔ آمین ثم آمین (خلف وعید تمام شد) ٭

اعتراض نمبر ۲ کا جواب

(آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مولوی اسمٰعیلؒ نے بڑا بھائی قرار دیاہے)

مولانا شہیدؒ صاحب نے نہایت صحیح لکھا ہے۔ جو اعتراض ہو رہا ہے یہ تعصب اور خود ستائی سے ہے +
پہلے میں مولانا صاحب کی وہ عبارت لکھتا ہوں جس سے معترضین نے یہ فقرہ نکالا ہے۔ پھر اسے واضح
کر کے بتا دونگا۔ کہ جیسا بھائی انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا ہے۔ سب مسلمانوں اور عاشقان
رسول اکرم علیہ التحیۃ والسلام کا یہی مذہب ہے۔ وہو ہذا :-

ایک حدیث شریف کے تحت مولانا صاحب نے فائدہ لکھا ہے اور حدیث کے الفاظ وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ
وَاَكْرِمُوْا اَخَاكُمْ کی تشریح کی ہے "یعنی انسان آپس میں سب بھائی ہیں (کُلُّ مُؤْمِنٍ اِخْوَةٌ) جو بڑا بزرگ
ہو وہ بڑا بھائی ہے۔ سو اسکی بڑے بھائی کی تعظیم کرنی چاہیئے۔ اور مالک سب کا اللہ ہے بندگی اسکو چاہیئے
اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ اولیا، انبیا اور امام زادے، پیر و مرشد جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب
انسان ہیں۔ اور بندے (اللہ کے) عاجز اور ہمارے بھائی۔ مگر انکو اللہ نے بڑائی دی ہے۔ وہ بڑے بھائی
ہوئے۔ ہمکو انکی فرمانبرداری کا حکم ہے ہم انکے چھوٹے ہیں۔ (تقویۃ الایمان) +

اہل بصارت کو معلوم نہیں ہوتا۔ کہ اس عبارت میں کونسے الفاظ کسر شان کے ہیں؟ مگر جو لوگ
نکتہ چین ہیں وہ نیک کام سے بھی نکتہ پکڑ لیتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ مولانا شہیدؒ صاحب نے آنجناب
سرور کائنات علیہ التحیۃ والسلام کو بڑا بھائی، خدا کے مقرب قرار دیکر فرمایا ہے۔ کہ "انکو اللہ نے بڑائی
دی ہے وہ بڑے بھائی ہوئے ہم کو انکی فرمانبرداری کا حکم ہے ہم انکے چھوٹے ہیں" تو کیا بھائی
کہنے سے انکی مراد یہ ہے۔ کہ ہم انکا حکم نہ مانیں۔ جس سے کسر شان اور گستاخی لازم آئے؟ (نعوذ باللہ)
نہیں انہوں نے ایسا خیال بھی نہیں کیا۔ بلکہ منصف مزاج کیلئے ظاہر ہے۔ کہ فقرہ "ہم کو انکی فرمانبرداری
کا حکم ہے" سے کسر شان ظاہر نہیں بلکہ اظہار شان +

اچھا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو تو بڑا بھائی کہنے اور انکی فرمانبرداری کا حکم دینے سے اگر
کسر شان ہے اور انکو مخلوق میں داخل کرنا گستاخی۔ تو معترضین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کیا کہیں گے؟
جبکہ آنحضرت صلعم نے انہیں بمنزلہ ہارون اور اپنے کو مثل موسے قرار دیا۔ (یعنی ان کو اپنا بھائی بنایا
اور تھے بھی وہ حقیقتاً چچازاد بھائی) جبکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام دنیاوی رشتے تھے۔
یعنی باپ، دادا، چچا، چچازاد بھائی، اولاد، بھتیجے تھے گو اولاد نرینہ نہ تھی۔ تو بھائی کہنے سے کیا
بے ادبی ہے؟ کیا کل مومن اخوۃ صحیح نہیں۔ یا نعوذ باللہ آنحضرت لفظ "مومن" سے خارج ہیں؟
یا کہ معترض کا خیال ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مخلوق سے نکالکر نعوذ باللہ خالقیت کا درجہ دیا جا

جاوے۔ مگر یہ نہیں ہوسکتا۔ اس سے اللہ اور رسول دونوں کی بے ادبی اور نافرمانی ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا خود اقرار ہے اور ہمارا بھی یہی جزو ایمان ہے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اور خود اللہ نے فرمایا۔ کہ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ۔ کہ کہدو یا رسول! میں تو صرف تمہاری طرح بندہ ہوں (فرق صرف یہ ہے) کہ میری طرف خدا کا ایلچی آتا ہے اور تمہاری طرف نہیں۔ سوائے اسکے لَآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ" (یعنی میں تو اپنے نفس کیلئے کسی نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ مگر جو اللہ چاہتا ہے (وہی کرتا ہے) اور اگر میں عالم الغیب ہوتا تو بہت سی بھلائی لے لیتا۔ اور نہ مجھے کوئی تکلیف پہنچتی (ہاں! صرف اتنی بات ہے کہ) میں ڈرانے والا (عذاب آخرت سے) اور خوشخبری دینے والا ہوں بہشت کی اُن لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں) +

غور کرنا چاہیئے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کسی کام میں اختیار ہوتا۔ یا وہ عالم الغیب ہوتے۔ تو جبکہ وہ محبوب رب العالمین ہیں۔ تو اپنے محبوب کی کوئی شخص قدر نہیں گھٹاتا بلکہ اُسکے اوصاف کو لوگوں میں دُگنا چوگنا ظاہر کرتا ہے۔ تو وہ ذاتِ پاک اپنے محبوب کی شان میں کیوں مذکورہ بالا آیت نازل فرماتے؟

معترض نے لکھا ہے۔ کہ حدیث کے الفاظ "فَقَالَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَاَكْرِمُوْا اَخَاكُمْ" کسر نفسی پر مشتمل ہیں"۔ مگر ان الفاظ سے ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ کونسا جملہ یا حرف کسر نفسی پر دال ہے یہ الفاظ حدیث اوامر سے ہیں۔ اور کوئی امر کسر نفسی پر نہیں ہوسکتا۔ آنجناب سرور کائنات نے صاف فرمایا ہے۔ کہ "اپنے بھائی کی تعظیم، عزت یا فرمانبرداری کرو"۔ کیا یہ الفاظ کسر نفسی کے ہیں؟ اور کسر نفسی کے معنی اپنی تعظیم کروانا ہے۔ بلکہ یہ الفاظ حدیث اور مندرجہ ذیلہ آیہ کریمہ کا مطلب ایک ہی ہے۔ یعنی فرمایا اللہ عزوجل نے وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ۔ کیا یہ بھی کسر نفسی پر ہے؟ کہ اللہ کریم ہی اپنے حبیب کی کسر نفسی کرتے ہیں۔ اگر اپنی تعظیم کروانا کسر نفسی ہے۔ تو کہاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو عبدہ ورسولہٗ کے سوا اور کسی بڑائی سے سدوایا یا حکم دیا؟ یا کہاں فرمایا۔ کہ میں خلقت انسان سے باہر ہوں؟ یا نفع ونقصان دینے کی قدرت رکھتا ہوں؟

معترض صاحب نے اس امر کی توضیح میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ کہ مولانا شہیدؒ نے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی توہین اور کسر شان کی ہے۔ مگر گزشتہ ہر دو آیات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ معترض لوگ کسی روز اللہ عزوجل پر بھی اعتراض پکڑینگے۔ کیونکہ مولانا شہیدؒ نے کتاب اللہ او سنت سے ہی

سب مسائل لیتے ہیں۔ مولانا صاحبؒ نے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بڑا بھائی کہا۔ اور لکھا کہ ہمیں
اُنکی فرمانبرداری کا حکم ہے۔ مگر اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَیَّ
کہ یا رسول! (مشرکوں اور کافروں کو) کہدو۔ کہ میں بشر تو تمہاری طرح ہوں۔ مگر مجھپر وحی آتی ہے۔
معترضو! ہم یہ نہیں کہتے کہ آنحضرتؐ ہماری طرح بندہ ہیں۔ نہیں بشر تو ہماری طرح ہیں۔ مگر انکے مراتب
ودرجات کو ہم پہچان بھی نہیں سکتے۔ اور مذکورہ آیت میں مثل بشر کافروں سے کہی ہے۔ اور وہ
نجس ہوتے ہیں۔ اور نجس سے تشبیہ دینا بے ادبی ہے۔ اللہ پر بھی بے ادبی کا فتوےٰ لگاؤ۔
مگر یاد رکھنا کہ اللہ کریم نے اپنے حبیب کی مشرکوں سے صرف جسمانی اور خلقی تشبیہ دی ہے نہ کہ اعمال
ودرجات کو مساوی قرار دیا۔ اور دوسری مذکورہ آیت میں اللہ کریم نے فرمایا ہے۔ کہ نہ آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم کو اپنی ذات کے نفع ونقصان کا اختیار ہے نہ وہ اعلم الغیب ہیں۔ اسمیں بھی بزعم منکرین کے
اللہ تعالےٰ نے توہین آنحضرت صلعم کی ہے ❊

اس امر کو بتانا چاہیئے۔ کہ جو دو مسلمان بوجہ قرابت دینی کے بھائی ہیں۔ مگر ایک تو اُن میں سے
اپنے کمال عمل سے بلند مرتبے پر چڑھ گیا۔ اور اللہ کریم کی درگاہ میں منظور ہوا۔ اور خدا کا دوست بنگیا
اور دوسرا بوجہ اپنے ضعف کے صرف مومن ہی کہلوانے کا حقدار رہا۔ تو کیا ان سے کل مومنؓ
اخوۃ کا رشتہ ٹوٹ گیا؟ نہیں! البتہ مرتبہ خدا کے دوست انسان کا دوسروں پر صرف اتنا حق ہے۔
کہ اسکی تابعداری اور فرمانبرداری کی جائے اور اسکی تعظیم وتکریم کی جائے۔ نہ کہ وہ بزرگ ہستی سجدہ
اور عبادت کے لائق ہوجاتی ہے۔ فافہم ❊

معترض نے اس امر کو چھپا دیا ہے۔ کہ مولانا شہیدؒ کے مذہب میں اُس بڑے بھائی صلے اللہ
علیہ وسلم کی تعظیم فرمانبرداری اور محبت کس درجہ تک ہے۔ ہاں! یہ امر معترض کو چھپانا ہی تھا۔ کیونکہ مولانا
صاحب کی تعلیم تو موحدانہ ہے اور اُن کا ایمان تھا۔ کہ خدا کے بعد وہی بزرگ ہیں اور انہی کا اتباع بلا
دخل اپنے قیاس کے کیا جاسکتا ہے۔ اور خدا کے بعد وہی قابل تعظیم ہیں۔ مگر معترضوں کے مذہب میں
اپنے پیرومرشد کی تعظیم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بڑھکر دیکھی جاتی ہے حتیٰ کہ پیروں بلکہ پیروں کی
بیروں تک کو سجدہ کر لینا جائز جانتے ہیں۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کیلئے ایسا
فعل نہیں کرتے۔ اور منہ سے کہتے ہیں کہ ہم محب آنجناب ہیں اور ہم ہی انکے ادب کا طریقہ جانتے
ہیں۔ اور اولیاء اللہ کا قدر ہمیں ہی معلوم ہے۔ مگر یہاں پر ہم بتلائے دیتے ہیں۔ کہ ایسے لوگوں کا یہ
ادب اور محبت اور قدردانی آنحضرت علیہ التحیۃ والسلام واولیاء اللہ ایسا ہی ہے جیسے یہود حضرت
موسےٰؑ کا اور نصارےٰ حضرت عیسےٰؑ کا اور رافضی حضرت علیؓ کا ادب ومحبت وقدردانی کرتے ہیں ❊
اب سنئے! کہ مولانا شہید صاحبؒ کے مذہب میں باوجود بڑا بھائی کہنے کے آنحضرت صلے اللہ

علیہ وسلم کی فرمانبرداری اور محبت کہا تنک ہے ۔ وہو ہذا:۔

تقویۃ الایمان (تذکیر الاخوان) ص۱۱۹ ۔ اَخْرَجَ الشَّیْخَانِ عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ " (مشکوٰۃ کتاب الایمان) حدیث سے تو معترض اعراض نہیں کرسکتا۔ اس حدیث پر ف کے نشان سے یہ فائدہ لکھا ہوا ہے :۔

ف "یعنی آدمی جب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے ماں باپ سے اور اولاد سے اور تمام مخلوقات سے زیادہ دوست جانے اور سب کی دوستی سے زیادہ انکی محبت دل میں رکھے۔ اور سب کی مرضی سے زیادہ انکی مرضی کے کام مقدم کرے۔ اور حضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی حدیث کو سب کے قول سے زیادہ مقدم جانے۔ اور حضرت کے فرمودے موافق سب کے حکم سے زیادہ عمل کرے۔ تب مسلمان ٹھیرے۔ نہیں تو نہیں۔ اور محبت اسی کا نام ہے۔ کہ محبوب کی مرضی موافق کام کیجے۔ اس کا نام محبت نہیں کہ صرف زبان سے کہہ لیا کہ ہمکو محبت ہے اور محبوب کا کہنا نہ مانے۔ یا محبوب کی مرضی کے خلاف کام کرے۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ آدمی اگر پیر و فقیر، درویش، عالم، مولوی، ماں باپ، امیر، بادشاہ کا کام یا قول خلاف حدیث کے معلوم ہو۔ تو اسکو رد کرے۔ پھر اگر کوئی اسکو مانے اور حدیث کو نہ مانے۔ تو مسلمان نہیں"۔

معترض لوگ کہتے ہیں کہ مولانا شہید صاحب نے انبیا اور اولیا کی توہین کی ہے۔ یہاں دیکھو! انبیا اور اولیا کے سوا پیر، فقیر، درویش، عالم، مولوی، امیر، بادشاہ وغیرہ کی بھی فرمانبرداری کے قائل ہیں مگر کوئی امر غیر شرع ان سے ثابت ہو تو اسکا رد صریح نص سے ثابت ہے جیسے انہوں نے بھی لکھدیا۔ وہ تو خود سید احمد صاحب بریلوی کے جان نثار مرید تھے۔ اور جسقدر سید صاحب کی تابعداری انہوں نے کی ہے اسطرح کی آجکل کے مرید کرہی نہیں سکتے۔ سجدہ کرنا اور پیروں سے حاجتیں مانگنا یہ علیحدہ بات ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری اور محبت پر ایک تو مذکورہ بالا فائدہ لکھا ہوا ہے اور دوسرا بھی اسی موضوع پر مشکوٰۃ کے باب الایمان کی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کی روایت کردہ حدیث کے بعد اور تیسرا اسی کتاب اور باب کی عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہوئی حدیث پر فائدے لکھے ہوئے ہیں۔ اور یہ تینوں احادیث تو صحیح ہیں۔ مگر جو فوائد ان پر تحریر کئے گئے ہیں۔ ان پر شائد معترض کا کوئی اعتراض ہوگا؟ مگر ہمارے نزدیک ان سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ایسی پاکیزہ معلوم ہوتی ہے جس سے بڑھکر ہو نہیں سکتی۔ اور اسی پر تمام اہل بصیرت اصحاب کا ایمان اور عمل ہے۔ ہاں! یہ نہیں کیا کہ خدائی رتبہ آنحضرت کو اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اولیا کو اور اولیا کا بدعتی پیروں کو دیتے۔ جو بدعتی اور گور پرستوں کا کام ہے ۔ ؎

بدعتی لوکاں نوں آکھن اولیا   اولیاء نوں چا بناون باریا

بعض جاہل صوفیا کا یہ حال ہے۔ کہ اپنے پیر و مرشد کو بلکہ اُنکی قبر کو بھی سجدہ کر لیتے ہیں اور بعض خود پرست علما اسکے جواز میں فتوے دیدیتے ہیں۔ اور اگر کبھی یہ لوگ روضہ مقدس پر چلے جائیں تو وہاں سجدہ نہیں کرتے۔ یہ شرعًا ناجائز ہے اور کرنیوالا کافر و مشرک۔ اور اُسکے جواز پر فتوے دینے والا بڑا مولوی خود پرست کافر و مشرک جسکا شرعًا قتل کا حکم ہے۔ صاف مشکوٰۃ کے باب عشرۃ النسا میں سجدہ تعظیم کے متعلق احادیث موجود ہیں ❊

بموجب ارشاد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کل مومن اخوۃ کے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سب مومن آپس میں بھائی ہیں۔ اور لفظ "مومن" میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں۔ گو یہ سگائی نہیں۔ مگر سگائی سے بڑھکر ہے۔ اور اسلامی بھائی کا ادب حقیقی بھائی سے زیادہ ہے۔ جیسا کہ بعض اصحابؓ نے اسلامی بھائیوں کی خاطر اپنے بھائیوں وغیرہ کو چھوڑ دیا۔ اور بعض کو قتل کر دیا۔ شرعًا بھی یہ حکم ہے۔ کہ اگر سگا بھائی بلکہ ماں باپ بھی شرع شریف یا دین محمدی کے خلاف ہو تو اُس سے قطع تعلق کر لیا جاوے مگر اسلامی بھائی جو دیندار ہو اُس سے قطع تعلق تو کجا کسی بات پر ایکدوسرے پر تین دن سے زیادہ غصہ رکھنے والا امت محمدی سے خارج ہو سکتا ہے۔ پس اسلامی بھائی کا قدر حقیقی بھائی سے اسی وجہ سے زیادہ ہے۔ اور اسیطرح آنجناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے بھائی بھی ہوئے۔ اور ہمارے رہبر اور خدا کے رسول ہیں اور ہمیں اُنکی فرمانبرداری سب سے اولی ہے ❊

اللہ عزوجل فرماتا ہے وَ اَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ۔ ہماری اصطلاح اور محاورہ میں آل کے معنی اولاد ہے۔ مگر حقیقتًا قرآن کریم میں آل سے مراد تابعدار ہیں۔ پس جو لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تابعدار ہیں وہ آل ہیں۔ پس ہماری اصطلاح اور محاورہ میں آنحضرت صلعم اپنی تمام امت کی جد بھی ہیں۔ زہے قسمت!

معترض لکھتا ہے۔ کہ قرآن بتلاتا ہے" مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ (یعنی محمد صلے اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں)" تو مولوی محمد اسمٰعیل نے کیونکر بھائی بنا لیئے"؟

غور کا مقام ہے۔ کہ اگر قرآن پاک میں اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ نہ ہوتا اور اسکی بجائے کوئی ایسا لفظ ہوتا جسکے معنی یہ ہوتے کہ "تم میں سے کسی کے بھائی نہیں" یا اُسکے یہ معنی ہوتے کہ "محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے (نعوذ باللہ) تمہارا کوئی رشتہ نہیں" تو پھر معترض کا اعتراض بجا ہوتا۔ مگر یہ آیت اس مطلب پر ہے کہ آنحضرت کا بیٹا کوئی نہیں۔ اور جو آپنے لے پالک بیٹا بنایا ہوا تھا[۵۷] اُسکی مطلقہ بیوی کی نکاح کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جواز نازل ہوا۔ کیونکہ لوگ کہتے تھے۔ کہ محمدؐ اپنے بیٹے کی بیوی (بہو) سے نکاح کرتا ہے۔ تو اللہ نے اُنکے اقوال کی تردید کی۔ کہ محمدؐ کا تو بیٹا ہی کوئی نہیں تو وہ کیسے بہو ہوگئی؟

---

[۵۷] جن کا نام زید تھا اور انکی بیوی کا نام زینب تھا۔ جنکو زید نے طلاق دیدی ❊

دوسرے یہ کہ اللہ نے فرمایا کہ "محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں"۔ تو کیا اس سے تمام رشتے مفقود ہو گئے؟ کیا اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمۃ الزہرا کے باپ، حضرت علیؓ کے چچازاد بھائی، حضرت عباسؓ کے بھتیجے (نعوذ باللہ) نہیں کہے جا سکتے؟ اگر ایسا ہے تو کوئی دلیل؟ اور اگر کہے جا سکتے ہیں۔ تو حضرت علیؓ ہمارے دینی بھائی ہیں۔ اور اسی مناسبت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی۔ اگر نہیں تو فرمائیے! کہ ہم اصحاب اور تابعین و تمام ائمۂ سلف کو کیا کہہ سکتے ہیں؟ آنحضرت صلعم تو اپنے سلف کے انبیاء وغیرہ کو بھائی ہی کہا کرتے تھے۔ بتائیے! وہ کیا مناسبت تھی؟ یا کہ یونہی نکتہ چینی اور توہینِ بزرگانِ دین کرنی ہے۔ تو خیر! جو چاہیئے فرمائیے۔ اس سے خدا کے نزدیک اُن بزرگوں پر کوئی حرف نہیں ؎

ظاہر ہو گیا۔ کہ شہید صاحب نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بڑا بھائی قرار دیکر انکی تعظیم اور فرمانبرداری بادشاہ، امیر، پیر و مرشد، درویش و فقیر، مولوی عالم، ماں باپ سے اولیٰ لکھی ہے تو معترض اسپر لکھتے ہیں۔ کہ انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کسرِ شان کی ہے۔ والعجب!

لفظ "بھائی" کے استعمال کرنیسے مولانا شہیدؒ صاحب کا یہ مطلب تھا۔ کہ جسطرح ہم اپنے حقیقی بھائی سے کسی معاملہ میں آ کر لڑائی جھگڑا یا اس سے کنارہ کر لیتے ہیں۔ ایسا بھائی وہ (صلے اللہ علیہ وسلم) وہ نہ تھے۔ بلکہ ان سے ایسا سلوک کرنیوالا گمراہ، ملعون، مرتد ہے۔ اُنؐ کا درجہ تو مولانا شہیدؒ ہی کی عبارت سے نیچے لکھا گیا ہے ؎ فافہم ؎

اب معترض بنظرِ انصاف دیکھ سکتے ہیں۔ کہ علامہ شہیدؒ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کیسا بھائی لکھا ہے۔ اور انہوں نے کیسے سمجھا؟ اور کیسے نافہمی یا کسی خاص عناد سے شہیدؒ صاحب کو رسوا کرنا چاہا۔ یاد رہے کہ جو کسی مومن کو رسوا کرنا چاہے اسکو اللہ کریم رسوا کرتا ہے ؎

حدیث عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلّی صلوٰتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذالک المسلم الّذی لہ ذمّۃ اللہ ورسولہ فلا تخفروا اللہ فی ذمّتہ (مشکوٰۃ کتاب الایمان) (ترجمہ۔ بخاری نے ذکر کیا۔ کہ انسؓ نے نقل کیا۔ کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جسنے نماز کی ہماری طرح اور متوجہ ہوا ہمارے قبلہ کیطرف اور کھایا اُسنے ہمارا ذبح کیا ہوا پس یہ مسلمان ہے۔ اور اللہ اور اسکے رسول کی امان میں ہے سو عہد شکنی نہ کرو اللہ کی امان میں) ؎

اس حدیث کی شرائط کے موجب شہیدؒ صاحب پر کفر لگانیوالا اللہ کی امان میں عہد شکنی کرتا ہے بلکہ جو کوئی حدیث کی تینوں شرائط کے پابند پر (خواہ کوئی ہو) کوئی الزام یا کفر لگاتا ہے سو وہ اللہ تعالیٰ سے عہد شکنی کرتا ہے۔ اور یہ موجب عذاب ٹھہرتا ہے ؎

اور دیکھو۔ کہ تقویۃ الایمان میں حلاوت ایمان کے بارہ میں تحریر ہے کہ "سب سے زیادہ اللہ اور اسکے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت رکھے۔ دوسرے بندہ فی اللہ اللہ کے بندے سے محبت رکھے تیسرے یہ کہ جب اللہ نے کفر سے بچا کر مسلمان کیا پھر کفر میں جانے کو ایسا بُرا جانے جیسے آگ میں گھسنے کو بُرا جانتا ہے۔ تو اُس شخص نے ایمان کا مزا پایا یعنی تب اُس پر ایمان کی خوبیاں کھلیں" ۔

صاف لکھا ہے کہ "سب سے زیادہ اللہ اور اسکے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت رکھے۔ دوسرے بندہ فی اللہ اللہ کے بندے سے محبت رکھے" تو کس زور سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بلکہ تمام اللہ کے بندوں کی محبت کی تعلیم دے رہے ہیں۔ کیا معترض اسی کا نام کسرشان یا توہین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم رکھتے ہیں؟ یہ یاد رہے کہ جو معترض نے اپنی کتاب میں تعظیم کا طریقہ رکھا ہے۔ وہ تمام ائمہ سلف اور متاخرین لوگوں کے نزدیک ایسا ہے جیسے نصاریٰ حضرت عیسےٰ کی تعظیم کرتے ہیں ۔

دوسری جگہ فرمایا۔ "جو شخص یہ بات سمجھکر مطمئن اور خوش ہوا۔ کہ اللہ میرا رب ہے اور دین میرا اسلام ہے اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم میرا پیغمبر ہے تو اُس نے ایمان کا مزا پایا" ۔

اس تعظیم اور فرمانبرداری سے بڑھکر کوئی اور طریقہ تعظیم اور فرمانبرداری کا معترض کے پاس ہے تو اس سے آگاہ کرنا چاہئے۔ یہ بات علیحدہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا خدائی افعال میں تصرف مانا جائے۔ یا بندوں سے باہر ہے جو خود آنجناب صلے اللہ علیہ وسلم نے منع کر دیا ہوا ہے ۔

اور ملاحظہ فرماویں کہ بھائی تو کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مومنین کاملین کا درجہ ہی انبیا تک بتایا ہے۔ وھو ہذا :۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا۔ کہ اہل جنت اپنے اوپر والوں کو ایسا دیکھینگے۔ جیسے تم روشن ستارے کو جو مشرقی کنارے یا مغربی کنارے سے قریب ہو دیکھتے ہو۔ یعنی اس تفاوت کے جو اُن میں باہم ہے۔ صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ یہ انبیا کے مقام ہیں۔ کوئی اور وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں! قسم اُسکی جسکے ہاتھ میں میری جان ہے کہ کچھ لوگ وہ بھی ہونگے جو اللہ پر ایمان لائے اور پیغمبروں کی تصدیق کی (ان مقامات میں پہنچ سکتے ہیں) (تجرید البخاری مترجم باب بدء الخلق مطبوعہ لاہور) ۔

اعتراض نمبر ۳ و ۴ کا جواب

(آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خدا کی شان کے سامنے چوہڑے چمار سے ذلیل ہیں نعوذ باللہ)

معترض نے یہ اعتراض لکھنے میں تعصب سے کام لیکر خلق خدا کو مولانا شہیدؒ سے بدظن کرنے کیلئے پوری کوشش کی ہے۔ بلکہ [illegible] خود ہی [illegible] کیا گیا ہے۔ اور مولانا صاحب کی عبارت کو کچھ

نہیں سکا۔ اس سے پہلے کی عبارت جسکے مفہوم پر یہ فقرہ ہے وہ دیکھی نہیں گئی۔ اور اعتراض کر دیا گیا۔ یا عمداً پہلی عبارت کو چھوڑ کر اس فقرہ کو لیا گیا ہے۔ سو میں بتائے دیتا ہوں ذرا غور سے دیکھئے۔ کہ اس عبارت کا مفہوم کیا ہے؟

مولانا شہیدؒ صاحب لکھتے ہیں کہ "ایک تقصیریں اس ڈھب کی ہیں کہ جن سے بغاوت نکلتی ہے۔ جیسے کسی امیر یا وزیر یا چوہدری قانونگوے کو یا چوہڑے[1] چمار کو (کوئی شخص خود ہی) بادشاہ (مان لیوے یا) بناوے۔ یا اُسکے واسطے تاج و تخت تیار کرے یا اُسکے تئیں ظل سبحانی بولے یا اُسکے تئیں بادشاہ کا سا مجرا کرے یا اُسکے لئے ایک دن جشن کا ٹھیرا لیے۔ یا بادشاہ کی طرح نذر دیوے یہ تقصیر سب تقصیروں سے بڑی ہے اسکی سزا مقرر اسکو پہنچتی ہے اور جو بادشاہ اس سے غفلت کرے اور ایسوں کو سزا نہ دیوے اسکی بادشاہت میں قصور ہے۔ چنانچہ عقلمند لوگ ایسے بادشاہ کو بیغیرت کہتے ہیں۔ سو اُس مالک الملک شہنشاہ غیور سے ڈرا چاہیئے۔ کہ پرلے سرے کا زور رکھتا ہے۔ اور ایسی ہی غیرت۔ سو وہ مشرکوں سے کیونکر غفلت کریگا۔ اور کس طرح انکو انکی سزا نہ دیگا؟

(اللہ سب مسلمانوں پر رحم کرے اور اُنکو شرک کی آفت سے بچاوے۔ آمین)

اسکے آگے تحریر فرمایا" قال اللہ تعالیٰ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ یَعِظُهٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ۔ (اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے سورۂ لقمان میں۔ "جب کہا لقمان نے اپنے بیٹے کو اور وہ نصیحت کرتا تھا اُسکو۔ اے بیٹے میرے مت شریک بنا اللہ کا بیشک بنانا اسکا (بڑی بے انصافی ہے اور) ظلم ہے بڑا")

ف۔ یعنی اللہ صاحب نے لقمان کو عقلمندی دی تھی۔ تو اُنہوں نے اس سے سمجھا کہ بے انصافی یہی ہے کہ کسی کا حق اور کسی کو پکڑا دینا اور جسنے اللہ کا حق اُسکی مخلوق کو دیا۔ تو بڑے سے بڑے کا حق لیکر ذلیل سے ذلیل کو دیدیا۔ جیسے بادشاہ کا تاج ایک چمار کے سر پر رکھدیجے اس سے بڑی بے انصافی کیا ہوگی؟ اور یہ یقین جان لینا چاہیئے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ جیسے شرع کی راہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شرک سب سے بڑا گناہ ہے ایسے ہی عقل کی راہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ شرک سب عیبوں سے بڑا عیب ہے اور یہی حق ہے کہ آدمی میں بڑے سے بڑا عیب یہ ہے۔ کہ اپنے بڑوں کی بے ادبی کرے۔ سو اللہ سے بڑا کوئی نہیں (اور اسکی بڑی سے بڑی بے ادبی ہے جو قابل بخشش نہیں ہے) تقویۃ الایمان صہ ۱۷

[1] تقویۃ الایمان مطبوعہ فاروقی پریس دہلی کے صہ ۱۷ کے حاشیہ پر اس مضمون کی شرح یوں ہے کہ "امیر وزیر سے انبیا اور اولیا مراد ہیں اور چوہدری اور قانونگوے سے صوفی و فقہا مقصود ہیں اور چوہڑے چمار سے بدعتیوں کے زندہ پیر مشار الیہ ہیں"

معترض نے تو اس عبارت کا نتیجہ یہی نکالا ہے۔ جو اُس نے عقیدہ نمبر ۳ لکھکر اُس کے آگے من گھڑت فقرہ لکھدیا۔ ؎

فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست!

اپنی ہمت کے مطابق اُسنے خوب سمجھا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو لفظ "چوہڑے چمار" میں داخل کر دیا۔ نعوذ باللہ منہا۔ اب میں آپ کو اس عبارت کی توضیح کر کے بتاتا ہوں۔ ذرا غور فرما کر انصاف کرلیں۔ وہ یوں ہے:۔

جو عبارت علامہ شہیدؒ نے یہ لکھی ہے کہ "ایک تقصیر میں اس ڈھب کی ہیں کہ جن سے بغاوت نکلتی ہے۔ جیسے کسی امیر یا وزیر یا چوہدری قانونگوے یا چوہڑے چمار کو بادشاہ بنادے" الخ تو جو فقرہ اوّل ہے کہ "ایک تقصیریں اس ڈھب کی ہیں" اسمیں لفظ "ڈھب" صاف بتلارہا ہے کہ بات مولانا نے ویسے ہی تمثیلاً لکھی ہے۔ جیسے اللہ کریم نے قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ تمثیلاً فرمایا۔ (نہ کہ حقیقتاً بتایا) یعنی اگر کوئی شخص بادشاہ کا مرتبہ کسی چوہڑے وغیرہ کو دینا چاہے یا دیدے یا مان لے تو اسپر بادشاہ کا کیسا عتاب ہوگا؟ (حالانکہ کسی کے کہنے سے حقیقتاً ایسا نہیں ہو جاتا) مگر اس کے خیال کے بموجب بادشاہی عتاب ضرور ہوگا۔ جیسا فی زمانہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ خلافت کے مسئلہ میں آکر خلافت کی سند میں (یعنی مقامات مقدسہ) انگریزوں سے مسلمان واپس لینا چاہتے تھے تو انگریز اس خیال کے لوگوں سے کیا سلوک کرتے؟ کسی کو جلاوطنی، کسی کو نظربندی، کسی کو سزائے جیل اور کسی عبور دریائے شور کا حکم ہونا اور کہیں گولیوں کا مینہ برسایا جاتا ہے +

اور پھر دوسری عبارت میں جو تحریر فرمایا۔ کہ "جیسے بادشاہ کا تاج ایک چمار کے سر پر رکھدیجے" اور پھر لکھا۔ کہ "اور یہ یقین جان لینا چاہئے کہ ہر مخلوق بڑا ہو چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔" تو اسکا مطلب یہ ہے۔ کہ جسطرح پہلی عبارت سے معلوم ہوا ہے کہ چوہڑے چمار کو بادشاہی مرتبہ دینے سے بادشاہی عتاب ہوتا ہے۔ کیونکہ بادشاہ کی نظر میں چوہڑا نہایت رذیل و ذلیل ہے (بوجہ مراتب دنیاوی کے) مگر خلقت میں دونو برابر ہیں۔ چوہڑے کے بھی دو ہاتھ، دو پاؤں، دو ہی کان اور دو ہی آنکھیں۔ اور بادشاہ بھی ایسا ہی ہے۔ غرضیکہ جس ہیئت میں چوہڑے کی خلقت ہے اُسی ہیئت پر بادشاہ کی پیدائش ہے۔ تو پھر چوہڑا صرف مراتب دنیاوی کی کمی سے ہی ذلیل ہے۔ ورنہ دونو مخلوق ہیں اور ایک ہی جنس ہیں +

تو جسطرح چوہڑا بادشاہ کی نظر میں باوجود ایک ہی پیدائش اور جنس کے ذلیل سمجھا جاتا ہے حالانکہ دونو مخلوق ہی ہیں ان میں کوئی خالق نہیں۔ تو انسان (خواہ پیر ہو یا پیغمبر یا اولیا) اور خدا کے درمیان یہ واسطے نہیں۔ بلکہ خدا خالق اور تمام انسان مخلوق۔ تو جبکہ بادشاہ کی نظر میں چوہڑا ذلیل ہے

تو اب اندازہ لگالو۔ کہ انسان اور خدا میں کیا تفاوت ہے؟ چوہڑا تو بادشاہ کا بہت کم دست نگر ہوتا ہے اگر ہو بھی تو کسی اپنے جائز حقوق (محنت مزدوری کا معاوضہ ہی) کو مانگے گا۔ مگر انسان خداوند تعالے کا ہر حالت اور ہر وقت، ہر عمر ہر کام اور فعل میں ذرا ذرا بات پر دست نگر ہے اور سائل ہے۔ اور اللہ پر انسان کا کوئی حق نہیں ہے بلکہ اللہ کریم انسان کو جو کچھ دیتے ہیں وہ ذات باری کا عطیہ اور بخشش ہوتی ہے۔ کیا انبیاؑ کیا اولیاؒ اور کیا عامہ خلائق سبھی ہر وقت اللہ کے دست نگر اور سائل ہیں۔ کوئی خود مختار نہیں ہے *

تو مطلب یہ نکلا۔ کہ جسطرح چوہڑا بادشاہ کی نظر میں ذلیل ہوتا ہے۔ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے اس سے زیادہ ذلیل ہے، سائل ہے، طلبگار رزق اور طلبگار بخشش ہے، یا بوجہ اپنے مخلوق ہونے اور اللہ کے خالق ہونیکے اُسکی شان کے آگے ذلیل ہے۔ یا بوجہ اس بات کے کہ اللہ کی ذاتِ پاک نہایت پاک اور بے عیب ہے۔ اور اُسکا وجود نامحدود نور ہی نور ہے اور انسان خواہ بڑا ہو چھوٹا عموماً غیر معصوم اور خاکی پیدائش ہے۔ اور اسکا وجود طرح طرح کے لوث سے ملوث۔ (یعنی اسکے جسم کے اندر ہی پاخانہ، پیشاب و دیگر نجاست وغیرہ ہوتی ہے اور ذات باری ایسی باتوں سے پاک ہے) یہ مطلب نہیں۔ کہ اولیاؒ پیغمبرؑ و دیگر بزرگ ہستیاں چوہڑے چمار سے (نعوذ باللہ) زیادہ ذلیل ہیں۔ یہ تو ہر عاقل سمجھ سکتا ہے۔ کہ پیغمبرؑ تو بذاتِ خود اللہ کے بڑے پکے فرمانبردار اور ہر مخلوق سے افضل درجہ رکھتے تھے۔ اور چوہڑے چمار سراسر پلید اور نجس اور خدا کے بے فرمان ہوتے ہیں اور منکر رسالت۔ تو ایسا کون ہے؟ جو پیغمبروں اور خدا کے فرمانبرداروں سے چوہڑے چماروں کا درجہ بڑھا دے؟ یہ معترض کی سراسر نادانی اور تعصب ہے * فافہم *

یہ بات دوسری ہے۔ کہ جن بزرگونکو اللہ کریم نے بزرگی عطا فرمائی ہے انکو اللہ ذلیل نہیں سمجھتا۔ نہ کرنا نہ کرنا پسند کرتا ہے۔ جیسے کہ ممکن ہے۔ کہ ایک غریب ذلیل آدمی سے اگر کوئی بادشاہ تعلقات دوستی و محبوبیت پیدا کرلے۔ تو کوئی بڑی بات نہیں۔ ایسا ہی اللہ کریم جنا کی پیدائش کے اپنے تابعدارونکو محبوب اور دوست سمجھتا ہے۔ جو کسی بات میں ہرگز ہرگز اللہ کی شان کے برابر نہیں ہو سکتے۔ لہذا اللہ کریم یہ بھی پسند نہیں کرتا۔ کہ انبیاؑ و اولیاؒ وغیرہ بزرگ ہستیوں کو اُسکی طرح پکارا جائے۔ اور اللہ کی طرح اُن سے مرادیں طلب کی جاویں۔ یا اُن کا خدائی فعلوں میں دسترس اور تصرف مانا جائے۔ (ان باتوں کا جواب انشاء اللہ اپنی اپنی جگہ پر دیا جاویگا) *

ہاں! یہ بھی یاد رہے۔ کہ پیغمبروں اولیاؤں و دیگر بزرگ ہستیونکو یہی فخر ہے کہ وہ اللہ کریم کے بندے ہیں۔ اور انہوں نے پورے طور پر اپنی بندگی کا حق ادا کیا ہے۔ اور بغیر خدا کی مرضی کے وہ کوئی کام نہ کرتے تھے۔ اور نہ انہوں نے ماسوی اللہ کے محبت کی اور نہ کرنی پسند کی۔ اسی واسطے اُن کو

بزرگی حاصل ہے۔ ورنہ سب مخلوق ہیں۔ اور خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اقرار کیا۔ کہ انی عبدہ ورسولہ۔ اور اللہ کریم نے انہیں تعلیم فرمائی۔ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاۤءَ اللّٰهُ الآیہ۔

معترض چاہتے ہیں۔ کہ آنحضور علیہ الصلوۃ والسلام بلکہ تمام بزرگوں کو مخلوق سے نکالکر خالقیت کا درجہ دیدیا جاوے۔ مگر اسمیں اللہ اور اُسکا رسُول دونو ناراض ہیں اور دونو کی بے ادبی ہے۔ سبھی بزرگان عظام مخلوق تھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مخلوق اور جنس انسان سے ہونے پر یہ آیات کریمہ شاہد ہیں۔ کہ فرمایا اللہ تعالےٰ نے لَقَدْ جَاۤءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ الآیہ۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ پہلی آیت میں لفظ "اَنْفُسِكُمْ" اور دوسری میں لفظ "اَنَا بَشَرٌ" ظاہر کررہا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مخلوق ہی ہیں ؂

تقویۃ الایمان کی اصل مذکورہ عبارت سے محولہ معترض فقرہ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر عائد کرنیکا اشارہ نہیں ہے۔ اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ لفظ "بڑا ہو یا چھوٹا" میں آنحضرت صلعم کو شامل کیا جاوے۔ لفظ بڑا کئی موقعوں پر استعمال ہوتا ہے مثلاً بوڑھے آدمی، عقلمند، دولتمند، بہادر، جوان، خدا کے تابعدار، بڑے عہدہ دار وغیرہ پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ اور ایسے ہی لفظ "چھوٹا" انکے برخلاف مستعمل ہوتا ہے ؂ فاعتبروا یا اولی الابصار ؂

اعتراض نمبر ۵ کا جواب

(شفاعت)

معترض کو سمجھ نہیں آتی۔ کہ اصلیت کیا ہے۔ اپنی تصدیق اُنسے جو شہادتیں لکھی ہیں وہی اُسکے برخلاف ہیں۔ شفاعت کے متعلق مولانا شہیدؒ صاحب کا عقیدہ اسطرح پر ہے۔ کہ خود بخود کوئی کسی کی شفاعت نہ ہوگی۔ بلکہ جسکے حق میں اللہ کریم اذن دینگے اسی کی شفاعت ہوگی۔ اور مولانا کی عبارت یہ ہے۔ "اور جسکو چاہیگا اپنے حکم سے اسکا شفیع بنائیگا"

اس پر معترض نے لکھدیا کہ انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے انکار کیا ہے مگر یاد رہے کہ سب اہلسنت کا یہی مذہب ہے جو شہیدؒ صاحب نے لکھا ؂

دیکھو شاہ عبدالعزیز کا قول خود معترض نے نقل کیا ہے۔ کہ انہوں نے لکھا:-

معنی این آیت آنست کہ شفاعت بے حکم الٰہی دراں روز مقبول نخواہد شد۔ بدلیل آنکہ در آیات بسیار نفی شفاعت اثبات۔ نمیفرمودہ اند یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا۔ وَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔ وَمِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ۔ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ۔ واحادیث متواترہ بیان

کردند کہ غیر از کافر در حق ہمہ اہل معاصی حکم بشفاعت خواہد شد۔ پس معلوم شد کہ محروم مطلق از شفاعت کافر است و بس۔ و مناسب مقام ہم نفی ہمیں شفاعت است الخ ۔

پس یہ اظہر من الشمس ہے کہ مولانا شہید رحمہ کا فقرہ "اور جسکو چاہیگا اپنے حکم سے اسکا شفیع بنائیگا" اور مولانا شاہ عبدالعزیز رحمہ صاحب کا فقرہ "شفاعت بے حکم الٰہی دراں روز مقبول نخواہد شد" ہر دو ایک ہی ہیں اور انکا مطلب بعینہٖ ایک ہے۔ بلکہ شاہ صاحب کا فقرہ کسی قدر شہید صاحب کے فقرہ اور بھی واضح ہے ہمیں معلوم نہیں ہوتا۔ کہ ان فقرات میں کونسا لفظ انکار شفاعت ظاہر کرتا ہے؟ اگر شہید صاحب نے انکار کیا ہے تو معترضونکو ذرا شاہ صاحب کی خبر لینی چاہیئے۔ (نعوذ باللہ)۔

اسی طرح معترضوں نے حضرت شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ کو منکر شفاعت کہدیا ہے۔ نہ انکی کوئی کتاب دیکھی نہ پڑھی مگر اپنی گرہ سے ہی بہتان کس دیا۔ مگر امام صاحب نے یہ لکھا ہے :۔

"الحمد للہ قد ثبت بالسنۃ المستفیضۃ بل المتواترۃ واتفاق الامۃ ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم الشافع المشفع وانہ یشفع فی الخلائق یوم القیامۃ وان الناس یستشفعون بہ یطلبون منہ ان یشفع لھم الی ربھم وانہ یشفع لھم۔ (یعنی الحمد للہ کہ مستفیضہ اور متواترہ احادیث سے اور اتفاق امت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ثابت ہو گئی۔ کہ وہ قیامت کے دن لوگوں کی شفاعت کرائینگے۔ اور لوگ جمع ہو کر اُن سے شفاعت کرانیکی درخواست کرینگے اپنے رب سے اور وہ انکی شفاعت کرادینگے)۔

ثم اتفق اھل السنۃ والجماعۃ انہ یشفع فی اھل الکبائر وانہ لا یخلد فی النار من اھل التوحید احد۔ (یعنی اہلسنت و الجماعت کا اتفاق ہے کہ آنحضرت صلعم اہل کبائر کے حق میں شفاعت کرینگے اور کوئی صاحب کبیرہ جو شرک سے بچا ہو دوزخ میں ہمیشہ نہ رہیگا)

ہاں! یہ ضرور امام صاحب نے لکھا ہے :۔ کہ واما من اقر بما ثبت بالکتاب والسنۃ والاجماع من شفاعتہ والتوسل بہ ونحو ذالک ولکن قال لا یدعی الا اللہ وان الامور التی لا یقدر علیھا الا اللہ فلا تطلب الا منہ مثل غفران الذنوب وھدایۃ القلوب وانزال المطر وانبات النبات ونحو ذالک فھذا مصیب فی ذالک بل ھذا مما لا نزاع فیہ المسلمین (یعنی جو شخص اقرار کرے اُن باتوں کا جو کتاب و سنت اور اجماع سے شفاعت اور توسل اور اس قسم کی باتوں کے متعلق ثابت ہے لیکن کہے کہ نہ پکارا جاوے (اور نہ عبادت کی جاوے) مگر اللہ کو اور وہ امور جن پر کوئی قدرت نہیں رکھتا سوا اللہ کے وہ اسی سے مانگیں مثلاً بخشش گناہ، ہدایت قلوب، بارش کرنا اور پیداوار کا کھڑا رکھنا (اگانا) وغیرہ ایسا عقیدہ رکھنے والا نیکی پر ہے۔ بلکہ یہ تو وہ باتیں ہیں جن پر مسلمانوں میں کوئی نزاع نہیں۔

معترض لکھتا ہے۔ کہ آیہ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ اور وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَۃُ عِنْدَہٗ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَہٗ کہ یہ ہر دو آیات کافروں اور بتوں کے متعلق ہیں ۔
مگر انکی شرح دیکھئے :۔

پہلی آیت ۔ ایسا کون ہے جو اُسکے آگے کسی کی سفارش کرے (یعنی کوئی نہیں) پھر خود ہی فرمایا ، مگر جسے میں حکم دونگا ۔ پہلے اللہ کریم نے سب کی نفی کر دی ۔ کیا پیغمبر اولیا سب اس نفی میں داخل نہیں ۔ اور یہ فرمایا ۔ کہ جسے میں حکم دونگا وہی شفاعت کر سکتا ہے ۔ بغیر حکم کے ایسا کرنیوالا کوئی نہیں ۔
دوسری آیت ۔ اور نہ نفع دیگی کسی کی شفاعت اسکے نزدیک ۔ مگر جسے اذن دیا جاویگا ۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ حرف لا سب کی نفی کر رہا ہے ۔ اور الا بتاتا ہے کہ جسے حکم دیا جاویگا وہی شفاعت کی جرأت کریگا ۔ بغیر حکم کے کوئی نہیں جو ایسا کر سکے ۔

اگر آیات قرآن پر بغیر اپنی رائے زنی کے عمل کرنیکا نام وہابی ہے تو ہم علانیہ امام شافعی کی طرح اقرار کرتے ہیں ۔ جبکہ امام موصوف کو بعض حاسدوں نے رافضی قرار دیا تو انہوں نے فرمایا ۔ ؎

ان کان الرفض حبّ آل محمّد فلیشھد الثقلان انی رافضی

اور ہم یہ کہدیتے ہیں ۔ ؎

ان کان عمل بالکتاب توھّبا فلیشھد الثقلان انی واھبی

ان کان توحید الا لہ توھّبا فلیشھد الثقلان انی واھبی

پس کوئی پیغمبر شفاعت کی خود بخود جرأت نہ کر سکیگا ۔ مگر اللہ تعالےٰ جسکے حق میں حکم دینگے اسکی شفاعت قبول کی جاویگی ۔ اور بغیر حکم کے انبیا ایسا نہیں کر سکینگے ۔ کیونکہ وہ تو بغیر حکم اللہ کریم کے کسی بات کا دنیا میں بھی فیصلہ نہ دیتے تھے ۔ اور کسی کے حق میں بغیر حکم ایزدی کوئی بات نہ کرتے تھے ۔
شہید صاحب علیہ الرحمۃ کا یہ مطلب ہے ۔ کہ بغیر حکم کے کوئی پیغمبر بھی کسی کی شفاعت نہ کر سکیگا تو جاہل اور بدعتی لوگ کیوں خود بخود پیروں فقیروں کو شفیع جانتے ہیں ۔ صاف احادیث میں موجود ہے کہ قیامت کے دن سب انبیا اللہ تعالےٰ کے روبرو بات کرنے سے عاجز ہو جائینگے ۔ صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بحکم پروردگار یہ جرأت کرینگے ۔ اور اللہ تعالےٰ نے خود فیصلہ کر دیا ہے قُلْ لَّا اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ الآیہ

معترض کے عقیدہ اور مولانا شہید و شاہ عبد العزیز کے عقیدہ میں فرق یہ ہے ۔ کہ معترض کہتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور تمام اولیا و دیگر پیغمبر خود بخود شفاعت کرانیکے حقدار ہیں ۔ جو جاہلوں اور بدعتیوں کا عقیدہ ہے ۔ کہ جاہل لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا خدائی فعلوں میں ذرہ فرق جانتے نہیں ۔ بلکہ یہی عقیدہ اپنے پیروں پر رکھتے ہیں ۔ اور انہیں اپنا شفیع حتمی مانتے ہیں ۔ اور

اور ایسے ہی بعض جاہل پیر اپنے مریدوں کو تشفی دیتے ہیں کہ ہم تمہاری شفاعت کرا دینگے۔ عوام جاہل پیر تو کجا؛ معتبر ذرائع سے سنا ہے کہ ایک بڑے پیر صاحب جنکا قریبًا سارا پنجاب خادم ہے۔ اس امر کا علانیہ دعوے کرتے ہیں کہ جو میرا مرید ہو جاوے میں اسکی شفاعت کراؤنگا۔ خواہ وہ مجھ سے اس امر پر وثیقہ لکھوا لیوے "۔ اِدھر تو خود شفیع الامم خاص اپنی لختِ جگر کو فرماتے ہیں " یَا فَاطِمَۃُ اَنْقِذِیْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ سَلِیْنِیْ مَا شِئْتِ مِنْ مَالِیْ فَاِنِّیْ لَا اُغْنِیْ عَنْكِ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا (مشکوٰۃ۔ بخاری وغیرہ) یعنی " اے فاطمہ رض ! بچا تو اپنی جان کو آگ سے مانگ لے مجھ سے جتنا چاہے میرا مال نہ کام آؤنگا میں تیرے اللہ کے ہاں کچھ "۔ مگر ہمیں پتہ نہیں چلتا کہ آج پیروں کو کہاں سے اختیار نامہ ملگیا ہے؟

مولانا شہید صاحب اور شاہ عبد العزیز علیہم الرحمۃ بلکہ تمام اہالیانِ سنت کا یہی عقیدہ ہے کہ جسکے حق میں اللہ کریم اذن دینگے اسی کی شفاعت کرائی جاویگی۔ (اور آنحضرت صلعم کرا دینگے)؛ یہ بحث ذیل کی احادیث پر غور کرنیسے بخوبی حل ہو سکتی ہے۔ فھو ہذا۔

عن ابی ھریرۃ رض ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال استاذنت ربی ان استغفر لامی فلم یأذن لی واستأذنتہ ان ازور قبرھا فاذن لی " وفی روایۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم زار قبر امہ فبکی وابکی من حولہ ثم قال استاذنت ربی ان استغفر لامی فلم یأذن لی واستأذنتہ فی ان ازور قبرھا فاذن لی فزوروا القبور فانھا تذکر الموت "؛ (یعنی ابو ہریرہ رض سے مروی ہے کہ رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " میں نے اپنی والدہ کی بخشش مانگنے کیلئے اپنے رب سے اجازت مانگی پس اجازت نہ ملی۔ پھر زیارت قبر کی اجازت مانگی تو مل گئی۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ آنجناب صلعم نے فرمایا۔ کہ " میں نے اپنی ماں کی قبر کو دیکھا تو رویا یہانتک کہ ارد گرد سے بھی لوگ روئے پھر اپنے رب سے بخشش کی اجازت مانگی تو نہ ملی۔ پھر زیارت کیلئے اجازت مانگی تو ارشاد ہوا۔ کہ زیارت قبور کرو کہ اس سے موت یاد آتی ہے۔ (دیکھو والدہ کے حق میں دعا کرنیسے منع فرمایا)"۔

(مسلم)

پس ہر دو احادیث مذکورہ سے ثابت ہو گیا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنی ماں کی سفارش کیلئے اجازت طلب کریں۔ تو اجازت نہ ملے پھر آنحضرت صلعم انکی شفاعت کی جرأت نہ کر سکیں گے تو اور کون ہے جسکی شفاعت کیواسطے آنحضرت سردار انبیا بغیر اذن اپنے اللہ کے شفاعت کے لیئے کھڑے ہونگے۔ یہ عجب ہے کہ اپنی والدہ کی شفاعت کیلئے اجازت طلب کریں مگر دوسروں کے واسطے بلا اجازت ہی کھڑے ہو جاویں۔ یہ بات عقل سے بعید ہے۔ ایسا ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کیلئے سفارش کرنی چاہینگے مگر باوجود اصرار کے بھی قبول نہ ہوگی؛

پس یہی حق ہے کہ بغیر اذنِ پروردگار کے کسی شفیع کو طاقت نہیں کہ کسی کی سفارش کو زبان کھولے۔ مگر جسکے حق میں اذن ہوگا؛

اس امر پر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جبکہ دنیا کے بندے ایک دوسرے کی بادشاہوں وغیرہ کے آگے سفارش کر کرا لیتے ہیں۔ اور اکثر بادشاہوں کے دوست بغیر اذن بادشاہ کے بیدھڑک کسی کی سفارش کر دیتے ہیں اور جوں توں کر کے بادشاہ سے مقصد لے ہی لیتے ہیں۔ تو ایسا ہی جو خدا کے محبوب اور دوست ہیں وہ بیدھڑک خود بخود شفاعت کرنے کے حقدار ہیں۔

اوّل تو یہ سوال ہی نص صریح کے مخالف ہے۔ جبکہ صاف قرآن پاک میں الفاظ "اَذِنَ" "بِاِذْنِہٖ" موجود ہیں تو کیسے اسکے خلاف پر اعتماد کریں؟ دوسرا یہ کہ دنیا کے امیر وزیر جب کسی کی سفارش بادشاہ سے کرتے ہیں تو بادشاہ کو کئی وجوہ سے انکی تردید مشکل ہوتی ہے۔ یعنی امیر وزیر سلطنت کے رکن، بادشاہ کے محافظ، نظام سلطنت کے منتظم اور نیز یہی ذریعۂ آمدنی ہوتے ہیں۔ اس وجہ فی الحقیقت بادشاہ ان سے خاطرداری سے پیش آتا ہے۔ اور امیر وزیر بھی سمجھتے ہیں کہ ان خدمات کے باعث بادشاہ پر ہمارا حق ہے اسواسطے بغیر اذن کے کسی کی سفارش کر دیتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ نہ تو خدائی سلطنت کا کوئی (خواہ پیغمبر ہو یا ولی یا پیر) رکن ہے نہ کوئی اس ذات پاک کا محافظ ہے۔ نہ کوئی اسکی بادشاہت کا منتظم ہے۔ اور نہ ہی کوئی خراج وغیرہ جمع کر کے اللہ رب العزت کے خزانہ میں بھیجتا ہے۔ اور نہ ہی کسی مخلوق (خواہ چھوٹا ہو یا بڑا) کا اللہ کریم پر کوئی حق ہے کہ اس سے طلب کرنیکا حقدار ہو۔ پس یہ تو بُعد المشرقین ہے۔

اسی بحث کے ضمن میں معترض صاحب لکھتے ہیں۔ "آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ اور تمام جہان پر آپ کو تصرف ہے۔"

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ نے اس امر کا فیصلہ مکتوب نمبر ۵ جلد دوم میں کر دیا ہے "اولیاء کہ صاحب علم کشف اند جائز است کہ بعضے خوارق خود اطلاع پیدا نکنند۔ بلکہ صور مثالیہ ایشاں در اماکن متعددہ ظاہر سازند۔ و در مسافات بعیدہ کارہائے عجیبہ و غریبہ ازاں صور (مثالیہ) بظہور آرند کہ صاحب آں صور را از انہا اصلا اطلاعے نیست۔"

مطلب یہ نکلا۔ "اگر کسی محب کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم یا کسی اور اولیاء کی صورت نظر آوے اور اس سے استفادہ حاصل ہو۔ تو وہ اصلی صورت نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی صاحب صورت کے تصرف کی دلیل مانی جاویگی۔ کیونکہ وہ تو مثالی صورت ہے۔"

مکتوب کی اردو عبارت یہ ہے "یہ سب صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات و لطافت کی مثالی صورتیں ہیں نہ کہ اصلی! اسیطرح مرید اپنے پیروں کی مثالی صورتوں سے استفادہ حاصل کرتے ہیں۔ اور مشکلات کو حل کرتے ہیں۔"

اور اسیطرح کا ایک واقعہ حضرت سید احمد صاحب بریلوی سے ہے۔ وہ یوں ہے:-

مؤلفِ وائع سید احمد صاحب بریلوی لکھتے ہیں کہ "ایک مرتبہ بمقام رامپور بعارضہ تپ لرزہ میں سخت بیمار ہوگیا۔ بیماری بہاں تک بڑھی تھی۔ کہ میرے عزیز و نکو میری طرف سے مایوسی ہوگئی تھی۔ اس حالت مایوسی میں میں نے ایکدن سید صاحب (بریلوی) کو خواب میں دیکھا۔ کہ سید صاحب نے مجھ سے فرمایا۔ کہ تو اتنے ہی بخار سے گھبرا گیا۔ جواب انشاء اللہ تعالیٰ تجھ کو تپ لرزہ نہ آویگا۔ سو بموجب فرمانے سید صاحب کے میں اسی دن اچھا ہوگیا۔ اپنی صحتیابی کے بعد میں سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو یہ ساری کیفیت بیماری اور خواب کی اور صحت کی آپ سے بیان کی۔ اور پوچھا۔ کہ اس کیفیت کی آپکو خبر ہوگئی تھی؟ آپنے بآواز بلند اسکے جواب میں فرمایا۔ کہ مجھ کو اسکی خبر نہ تھی مگر یہ بات جان لو۔ کہ جس کسی شخص کا اعتقاد کامل کسی شخص سے ہوتا ہے۔ تو اللہ رب العزت اس شخص کی صورت مثالی بناکر خواب میں بلکہ بعض وقت بیداری میں بھی اس معتقد کو خوشخبری سنوا دیتا ہے۔ یہ سب اللہ رب العزت کے اختیار میں ہے"۔

دیکھو! سید احمد صاحب بریلوی اور امام صاحب سرہندی کا مضمون بعینہ ایک ہے۔ پس ان روایات سے ظاہر و باہر ہے۔ کہ نہ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک اور نہ ہی کسی اور اولیا، قطب، ولی، پیر کی روحیں ہر جگہ حاضر ہوتی ہیں۔ اور نہ ہی ایسی ضرورت ہے۔ بلکہ معتقدوں اور محبوں کے استفادہ کیلئے اللہ کریم انکی مثالی صورتیں حاضر کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ کہ جب بی بی زلیخا کو یوسف علیہ السلام کی شکل پہلے پہل خواب میں دکھائی گئی۔ تو اسوقت یوسف علیہ السلام پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ معترض صاحبان ذرا غور فرمائیں۔ اور خدائی تصرف و طاقت کا کسی مخلوق کو حقدار نہ جانیں۔ یہ شرک سے کم نہیں ہے۔ اللّٰھم احفظنا۔

ذیل کی آیات اس امر پر حادی ہیں۔ کہ اس قسم کا تصرف اور کسی کی بھلائی برائی یا نفع و نقصان کی طاقت صرف ذاتِ واحد کو ہے۔

(۱) مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ "یعنی جو کچھ کھول دے اللہ تعالیٰ واسطے لوگوں کے اپنی رحمت سے پس نہیں کوئی اسکا روکنے والا۔ اور جسے وہ بند کر دے پس کوئی نہیں اسے بھیجنے والا اسکے بعد اور وہ غالب حکمت والا ہے"۔ (اس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ اللہ کے ارادے کو کوئی روکنے والا نہیں ہے۔ کیا پیر کیا پیغمبر۔ اور جسے وہ ذات نیکی دے اسے کوئی دوسرا بدی نہیں لگا سکتا۔ اور جسے وہ بدی لگا دے کوئی دوسرا اس پر نیکی نہیں لگا سکتا۔ فافہم)۔

(۲) وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۚ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔ (یونس)

یعنی اور اگر لگا دیوے تجھ کو اللہ برائی پس نہیں کھولنے والا اُسے مگر وہی۔ اور اللہ اگر تیرے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرے تو اُسے کوئی ہٹا نہیں سکتا۔ دیتا ہے بھلائی اپنے بندوں کو جسے چاہتا ہے اور وہ غفور رحیم ہے۔

(۳) وَاِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْ بَعْدِہٖ ۚ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ یعنی اور اگر مدد کرے اللہ تمہاری تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ اور اگر تمہیں ذلیل کر دیوے تو کون ایسا ہے؟ جو تمہاری مدد کرے اسکے (ذلیل کر دینے) بعد اور مومن لوگ ہمیشہ اللہ ہی پر توکل رکھتے ہیں۔

(۴) ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِہٖۤ اٰلِہَۃً اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُہُمْ شَیْـًٔا وَّلَا یُنْقِذُوْنِ (یٰس) یعنی کیا پکڑوں میں سوائے اُسکے معبود اگر چاہے خدا میرے تئیں ایک نقصان تو نہ کفایت کرے مجھے سفارش انکی کچھ اور نہ چھڑا دیں مجھکو۔

(۵) یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ ۚ ہَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰہِ یَرْزُقُکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۫ۖ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ اے لوگو یاد کرو اللہ کی نعمتیں جو تم پر ہیں کیا سوائے اللہ کے کوئی خالق ہے؟ جو رزق دیتا ہے تمہیں آسمانوں سے اور زمین سے نہیں کوئی معبود مگر وہی پس تم کدھر پھرے جاتے ہو۔

جبکہ ایسے امور پر متواترہ آیات سے پتہ چلتا ہے۔ کہ خدائی کاموں میں کسی مخلوق کو (خواہ بڑا ہو یا چھوٹا) ایک رائی کے برابر اختیار نہیں اور نہ کسی کو رائی زنی کی طاقت ہے اور نہ ہی بغیر اذن رب العزت کے کسی کو طاقت سخن ہے جس سے ظاہر ہے کہ شفاعت بغیر اذن پروردگار کے کوئی نہیں کرا سکے گا۔ اور یہ عقیدہ انکار شفاعت پر ہرگز دال نہیں ہے۔ فافہم۔

معترض جو یہ بات کہتے ہیں۔ کہ ابن تیمیہؒ اور مولوی شہیدؒ صاحب نے آنحضرتؐ کی شفاعت سے انکار کیا ہے" یہ بالکل غلط ہے۔ ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ کی عبارت پیچھے نقل ہو چکی ہے جسمیں انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو "الشافع المشفع" شفیع" لکھا ہے۔ اور مولانا شہیدؒ کا اقرار شفاعت کتاب ہذا کے اخیر میں اُنکے ایک خط کی نقل سے دیکھئے جسمیں انہوں نے لکھا ہے" افضل البرایا شفیع الامم الذی لولاہ ما اخرجت الدنیا من العدم" ان ہر دو عبارات سے ان ہر دو بزرگوں پر یہ گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں! انبیا اور اولیا کو خود مختار جاننا یہ جاہلوں کا عقیدہ ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور مولانا شہیدؒ کو منکر شفاعت جاننے والا اُنکے عقائد اور مصنفات سے کما حقہٗ واقف نہیں۔ اگر واقف ہے تو سمجھتا نہیں۔ اگر سمجھ کر ایسا کرتا ہے۔ تو بہتان باندھتا ہے۔ اور ایسے بھائیوں کو اب تو غور کرنا چاہیئے۔

اعتراض نمبر ۶ کا جواب

(آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مرکر مٹی سے جا ملے ہیں ؟)

یہ بات تو صریح نص سے ثابت ہے کہ ہر ایک جاندار موت کا مزا چکھیگا۔ اور سبھی نباتاتی اور جماداتی اشیا بھی فنا ہونیوالی ہیں۔ بموجب آیہ "کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ" جو جانداروں پر عائد ہے اور آیہ "یَوْمَ یَکُوْنُ النَّاسُ کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ وَ تَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ" جس سے جمادات کی فنا ثابت ہوتی ہے۔ اور اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا الآیہ جو نباتات کی فنا کی پوری شہادت دیتی ہے۔ کہ زمین کو ایسا زلزلہ آویگا۔ جس سے تمام نباتات وغیرہ (جو چیز بھی زمین پر قائم ہے) سبھی فنا ہوجاوینگی۔ اور زمین صاف چٹ میدان ہوجاویگی۔ اور ان نصوص سے ثابت ہوگیا کہ سوائے ذات رب العزت کے ہر چیز اور ہر نفس فنا ہوجاوینگے۔ اور صفحۂ ہستی سے مٹ جاوینگے اور ملک عدم میں جا بسینگے "(امید ہے کہ معترض لوگ یہ بات تو مانتے ہونگے ؟)"

تو یہ بھی غور کرلینا چاہیئے۔ کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم جنس نفس سے ہیں اور یہ وقت آپؐ پہ بھی آیا۔ چنانچہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ؂

وَکَانَتْ بَیْنَ یَدَیْهِ رَکْوَةٌ فِیْهَا مَاءٌ فَجَعَلَ یُدْخِلُ یَدَیْهِ فَیَمْسَحُ بِهَا وَجْهَهٗ وَیَقُوْلُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَکَرَاتٍ ثُمَّ نَصَبَ یَدَهٗ فَجَعَلَ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی حَتّٰی قُبِضَ وَمَالَتْ یَدُهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یعنی (حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں) آپؐ کے سامنے ایک پانی کا پیالہ تھا۔ اسمیں ہاتھ بھگو کر منہ پر پھیرتے اور فرماتے "لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَکَرَاتٍ" پھر آسمان کیطرف ہاتھ اُٹھایا۔ اور فرمایا "اَللّٰهُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی" پھر وفات پائی اور ہاتھ نیچا ہوگیا ؂ (بخاریؒ)

وَعَنْهَا (عن عائشۃ) رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا فِیْ رِوَایَةٍ قَالَتْ مَاتَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاِنَّهٗ لَبَیْنَ حَاقِنَتِیْ وَذَاقِنَتِیْ فَلَاۤ اَکْرَهُ شِدَّةَ الْمَوْتِ لِاَحَدٍ اَبَدًا بَعْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت میں ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا۔ کہ رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک وفات کے وقت میرے سینے پہ تھا۔ اور آپکو موت کے وقت اسقدر تکلیف ہوئی۔ کہ بعد نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی کو نہ ہوئی ؂

تو ان دونو حدیثوں سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے وفات ضرور پائی! ور سکرات موت بھی ہوئی۔ اسمیں شک نہیں اور حدیث صحیح ہے اور راویہ بھی صدیقہؓ ہے۔ ہاں! آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جاندار مخلوق قرار نہ دیں۔ اور (نعوذ باللہ) خالق یا اللہ کریم کے

سا بھی قرار دیدئے جائیں۔ تو معترضین کا عقیدہ درست سمجھا جاوے۔ اور مولانا شہید کو بے ادب قرار دیدیں۔ مگر ایسا کرنیسے مسلمانی کہاں؟ صرف بقا تو ذات باری کو ہے جو ہر جنس کا خالق ہے ماسوا اسکے کل انسان، حیوان، نباتات، جمادات، آسمان و زمین اور ملائک سبھی ایکبار تو فنا ہو جاوینگے اچھا! اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فوت شدہ تصور کرنا یا کہنا یا لکھنا گناہ اور بے ادبی ہے اور وہابیت ہے۔ تو پہلے پہل حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا اس گناہ کی مرتکب اور بے ادب اور وہابن بنگئیں جنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سکرات موت اور وفات کا بیان کیا۔ اور لفظ "ممات" بھی کہدیا۔ اور دوسرے درجہ پر محدث بھی بے ادب اور وہابی ہیں۔ جنہوں نے ایسی احادیث کو نقل کر دیا۔ اور وہ تمام صحابی بھی بے ادب اور وہابی ٹھیرے جنہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کو قبر میں دفن کر دیا۔ بلکہ بغیر کسی فرش فروش اور صندوق وغیرہ کے بستر خاک پر ہی لٹا دیا۔ اگر یہی وہابیت ہے۔ تو بسم اللہ ہم وہابی ہیں۔

یہاں ایک امر قابل غور ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کی چار دیواری پختہ تیار کیگئی جسکی بنیادیں دھاتوں سے قائم کیگئی تھیں۔ کیوں؟ نہایت اشد ضرورت ہے۔ وہ کیا؟ کہ نصاریٰ نے بذریعۂ سرنگ آپکے جسم کو لیجانا چاہا۔ تو اسکی حفاظت ضروری تھی۔ مگر حضور صلعم کی اصلی مرقد شریف ابھی تک کچی ہے۔ ہمیں معلوم نہیں ہوتا۔ کہ بعدہ جو پکی قبریں اور بعض کی لحدیں بھی پکی بنائی جاتی ہیں۔ اور اُن پر مسجدونکی طرح کے گنبد اور مینار تیار ہوتے ہیں۔ یہ کیوں؟ اور اکثر معزز اشخاص کو صندوق وغیرہ میں ڈالکر دفن کیا جاتا ہے۔ اس سے کیا مطلب ہے؟ کیا آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے مابعد کے پیروں اور اولیاؤں کی تعظیم آنحضور صلعم سے بڑھگئی ہے؟ یا مرتبہ میں یہ فوقیت لیگئے ہیں؟ فافہم۔ اس امر پر یہ حدیث منصوص قطعی ہے۔

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّجَصَّصَ الْقُبُوْرِ وَاَنْ يُّكْتَبَ عَلَيْهَا وَاَنْ تُوْطَأَ (مشکوۃ۔ ترمذی) یعنی جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم نے قبرونکو پختہ بنانے اور ان پر کچھ لکھنے اور انکو روندنے سے منع فرمایا ہے۔

اسی وجہ سے آجتک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کچی ہے۔ دوسرا ان سے عالیشان کون ہے؟ اللھم اھدنا۔

اصل مطلب

عَنْ قَيْسِ ابْنِ سَعْدٍ رض قَالَ اَتَيْتُ الْحِيْرَةَ فَرَاَيْتُهُمْ يَسْجُدُوْنَ لِمَرْزُبَانٍ لَّهُمْ فَقُلْتُ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَقُّ اَنْ يُّسْجَدَ لَهٗ فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اِنِّیْ رَاَیْتُ الْحِیْرَۃَ فَرَاَیْتُہُمْ یَسْجُدُوْنَ لِمَرْزُبَانٍ لَّھُمْ فَاَنْتَ اَحَقُّ اَنْ نَّسْجُدَ لَکَ فَقَالَ لِیْ اَرَاَیْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِیْ اَکُنْتَ تَسْجُدُ لَہٗ فَقُلْتُ لَا فَقَالَ لَا تَفْعَلُوْا (مشکوٰۃ) قیس بن سعد کہتے ہیں۔ کہ گیا میں شہر حیرہ میں تو وہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ اپنے راجہ کو سجدہ کرتے تھے تو میں نے (دل میں) کہا پیغمبر خدا سجدہ کرنے کے زیادہ لائق ہیں اُن کو سجدہ کرنا چاہئے۔ جب میں پیغمبر خدا کے پاس آیا۔ تو کہا کہ (یا رسول اللہ!) میں حیرہ میں گیا تھا۔ اور وہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے راجہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ سو آپ بہت لائق ہیں کہ سجدہ کریں ہم آپکو سو فرمایا مجھکو (بھلا خیال تو کر) جو تو گزرے میری قبر پر۔ کیا سجدہ کریگا تو اُسکو؟ کہا میں نے نہیں فرمایا۔ تو اب بھی ہرگز نہ کر۔

معترضوں کو خیال کرنا چاہئے۔ کہ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے جو بات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کہی اسکا جواب تو صرف یہ تھا۔ کہ "ایسا کام سوا خدا کے مت کر" مگر اسمیں آنحضرت صلعم کا یہ فرمانا کہ "اگر تو میری قبر پر گزرے تو اُسکو بھی سجدہ کریگا" کیا معنی رکھتا ہے؟

اسکا مطلب یہ ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک موٹے ستارے کو دیکھکر خدا قرار دیدیا اور جب وہ ڈوبا تو چاند کو رب کہدیا۔ پھر جب وہ بھی ڈوب گیا۔ تو سورج کو رب قرار دیا۔ اور کہا ھٰذَا اَکْبَرُ پھر جب وہ بھی ڈوب گیا۔ تو کہا لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ یعنی ایسی ڈوب جانے والی چیزیں ساتھ نہ دینگی اور نہ یہ رب ہونے اور سجدہ کرنیکے لائق ہیں۔ کیونکہ یہ سب ڈوب گئیں یا فنا ہو گئیں۔ تو ایسا ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا۔ کہ "لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِیْ اَکُنْتَ تَسْجُدُ لَہٗ" اسکا یہی مطلب ہے۔ اور یہی اشارہ ہے۔ کہ میں تو وفات پاکر (اسی ستارے اور چاند اور سورج کے ڈوب جانے کی طرح) قبر میں دفن ہونے والا ہوں اور (لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ کے مطابق) میں کسی کا ساتھ نہیں دیسکتا۔ پس میں کب سجدہ کرانے کا حقدار ہوں؟ جبکہ فنا ہونے والا ہوں۔ یا مرکر مٹی سے ملنے والا ہوں۔

تو اس سے یہی مطلب نکلا۔ کہ میں تو مرنے والا اور زمین میں دفن ہونیوالا ہوں۔ اور یہی مراد ہے مولانا شہید صاحب کی۔ نہ کہ "میں بھی ایکدن مرکر مٹی میں ملنے والا ہوں" کے لکھنے سے ان کا یہ مطلب تھا۔ کہ آنحضرت صلعم کے جسم مبارک کو مٹی کھا جائیگی۔ (نعوذ باللہ) کیا اُنہیں وہ احادیث معلوم نہ تھیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیا کے جسم کو مٹی نہیں کھاتی۔ وہ تو حافظ حدیث تھے۔ اور احادیث کے خلاف وہ کب لکھتے تھے؟

یہاں پر معترض نے لکھا ہے۔ کہ شہید صاحب کے بے ادب ہونے پر یہ فقرہ شاہد ہے کہ "میں بھی ایکدن مرکر مٹی میں ملنے والا ہوں" یعنی انہوں نے آنحضرت پر مرنے کا لفظ لکھا ہے۔ اگر با ادب ہوتے تو "مرکر" کی بجائے "انتقال پاکر" یا "وفات پاکر" وغیرہ لکھتے۔

اس بات کا جواب یہ ہے۔ کہ لفظ "انتقال" عربی ہے۔ مگر اسے حضرت صدیقہؓ نے بھی استعمال نہ کیا۔ انہوں نے بھی "مات" ہی کہا جسکے معنی مرنا ہے۔ اگر "مرگ" لکھنا بے ادبی ہے تو "مات" بھی بے ادبی ہے۔ دوسرا لفظ "وفات" بھی عربی ہے۔ اور تقویۃ الایمان ہندی زبان میں لکھی گئی۔ اور یہ بات "تاریخ زبان اردو" کے دیکھنے سے معلوم ہوتی ہے۔ کہ تقویۃ الایمان کی تصنیف کے وقت اردو زبان ابھی نابالغ تھی۔ بلکہ پیدا ہی ہو رہی تھی۔ اور ابھی لڑکھڑاتی تھی۔ اسوقت کی مصنفات کا اردو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دو تہائی فارسی سے مملو تھا۔ مگر تقویۃ الایمان کے عام فہم بنانے کی غرض سے سیدھے موٹے ہندی اور پنجابی الفاظ سے سمجھایا گیا۔ اسواسطے اس میں ایسے شستہ اور علمی الفاظ شامل نہ کئے گئے۔

احادیث کے الفاظ "حتی قبض اور مات النبی" سے صاف نظر آرہا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا روح مبارک تمام خلائق کی طرح قبض کیا گیا۔ اور ہر ایک ذی نفس کی مانند آپ نے بھی وفات پائی۔ بیشک قرآن پاک سے یہ بات ثابت ہے۔ کہ شہدا اپنے رب کے پاس (ملک بقا میں) زندہ ہیں اور رزق دئے جاتے ہیں۔ مگر یہ بات نہیں کہ وہ دنیا میں زندہ ہیں۔ یا دنیا کا کوئی کام کرتے ہیں یا چلتے پھرتے ہیں۔ نہیں انکی زندگی اپنے رب کے پاس ہے اور دنیا کے نیک و بد کی تمیز کی انہیں کوئی ضرورت نہیں۔

اچھا معترض نے لکھا ہے کہ جبکہ شہدا کو موتے کہنے سے ممانعت ہے جو آنحضرت صلعم کے خادم تھے۔ تو آنحضرت صلعم پر بذات خود مرنے کا لفظ استعمال کرنا بے ادبی نہیں تو کیا ہے۔ مگر ہم سے اتنا جواب ہی کفایت کر سکتا ہے۔ کہ حضرت صدیقہؓ نے مات النبی کہا۔ اور محدثین کرام نے بھی یونہی لکھا۔ اگر وہ بے ادب تھے تو ہم بھی سہی۔ مگر ہم یہ نہیں مان سکتے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔

اور دوسری بات جو احادیث میں ہے کہ انبیا علیہم السلام کے جسموں کا کھانا زمین پر حرام کر دیا ہے۔ بسر و چشم۔ مگر اس سے یہی ثابت ہے کہ قبروں میں ہی رہتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں جسکا تعلق ملک بقا سے ہی ہے۔ اگر یہ حیات دنیاوی تصور کریں تو کیونکر کریں۔ قبر میں حیات دنیاوی کی طرح رکھنے سے کیا غرض ہے۔ اگر اُن کو زندوں کی طرح وہاں بھی کام کرنا ہے تو اللہ کریم زندہ ہی رکھ سکتے تھے۔ نہیں جناب سمجھو تو یہ اللہ کے بندوں کی قبوری زندگی ملک بقا کی زندگی ہے۔ نہ کہ پھر انہیں بعض المومنین سے ہی تعلق رہا۔ اگر سابقہ انبیا کی آنحضرت صلعم کو زیارت ہوئی تو ملک بقا میں ہی ہوئی نہ کہ کبھی ملک معظمہ میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا۔ یا حضرت اسمٰعیل کو فافہم۔

اور معترض نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بلکہ تمام اولیا حیات دنیاوی کی طرح اب بھی بجسم و جان خود چلتے پھرتے ہیں اور ہر جگہ چل پھر کر دیکھ لیتے ہیں۔ تو اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم اور دیگر اولیا کا اپنی لحدوں میں ہونا ضروری نہیں۔ مگر ایسے لوگ عقل سے کام نہیں لیتے

بھلا بھئی! اگر وہ ہر جگہ چلتے پھرتے اور حاضر و ناظر آزاد سیر کرتے ہیں۔ تو تم کاہے کو قبروں پر ماتھے رگڑتے ہو؟ اور اگر وہ قبروں میں مقیم ہیں تو کیوں ان کا چلنا پھرنا اور حیات دنیاوی کی طرح ہونا ثابت کرتے ہو؟ یا (نعوذ باللہ) یوں سمجھتے ہو۔ کہ خدا بھی ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ مگر سجدہ اور اُسکے لئے تعظیم ایک ہی جگہ (بیت اللہ) کو کیا جاتا ہے۔ اور گو کہ وہ باہر چلتے پھرتے ہیں۔ مگر تعظیم ایک جگہ (قبر پر) ہی چاہیئے۔ اللّٰھم احفظنا من ہٰذا الخرافات +

افسوس تو ایسی باتوں پر ہے۔ کہ کسی صاحب نے کتاب "مناسک الحج المشاہد" لکھ ماری۔ گویا ایسے لوگ قبروں اور بیت اللہ کا درجہ برابر بلکہ قبروں کو کچھ زیادہ ہی جانتے ہیں۔ اور ادھر اللہ اور اس کے بندوں کو برابر کر دکھاتے ہیں۔ خدا کی قسم! ایسے دین اور ادب سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایسے ہی بیزار ہیں۔ جیسے حضرت عیسےٰ علیہ السلام عیسائیوں سے ؛

اس بحث پر معترض نے آیہ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا پیش کی ہے اسکا جواب علم غیب کی بحث میں دیکھو ؛

اچھا! اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حیات دنیاوی کی طرح زندہ ہیں۔ اور بجسم و جان سیر و سیاحت کرتے ہیں۔ تو امور ذیل کا جواب معترض پر لازم ہے :-

(۱) - آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قیس بن سعد کو فرمایا "لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِيْ" (جس سے آنحضرت صلعم نے اپنے قبر میں دفن ہونیکی شہادت دیدی۔ اور رہے بھی) تو کیا قبر زندہ کی ہوتی ہے یا فوت شدہ کی؟ اگر کہیں زندہ کی قبر ہے تو بتانا چاہیئے +

(۲) احادیث صحیحہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ذکر پر لفظ "مَاتَ۔ قُبِضَ" کیوں مستعمل ہے یہی لفظ اور لوگوں کی وفات پر عرب میں مستعمل ہے۔ یہ کیوں؟

(۳) کیا مفسرین و محدثین بلکہ صحابہؓ حضرت صدیقہؓ تک "مَاتَ" "قُبِضَ" کہتے ہیں بے ادبی تصور نہ کر سکے؟ اور آنحضرت صلعم کے زندہ ہونے پر یہ لفظ کیوں مستعمل ہوئے؟

(۴) - کیا اگر ہمارا پیر و مرشد زندہ ہو تو ہم کسی دوسرے کی بیعت کر سکتے ہیں؟ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں۔ تو کیوں اور اور بزرگوں سے بیعت کیجاتی ہے؟

(۵) - کیا اگر خواب میں کسی کو اپنے باپ دادا کی شکل نظر آئے۔ تو اس سے وہ زندہ سمجھے جائینگے؟ اور اکثر ایسے واقعات سے معلوم ہوا ہے۔ کہ بعض لوگوں کو اُنکے والدین نے خواب میں ملکر فائدہ کی باتیں بتائیں اور بعض دنیاوی امور کے نفع و نقصان سے آگاہ کیا۔ اور ایسا اکثر ہوا ہے۔ تو کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا انکو بھی زندہ مانیں اور انکا تصرف سمجھیں؟)

اس پانچویں سوال پر شاید کوئی صاحب کہدیں۔ کہ والدین کی شکل دیکھی ہوتی ہے

اسواسطے اگر وہ نظر آجائے۔ تو تصرف اور حیات نہ سمجھا جاویگا۔ چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شکل مبارک آنکھ نہیں دیکھی ہوتی ہو۔ لہذا اسکا نظر آنا آپؐ کی حیات ابدی اور تصرف پر دال ہے ‌؎

مگر ہم کہہ دیتے ہیں۔ جن بزرگوں کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے۔ یہ اُن کا عشقیہ جذبہ ہوتا ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مثالی صورت کو دیکھ لیتا ہے۔ اور عشق کا ایک علیحدہ مقام ہے اور اسکی تصدیق العشق نار تحرق ما سوی اللہ سے ہو سکتی ہے۔ کیا بی بی زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کی شکل دیکھی تھی کہ انکو خواب میں نظر آگئی ہا اور کیا یوسف علیہ السلام کو یہ تصرف تھا کہ وہ اپنی شکل زلیخا کو دکھا دیتے ہا (اگر یہ تصرف رکھتے تھے تو کوئیں سے اپنے باپ یعقوب علیہ السلام کو کیوں نہ اپنا حال بتا سکے ؟) نہیں! بلکہ اس امر کا حضرت یوسفؑ کو پتہ بھی نہ تھا۔ اور ادھر سے زلیخا بی بی ہجر و فراق میں تباہ ہو رہی تھی۔ بلکہ جب پہلے پہل زلیخا نے حضرت یوسفؑ کو خواب میں دیکھا تھا۔ اُسوقت یوسف علیہ السلام پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ تو ایسا تصرف کہ جو بقول حضرت مجدد صاحب سرہندی و سید احمد صاحب بریلوی علیہم الرحمۃ مثالی صورتوں کا اظہار ہوتا ہے ‌؎

(۶)۔ اگر ایک وقت میں ہزار محبان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے سعادت نصیب ہو۔ تو کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک ہزار جسموں پر منتقل ہوگا ؟ یعنی آنحضرت صلعم کے ہزار اجسام بنا دیئے ؟ (غور کرنا چاہئے یہ وہی مثالی صورتیں ہونگی جسپر دو بزرگوں کی شہادتیں مذکور ہو چکیں) ‌؎

حدیث شریف ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق کا ترجمہ اور اصلیت یہ ہے (صرف اردو ترجمہ لکھا جاتا ہے):۔

"محمد بن اسحاق نے مغازی میں یونس بن بکیر کے زیادات سے ذکر کیا وہ ابی خلدہ خالد بن دینار سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ابو العالیہ نے حدیث بیان کی۔ کہ جب ہم نے تستر فتح کیا۔ تو ہرمز کے بیت المال میں ہم کو ایک تخت نظر آیا جسپر ایک مردہ پڑا تھا۔ اور اُسکے سر کے پاس ایک صحیفہ تھا۔ ہم نے صحیفہ کو اُٹھا لیا اور حضرت عمر بن الخطابؓ کے پاس لیگئے۔ آپ نے کعبؓ کو بلایا۔ اور انہوں نے اسکو عربی میں لکھ دیا۔ (یعنی ترجمہ کر دیا) میں پہلا شخص تھا جسنے اسکو پڑھا اور اسطرح پڑھ لیا جسطرح میں قرآن پڑھتا ہوں۔ پس میں نے ابو العالیہ سے پوچھا۔ اسمیں کیا تھا ؟ انہوں نے کہا۔ اسمیں تمہارے اخلاق تمہارے کام اور تمہاری زبان کے حالات اور جو کچھ ہونیوالا ہے سب کچھ لکھا تھا میں نے پوچھا کہ تمہارا خیال کیا تھا ؟ کہ وہ کس شخص کی لاش تھی۔ انہوں نے کہا کہ وہ ایک شخص کی لاش تھی جسکو دانیال علیہ السلام کہتے ہیں۔ پھر میں نے پوچھا کہ اسکو فوت ہوئے کتنا عرصہ گذر چکا ؟ تو

انہوں نے کہا تین سو برس۔ میں نے پوچھا کہ انکے جسم میں کوئی تغیر آیا تھا؟ انہوں نے کہا۔ کوئی نہیں۔ صرف گردن کے چند چھوٹے بال متغیر ہوئے۔ کیونکہ انبیا کے گوشت کو نہ مٹی کھاتی ہے اور نہ ہی درندے اسکو کھاتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ لوگ اس لاش سے کچھ امید رکھتے تھے؟ انہوں نے کہا۔ کہ جب کبھی بارش کی قلت ہوتی۔ تو وہ اس تخت کو باہر نکال دیتے۔ تو اُن پر بارش ہو جایا کرتی تھی۔ میں نے پوچھا۔ کہ پھر تم نے دانیال علیہ السلام کی لاش کو کیا کیا؟ انہوں نے کہا۔ کہ ہم نے دن کو متفرق جگہوں میں تیرہ قبریں کھودیں۔ پھر جب رات ہوئی۔ تو ہم نے انکو ایک قبر میں دفن کر کے سب کو ہموار کر دیا تاکہ لوگوں کو یہ پتہ نہ چلے کہ وہ کس قبر میں ہیں؟ اور وہ انکو قبر کھود کر پھر نکال نہ لیں" ٭

اس قصہ میں غور کریں اور دیکھیں کہ مہاجرین اور انصار نے دانیال علیہ السلام کی قبر کو چھپانے کی کتنی کوشش کی تاکہ لوگ انکی وجہ سے شرک کے فتنہ میں مبتلا نہ ہوں۔ اور انہوں نے آپ کو باہر نہ رہنے دیا کہ لوگ انکو تبرک کے طور پر رکھیں اور اُنکے پاس دعا کیا کریں ٭ (دیکھو رسالہ زیارت قبور بضمن کتاب "الرد الوافر" عربی مطبوعہ کردستان مصر مصنفہ علامہ محی الدین محمد برکوی حنفی رضی اللہ عنہ متوفی سنہ ۹۸۱ھ مصنف الطریقۃ المحمدیۃ) ٭

اس قصہ سے یہ بات معلوم ہو گئی۔ کہ اوّل تو خالد بن دینار اور اس قصہ کے راوی ابو العالیہ نے پیغمبر خدا (دانیال ع) کے جسم کو "مردہ" "لاش" کہدیا۔ یہ دونو کیسے بے ادب ہیں؟ دوسرے یہ کہ دانیال علیہ السلام نے تین سو برس کے عرصہ میں کبھی نہ اُٹھکر نماز پڑھی اور نہ کبھی کھانا طلب کیا؟ کیا حیات دنیاوی اسی طرح ہوتی ہے؟ اور یہ رزق یہی ہے؟ معترض لفظ یرزق سے کھانا پینا مراد لیتا ہے۔ مگر نہیں اگر ایسا ہوتا تو دانیال تین سو برس کیونکر بغیر کھانے کے رہ سکتے؟ اسکے معنی ہیں۔ انعامات اخروی۔ جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ملک بقا میں انعام فرماتے ہیں اور جو درجات عطا کئے جاتے ہیں۔ یہ بتانا چاہئے کہ اس بات کی کیا دلیل ہے کہ زندگی کے بعد ملک بقا میں کھانے کی بھی ضرورت پڑتی ہے؟ واہ عجب عجب دلائل سے معترض صاحب اپنے صدق کا اظہار کرتے ہیں ٭

پس حیّ یرزق۔ کے یہ معنی ہیں کہ وہ انعامات الٰہی درجات کے ذریعہ ملک بقا میں زندہ ہیں ہیں۔ دنیا کو پیغمبر اور اولیا زندگی میں ہی پس پشت ڈال لیتے تھے۔ مگر اب بعد زندگی انہیں پھر دنیاوی دھندوں اور کھانے پینے اور سیر سیاحت کی ضرورت ہی رہی؟ کسی صحابی بلکہ اہلبیت تک سے نقل نہیں کہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کوئی دنیاوی کام کرتے یا کھانا کھاتے دیکھا ہو۔ بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں سابقہ انبیا کو آسمان پر دیکھا۔ اور سب کو تسبیحیں پڑھتے اور یاد الٰہی کرتے دیکھا۔ اور یہی فرشتوں کا رزق ہے اور نیک روحوں کو بھی اسی سے اطمینان[1] رہتا ہے کسی کے لئے آسمانوں پر روٹیاں نہیں پکتیں۔ حتیٰ کہ حضرت عیسٰے کیلئے بھی (جو زندہ آسمانوں پر چلے گئے)

[1] الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

کوئی کھانا دانا نہیں پکتا - بلکہ اُنکی خوراک بھی ذکر الٰہی ہے - اللہ کریم جس جگہ کسی کو رکھنے یا پیدا کرتے ہیں وہیں کے موافق طبیعت بھی کر دیتے ہیں ؛

بس اس بحث کا فیصلہ یہ ہے مولانا شہیدؒ صاحب نے جو لفظ "مرکر" لکھا ہے وہ کوئی خلاف اہلبیت (صدیقہؓ) اور اصحاب اور دیگر ائمۂ سلف کے نہیں لکھا - ائمہ، اصحاب اور حضرت صدیقہؓ نے لفظ "مَاتَ" عربی استعمال کیا - اور محدثینؒ نے بھی یونہی لکھا - اور شہیدؒ صاحب نے اسی لفظ کے معنی "مرکر" ہندی میں لکھدیئے - اور جو لفظ "مٹّی میں ملنا" لکھا اسکے معنی دفن ہو چکے ہیں - نہ کہ آپؐ کے جسم کو مٹی کھا جاویگی" اسکا مطلب ہے - فاعتبروا فقط اللّٰھم اھدنا وجمیع المسلمین!

اعتراض نمبر ۷ کا جواب

(آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قدرت)

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ " یعنی فرمادے (یا رسول اللہ) کہ میں تو اپنے نفس کیلئے بھی کسی نفع ونقصان کی قدرت نہیں رکھتا - مگر جیسا اللہ چاہے (کرتا ہے) اور اگر میں عالم الغیب ہوتا تو البتہ بہت نکوئی حاصل کرتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی - (ہاں! صرف) ایمانداروں کیلئے خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا ہوں - (اس سے زیادہ مجھے کوئی قدرت نہیں) ؛

صاحب بصیرۃ اصحاب کو معلوم ہے کہ ہر ایک شخص اپنے دوست کے حسن کا ڈنکے کی چوٹ کی طرح اظہار کرتا ہے اور اُسکے قبح کو چھپاتا ہے اور یہ طاقت اللہ کریم میں سب سے بڑھ کر ہے - معترض کے نزدیک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور جملہ اولیائے عظام کو نفع ونقصان دینے کی قدرت جاننا اور عالم الغیب ماننا اگر بے ادبی یا عیب یا وہابیت ہے - تو پہلے یہ الزام خود اللہ عزوجل پر لگنی چاہئیں (نعوذ باللہ) کہ خود اللہ ہی اپنے دوست کے عیب کو ظاہر کرتا ہے - اور حسن کو چھپا دیا ہے یعنی اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو قدرت نفع ونقصان ہے اور آپ عالم الغیب ہیں تو اللہ نے ان دونوں طاقتوں کو چھپا دیا ہے - اور اسکے خلاف فرمایا ہے - کیا دوست اسطرح کرتے ہیں ؟ اور جسقدر خدا اور اسکے رسول صلے اللہ علیہ وسلم میں دوستی ہے ایسی نظیر کوئی اور بھی ہے ؟ مگر ایسی گاڑھی دوستی میں اللہ کریم (معترض کے نزدیک) اپنے دوست کی شان گھٹاتے ہیں - فافہم!

یہ تو آنحضرت صلعم کی حیات طیبہ کی قدرت پر شاہد - اب بعد حیات کی قدرت دیکھو - بعد حیات معترض نے دو قدرتیں ثابت کی ہیں - ایک تو تصرف فی العالم - اور دوسرا دور و نزدیک سے یکساں سننا

اور ہر ایک بات پر علم ہونا اور ہر مجلس میں حاضر ہونا (نعوذ باللہ) ۔

پس آنحضرت صلعم کے تصرف فی العالم کا ذکر ہو چکا۔ اور ہر بات پر علم ہونیکے متعلق علم غیب کی بحث دیکھو۔ باقی رہا آپ کا دور و نزدیک سے یکساں سننا یا اپنے داعی یا مستغیث کی بات سننا۔ (خواہ دور ہو یا نزدیک) تو اسکے متعلق تین شاہد ہیں۔ اور وہ یہ کہتے ہیں:-

(۱) حدیث شریف۔ وصلوا علیّ حیثما کنتم فان صلوٰتکم تبلغنی۔ یعنی مجھ پر درود بھیجا کرو۔ خواہ کہیں ہو۔ بیشک تمہارا درود مجھے پہنچایا جاتا ہے۔ (دیکھو یہاں صلوٰتکم تبلغنی ہے۔ نہ کہ صلوٰتکم یسمعنی جسکے معنی ہوں کہ میں تمہارا درود سنتا ہوں۔ فافہم وتدبر) ۔

(۲) حدیث شریف۔ وقال اکثروا علیّ من الصلوٰۃ یوم الجمعۃ ولیلۃ الجمعۃ فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ فقالوا کیف اعرض صلوٰتنا علیک وقد ارمت ای بلیت قال ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔ یہاں بھی لفظ معروضۃ علیّ یعنی میرے پاس تمہارے درود بھیجے جاتے ہیں۔ فرمایا۔ نہ کہ صلوٰتکم یسمعنی حیثما کنتم۔) ۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے۔ فاخبرانہ یسمع الصلوٰۃ والسلام من القریب وانہ یبلغ ذالک من البعید (یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پاس سے درود وسلام سن لیتے ہیں (یہ خاصہ سب اہل قبور میں ہے) اور دور سے درود وسلام (بذریعہ فرشتوں کے) پہنچ جاتا ہے ۔

اگر معترض کہے کہ پکارنے والے مستغیث کا پکارنا گو وہ خود نہیں سنتے مگر بذریعہ فرشتوں کے تو انکے پاس سب کچھ پہنچ جاتا ہے اسواسطے ہم انکو مدد کیلئے پکارنا جائز جانتے ہیں" ۔

تو ہم یہاں اسکے جواب میں پھر وہی آیت دہرا دیتے ہیں۔ کہ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا الآیہ پر غور کیا جائے ۔

اس مضمون پر وہ حدیث حاوی ہے جسمیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہرا کو فرمایا "اے فاطمہؓ! بچا تو اپنی جان کو آگ سے۔ مانگ لے مجھ سے میرا مال (دنیا) جتنا چاہے مگر میں اللہ کے روبرو (قیامت کو) تیرے لئے کوئی اختیار نہیں رکھتا" ۔

معلوم ہوگیا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کسی کے نفع ونقصان کی نہ ہی حیات طیبہ میں قدرت تھی اور نہ ہی بعد حیات ہے۔ نفع ونقصان کی قدرت تو کجا؟ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حیات پاک میں کسی دینی یا دنیوی بات پر بغیر حکم کے زبان بھی نہ ہلاتے تھے اور نہ اپنی طرف سے کوئی فیصلہ دیتے تھے۔ تو معلوم نہیں کہ آجکل جو لوگ انبیا اور اولیا کو خود مختار جانتے اور ہر نیکی بدی اور نفع ونقصان کی انہیں قدرت تصور کرتے ہیں۔ یہ کیوں؟ ان سب بزرگ ہستیوں کا تو بذات خود اقرار ہے کہ "ہم کسی کے نفع ونقصان کی قدرت نہیں رکھتے" صرف اتنی بات ہی کہ ایسے

لوگ اللہ کریم کے بھیجے ہوئے اور انکے پیشوا ہیں۔ اور بوجہ اپنی زندگی کو خدا کے سپرد کرنے اور احکام الہی
کی پابندی کیلئے جان و مال تک سے دستبردار ہونے اور ہر کام میں اللہ ہی کا دخل سمجھتے رہنے کے مجید
کہتے ہیں کہ وہ بزرگ اور خدا کے پیارے ہیں پس خدا کے محبوبوں اور اسکے نیک بندوں کی تابعداری
اور انکی تعلیم کے اخذ کا ہمیں حکم ہے۔ نہ کہ انکو خدا کا ساجھی کہا جائے۔ نعوذ باللہ۔ اس سے تو اللہ کریم
اور خود وہ بزرگ ناراض ہونگے۔ اور بموجب آیہ اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ جو بندہ اللہ سے
زیادہ ڈرے اور اسکی فرمانبرداری دل و جان سے کرے تو یہی اسکی بزرگی کا نشان ہے پس انبیا
علیہم السلام سب مخلوق سے بڑھکر اللہ سے ڈرنے والے اور اسکے فرمانبردار ہیں۔ اور اپنی بندگی کا حق
پورے طور پر ادا کرتے ہیں۔ بس یہی انکی بزرگی ہے پس جو اللہ کا بندہ اپنی بندگی کے فرائض کو
پورے طور پر ادا کرتا ہے۔ وہ تو کسی امر میں اپنے آپ کو اپنے مالک کے برابر یا اسکے کاموں ارادوں اور
علموں میں دخل دینے کی مجال نہیں رکھتا۔ بلکہ اسکی بات کا جواب دینا بھی مشکل ہوتا ہے تو اللہ کریم کے آگے
ایسی عادات کے عادی انبیا سے زیادہ کون ہو سکتے ہیں؟ مگر وہ لوگ جاہل ہیں۔ جو مالک، آقا کو
چھوڑ کر اسکے غلاموں سے ایک رسم مانگیں یا آقا کی سی تعظیم اسکے غلام کو بجا لادیں۔ ہم بھی غلام خدا
ہیں۔ اور پیغمبر بھی غلام خدا ہیں۔ مگر وہ درباری ہیں۔ جو خاص دربار خدا سے حکم لیکر ہم بیرونی غلاموں کو
سناتے ہیں۔ فرق یہی ہے کہ وہ مقرب، ہمکلام، تابعدار بدرجۂ غایت ہیں۔ اور ہم اس دربار سے
دور اور اکثر گنہگار ہیں۔ (یا اللہ! ہمیں اپنے بندوں کے ساتھ ملانا۔ آمین) +

معترض نے اس بحث کے ضمن میں لکھا ہے کہ جو آیات کفار کے حق میں نازل ہوئیں وہ مولوی
محمد اسمٰعیلؒ نے مسلمانوں پر لگادیں۔ مگر میں کہتا ہوں۔ کہ اگر کوئی شخص مسلمان کہلا کر بتوں کی پوجا کرے یا
قبروں پہ تعظیم و تکریم کرکے ان سے کچھ مانگے۔ تو یہی فعل کفار اور یہود و نصاریٰ کے ہیں۔ پس یہ بھی برابر ہیں
اور حکم ان کا ایک ہے۔ کیا کفار اور یہود و نصاریٰ جیسے فعل کرکے پھر بھی مسلمان کے مسلمان ہی رہینگے؟
منجملہ ان آیات کے اس آیت پر بحوالہ تفسیر قادری معترض لکھتا ہے۔ کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ
و کفار عرب کے حق میں ہے۔ مگر مولوی صاحب نے مسلمانوں پر لگادی :۔

وَمَا یُؤۡمِنُ اَکۡثَرُہُمۡ اور نہیں ایمان لاتے اکثر ان کے بِاللّٰہِ ساتھ اللہ تعالےٰ کے اِلَّا وَہُمۡ
مُّشۡرِکُوۡنَ مگر وہ شریک کرنیوالے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس سے عرب کے کافر مراد ہیں۔ کہ انہوں نے کہا
کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اسکے بعد کہنے لگے۔ کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ یا یہود مراد ہیں۔ کہ خدا پر
ایمان لائے اور کہنے لگے عزیرؑ اللہ کا بیٹا ہے۔ یا نصاریٰ مراد ہیں کہ خدا پر ایمان لائے اور یہ بات
کہی کہ عیسیٰ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ فقط

اس آیت کو مولانا شہید صاحب یوں لکھا ہے۔ وَمَا یُؤۡمِنُ اَکۡثَرُہُمۡ بِاللّٰہِ اِلَّا وَہُمۡ مُّشۡرِکُوۡنَ

ترجمہ" اور نہیں مسلمان ہیں اکثر لوگ مگر کہ شرک کرتے ہیں۔ یعنی اکثر لوگ جو دعوے ایمان کا رکھتے ہیں وہ شرک میں گرفتار ہیں۔ فقط +

شاہ عبد القادر علیہ الرحمۃ نے اس آیت کا ترجمہ یہ لکھا ہے "اور یقین نہیں لاتے بہت لوگ اللہ پر ساتھ شریک بھی کرتے ہیں" +

شاہ صاحب نے جو لکھا ہے "ساتھ شریک بھی کرتے ہیں" اس فقرہ میں لفظ "بھی" سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اُن لوگوں کے حق میں ہے جو دعوے ایمان باللہ کا کریں۔ اگر اُسکے سوا اوروں سے بھی مرادیں طلب کریں اور اُسکا سا ادب اوروں کو کریں۔ خواہ یہود ہو یا نصاریٰ ہو یا مسلمان (نام کا۔) +

تفسیر قادری میں جو اس آیت سے کفار عرب اور یہود و نصاریٰ سے مراد لیگئی ہے اُسکا مطلب بھی یہی ہے کہ ان تینوں نے باوجود اقرار ایمان کے اللہ کے بیٹے بیٹیاں قرار دیکر شرک کیا سو اب بھی جو شخص شرک کرے وہ ان سے کم نہیں خواہ لا الہ الا اللہ پڑھتا ہی ہو۔ (نیز یہ بھی قابل ذکر بات ہے کہ تفسیر قادری کی عبارت لکھنے سے معترض کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے بیٹے بیٹیاں اور کفو بنانے کا ہی نام شرک ہے اسکے سوا شرک نہیں" مگر ایسا نہیں۔ اللہ کا سا ادب اللہ کی سی عبادت، اللہ کی طرح پکارنا، اللہ کی سی تعریف، اللہ کی سی طاقت، اللہ کا سا تصرف وغیرہ کسی اور کو ثابت کرنا یہ سب شرک ہے اور اللہ کے گھر کا سا ادب کسی اور کے گھر کو کرنا بھی شرک ہے پس مذکورہ آیت کا ترجمہ بالکل صحیح ہے +

معترض صاحب! یُوں تو سارا قرآن ہی پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے حاضر واقعات کیلئے اور اکثر اُسی وقت کے کفار کے ابطال کیلئے اور اُسی وقت کے مسلمانوں پر امر و نواہی کا اظہار ہوا۔ تو اس طرح سے تو سارے قرآن پاک ہی سے (نعوذ باللہ) دستبردار ہونا چاہیئے یہ دلائل اکثر فتنہ سے خالی نہیں۔ مگر ہمارا ایمان ہے کہ قرآن پاک کا حرف حرف پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لیکر قیامت تک علی کل حال حاوی ہے۔ اور اسکا ایک ایک امر و نواہی قیامت تک جاری رہیگا +

اور دوسری آیت جسپر معترض نے لکھا ہے۔ کہ مولوی محمد اسمٰعیل نے تاویل قرآنی کرکے اس آیت کا ترجمہ اُلٹا کر دیا ہے۔ وہ یہ ہے :۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ "(ترجمہ از شہید صاحب) یعنی فرمایا اللہ صاحب نے سورۂ احقاف میں اور کون زیادہ گمراہ ہوگا اس شخص سے کہ پکارتا ہے وَرے اللہ سے ان لوگوں کو کہ نہ قبول کریں گے اسبات کو قیامت تک۔ اور وہ اسکے پکارنے سے غافل ہیں (تقویۃ الایمان) +

اس پر معترض لکھتا ہے۔ کہ یدعوا اور دعا کے معنی پکارنا کرکے تاویل قرآنی کی۔ اور خود معترض لکھتا ہے کہ ان الفاظ کے معنی عبادت کے ہیں اور تفسیر قادری کا یوں حوالہ دیتا ہے:۔
"وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا اور کون ہے زیادہ گمراہ اُس شخص سے جو پکارے اور پوجے الآیہ"
اس فقرہ میں ہر دو معنی آگئے یعنی پکارنا بھی اور عبادت بھی۔ اور جو لفظ دعا ہے اسکو یوں لکھا ہے
"وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُوْنَ" اور وہ بت بت پرستوں کے پکارنے سے غافل اور بیخبر ہیں۔
اور معترض نے اس آیت پر بھی وہی لکھا کہ یہ بتوں کے اور بت پرستوں کے حق میں ہے مگر میں نے پیچھے احادیث سے ثابت کیا ہے کہ دور کے لوگوں کا درود و سلام فرشتہ آنحضرت صلعم کے پاس پہنچاتا ہے۔ خود بخود وہ بھی نہیں سن لیتے۔ اور امت کی خبریں آپ کے پاس ہی فرشتوں کا پہنچانا ثابت ہے ہے اور کسی پیر، اولیا وغیرہ کے پاس فرشتوں کا آنا جانا ثابت نہیں اور خود بخود وہ نہیں سن سکتے۔ تو پھر یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ پکارنا کیا فائدہ؟ یا

شیئاً للہ چوں گدائے مستمند ۔۔۔ المدد خواہم ز شاہ نقشبند

وغیرہ وغیرہ پکارنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اور فریادرسی سوا اللہ کے بموجب آیت قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا الآیہ کوئی نہیں کرسکتا زندگی میں (یہ آیت آپ کی زندگی کے متعلق ہے) تو پھر بعد زندگی کیسے؟ اور دوسری آیت اسی موضوع پر تمام محیط ہے۔ اور کل اولیا، پیغمبر وغیرہم سے مدد مانگنے کی نہی کرتی ہے وہو ہذا:۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ بیشک تم لوگ جن کو پکارتے ہو سوائے اللہ کے وہ تو تمہاری طرح بندے ہی ہیں۔ پس پکارو اُن کو تاکہ وہ تم کو جواب دیں۔ اگر تم سچے ہو؟
امید ہے کہ اس آیت کو تو معترض صاحب صرف بتوں کے حق میں نہ کہدینگے۔
معترض صاحب نے اوپر کی آیت میں تدعوا اور دعا کے معنی "عبادت" کے ثابت کئے ہیں۔ اب انکو چاہئے کہ ذیل کی آیت میں بھی یہی معنی استعمال کریں۔ یعنی اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ الآیہ۔ اور ضرور نکتہ چینی کیا کریں۔ والسلام۔

ل قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی قدس سرہ ارشاد الطالبین میں فرماتے ہیں "چنانچہ جہال میگویند یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ و یا خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی" جائز نیست۔ انتہی۔ اور لفظ شیئاً للہ کی بابت درمختار کے باب المرتد میں لکھا ہے کہ بعض فقہا نے اسکو کلمۂ کفر کہا ہے۔ کیونکہ اسمیں خدا تعالیٰ کی ہتک ہے۔ علاوہ اسکے یہ حکم بھی صرف اس صورت میں ہے کہ زندے سے ایسا کہا جائے۔ لیکن جب مخاطب فوت ہو جو سنتا بھی نہیں۔ اس سے شیئاً للہ کہا جائے تو یہ تو دوہرا کفر ہوگیا۔ ایک تو وہ وجہ جو درمختار میں ہے اور دوسری وجہ خدائی فرمان ان الذین تدعون من دون اللّٰہ عباد امثالکم الآیہ۔ معترض کو چاہئے کہ اب قاضی پانی پتی اور صاحب درمختار پر بھی وہابیت والا فتویٰ لگادیں۔

اعتراض نمبر ۵ کا جواب

(آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب جاننا صریحاً شرک ہے)

ایسے بدیہی امر کے خلاف کوشش کرنا جسکے ثبوت کیلئے قرآن احادیث بلکہ فقہا کی متفقہ تصریحات بھی موجود ہوں ایک تعجب کی بات ہے ۔ مگر یہ جہالت ہے معترض علم غیب اور وحی، الہام اور کشف میں فرق معلوم نہیں کرسکا۔ اسلئے بیچارے زور سے مغز کھپایا ۔

جو کچھ مولانا شہیدؒ نے لکھا ہے بالکل صحیح اور اہلسنت کا عقیدہ ہے۔ اسکے خلاف جہالت ہے مجھے ضرورت معلوم نہیں ہوتی کہ اس موضوع پر شہیدؒ صاحب کی عبارات نقل کردوں؟ صاف آیات و احادیث اور اقوال ائمہ سے فیصلہ ہوجائیگا ۔

اول تو آیہ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ الآیہ (یعنی اگر میں اعلم الغیب ہوتا تو بہت نیکی لے لیتا۔ اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی الخ) تمام اس مسئلہ پر حاوی ہے۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا عالم الغیب ہونا ثابت کررہی ہے اور اس سے بڑھکر اور کیا ہوسکتا ہے۔ کہ اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور آنحضرت صلعم نے بھی اعلان کردیا کہ "میں عالم الغیب ہرگز ہرگز نہیں ہوں" ۔

دوسری وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ الآیہ (یعنی غیب کی کنجیاں اللہ کے پاس ہی ہیں) ۔

تیسری قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ (یعنی اے محمدؐ کہدو کہ میں تو زمین و آسمان کے غیب سے کچھ نہیں جانتا، مگر اللہ ہی جانتا ہے) ۔

ان آیات کو معترض نے مکی کہکر یہ ثابت کیا ہے کہ مکہ سے ہجرت کرنیکے بعد آپؐ عالم الغیب ہوگئے۔ مگر ان آیات کے منسوخ پر کوئی اور آیت پیش نہ کی ۔

چوتھی یہ آیت بھی علم غیب صرف ذات باری کو ثابت کرتی ہے یعنی إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا، وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ، إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (یعنی بیشک قیامت کا علم اللہ کو ہے۔ اور وہی بارش اتارتا ہے۔ اور جو کچھ رحموں میں ہوتا ہے (سوائے اسکے) کسی نفس کو (خواہ پیغمبر ہو یا ولی یا غوث) یہ معلوم نہیں کہ کل کیا کریگا۔ اور یہ بھی کسی نفس کو معلوم نہیں کہ کونسی زمین میں وہ مریگا۔ بیشک اللہ ہی جاننے والا خبردار ہے) ۔

مذکورہ آیات پر معترض نے بغیر دلیل پیش کرنیکے یہ لکھدیا۔ کہ "ہمارا اہلسنت و جماعت کا عقیدہ اور ایمان ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل تھا۔ مگر وہابیوں کا عقیدہ نہیں

واہ سبحان اللہ! صریح آیات سے انکار کرنیوالا تو سنی حنفی ہی رہا مگر قرآنی آیات کو ماننے والے لوگ وہابی بنگئے۔ اللھم احفظنا من شر الجہال!

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عالم الغیب ہونے پر معترض ذیل کی آیات پیش کرتا ہے:۔

(۱)۔ عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ الآیہ (جن)

(۲)۔ تِلْكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ (ہود)۔

(۳)۔ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (الرحمٰن)۔ (۴) فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ۔ (نجم)۔

(۵)۔ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ۔ (تکویر)۔

(۶)۔ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِن رُّسُلِهِ مَن يَشَاءُ (آل عمران)

(۷)۔ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ (النساء)۔

(۸)۔ ذَٰلِكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ" فقط

آیت نمبر ۱ کا مطلب۔ اس آیت سے پیچھے کی تین آیات کو دیکھنا چاہیئے جن سے معلوم ہوگا کہ اس آیت کا مطلب کیا ہے! اور وہ یہ ہیں:۔ (ترجمہ) مگر پہنچانا ہے اللہ کیطرف سے اسکے پیغام اور جس نے اللہ اور اسکے رسول سے منہ پھیرا اُسکے واسطے نار جہنم ہے ہمیں ہمیشہ رہیگا۔ یہاں تک کہ جو وعدہ دئے جاتے تھے دیکھ لینگے تب جان لینگے کسکی مدد کمزور ہے اور گنتی میں کم۔ (یہ آیات سنکر کافر کہنے لگے کہ اگر تو پیغمبر ہے تو لے آ ؤ عذاب ہمیں خوف نہیں) تو پھر اللہ نے فرمایا قُلْ إِنْ أَدْرِي أَقَرِيبٌ مَّا تُوعَدُونَ أَمْ يَجْعَلُ لَهُ رَبِّي أَمَدًا۔ یعنی کہدے اے محمدؐ! کہ جو کچھ تم وعدہ دئے جاتے ہو۔ اسے میں نہیں جانتا کہ قریب ہے یا اللہ کچھ میعاد کردے۔ (یہ بھی علم غیب کی نفی ہے۔ فتدبر) پھر اسکے آگے بحوالہ معترض آیت ہے اسکا ترجمہ ہے "وہی ذات پاک عالم الغیب ہے۔ پس اسکے (علم) غیب پر کوئی مطلع نہیں ہوتا مگر جو کسی رسول کو پسند کیا (اُسے بتا دیا)" یعنی باتیں پیغمبر ونکو بتا کر پھر اسکے آگے فرمایا۔ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا لِّيَعْلَمَ أَن قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ الآیہ (یعنی پھر وہ ان رسولوں کے آگے پیچھے چوکیدار چلاتا ہے تا کہ جانے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغام پہنچائے ہیں (یا نہیں)۔ یعنی رسولوں کو جو کچھ بتایا جاتا ہے وہ لوگوں کو پہنچانے کیواسطے بتایا جاتا تھا پس یہ تو خدا کے غیبی پیغام ہیں۔ اور پیغامبروں کو دئے تا کہ لوگوں کو پہنچا ئیں۔ یہ کیسے علم غیب کی دلیل ہے اگر یہ علم غیب والے ہے تو قُلْ إِنْ أَدْرِي أَقَرِيبٌ مَّا تُوعَدُونَ أَمْ يَجْعَلُ لَهُ رَبِّي أَمَدًا کیوں نفی کر رہی ہے۔ پس یہ آیت بحوالہ معترض آنحضرت صلعم کے عالم الغیب ہونے پر شاہد نہیں۔

آیت نمبر ۲ کا مطلب۔ ترجمہ "یہ غیبی باتیں آپکی طرف وحی کی جاتی ہیں" تا کہ لوگوں کو ان سے آگاہ کردے۔ پس یہ بات معلوم کرنی چاہیئے کہ وحی کرنے والا عالم ہوسکتا ہے یا پیغامبر اگر پیغامبر

بھی عالم ہوسکتا ہے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے فرشتہ وحی غیبی باتوں پر مطلع ہوتا تھا اور پھر وہ آنحضرت صلعم کے پاس جاکر خبر دیتا تھا - اور نیچے کے درجہ پر آنحضرت غیبی باتوں پر مطلع ہوتے تھے - تو اب بھی یہ غیب ہی رہا ۔ اگر آپ عالم الغیب ہوتے تو وحی کے آنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ جن امور کیلئے وحی آئی وہ آپکو خود بخود معلوم رہنے چاہیئے تھے ۔ فاعتبر و تدبر

آیت نمبر ۳ کا مطلب - ترجمہ "سکھایا اسکو بولنا یا بات کرنا یا علم بیان" یہاں علم غیب مراد نہیں مگر میں چند سنٹ کیلئے مانتا ہوں پہلے بتانا چاہیئے کہ عَلَّمَہُ الْبَیَان کا ضمیر کسکی طرف ہے؟ میں بتاتا ہوں کہ اس جملے سے پہلے خَلَقَ الْاِنْسَان ہے اور آگے عَلَّمَہُ الْبَیَان ہے تو اسکا ضمیر انسان کیطرف ہے - ترجمہ یہ ہوا - کہ آدمی کو پیدا کیا - اور اُسے بولنا سکھایا" اگر اسکے معنی ہوں کہ "علم غیب سکھایا" تو واہ خوب سبھی انسان کیا کافر کیا مومن عالم الغیب بنگئے (نعوذ باللہ) ۔

آیت نمبر ۴ کا مطلب - ترجمہ "وحی کیا ہم نے اپنے بندے کیطرف جو وحی کیا" اسکا مطلب بھی آیت نمبر ۲ کے مطلب سے حل کر لو ۔

آیت نمبر ۵ کا مطلب - ترجمہ "نہیں آنحضرت صلعم غیبی باتوں کے بتانے میں بخیل" یعنی وہ غیبی باتیں جو آپ کو بذریعہ وحی بتائی گئیں - اُنہیں آپ بخل نہیں کرتے بعینہ بتا دیتے ہیں - کیونکہ انہیں حکم دیا گیا تھا یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ الایہ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کب نزول شدہ احکام الٰہی میں بخل یا کمی بیشی کر سکتے تھے ؟ یاد رہے کہ اس آیت میں جو لفظ عَلَی الْغَیْب آیا ہے اس غیب سے مراد وحی شدہ احکام ہیں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما لکھتے ہیں ۔ وَمَا ھُوَ یعنی محمد صلے اللہ علیہ وسلم عَلَی الْغَیْبِ علی الوحی بظنین بمتہم بخیل ان قرأت بالضاد (دیکھو التفسیر لعبد اللہ بن عباسؓ برحاشیہ قرآن مجید مع الترجمتین مطبوعہ مجتبائی) پس وحی کا مطلب وہی ہے جو آیت نمبر ۲ پر لکھا گیا ۔

آیت نمبر ۶ کا مطلب - یعنی "رسولوں کے سوا اور کسی پر ضروری نہیں کہ اللہ غیبی باتوں کی اطلاع دے - لیکن پیغمبروں میں سے پسند کرتا ہے جسے چاہے" یہاں بھی غیب سے مراد وحی ہے کے ذریعہ ہے اور وحی کا مطلب ہو چکا - یہاں بھی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے شہادت لی جاتی ہے - یعنی وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُمْ یا اھل مکۃ عَلَی الْغَیْبِ علی ذالک حتی تعلموا من یؤمن ومن لا یؤمن وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجْتَبِیْ یصطفی مِنْ رُّسُلِہٖ مَنْ یَّشَآءُ یعنی محمدا فیطلعہ علی بعض ذالک بالوحی ۔

آیت نمبر ۷ کا مطلب - ترجمہ "اور سکھایا تجھے جو تو نہ جانتا تھا" یہ آیت اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے دال ہے - تو دوسری جگہ فرمایا - عَلَّمَکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ پ ۲ ع ۱۵ -

یعنی سکھایا تم کو (اے مسلمانو!) جو تم نہ جانتے تھے ۔ اور ایک جگہ فرمایا۔ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ۔ سکھایا انسان کو جو نہ جانتا تھا۔ ان تینوں آیات میں لفظ "ما" عام ہے اگر پہلی آیت آنحضرت صلعم کے علم غیب پر ہے تو دوسری تمام مومنوں کے عالم الغیب ہونے پر۔ اور تیسری تو سب انسانوں کے عالم الغیب ہونے پر جسمیں مومن کافر کی بھی تمیز نہیں اللھم احفظنا من شرّ الامور ۔

آیت نمبر ۸ کا مطلب ترجمہ "یہ غیب کی باتیں ہیں جو آپ کو وحی کیگئیں" یہ بھی وحی ہے اور وحی کا مطلب آیہ نمبر ۲ پر لکھا گیا ہے ۔ (لفظ "وحی" کے لغوی معنی بھی "خدا کا پیغام" ہیں) ۔

ان آیات شریفہ سے ثابت ہو گیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو غیب کی باتیں بذریعۂ (فرشتہ) وحی یا الہام یا کشف معلوم ہوتی تھیں وہ بھی بعض بمقدار ضرورت ۔ اس سے معترضین کو یاد رکھنا چاہیئے ۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عالم الغیب ماننے سے پہلے فرشتوں کے عالم الغیب ہونے پر ایمان لاویں (یا گنوا دیں) کیونکہ جو بات غیب کی بتانی منظور ہوتی تھی وہ اللہ کریم پہلے حضرت وحی کو بتلاتے تاکہ آنحضرت کو بتا دے۔ اور آنحضرت صلعم فرشتے سے پیچھے آگاہ ہوتے تھے ۔

واہ خوب! سچ مچ معترض نے بحوالہ آیہ قَالُوْا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ الآیہ (بقرہ) فرشتوں کو بھی عالم الغیب گردانا ہے ۔

معترض نے صرف اسی آیت کو پڑھا۔ آگے نہیں دیکھا۔ یعنی وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اور سکھائے آدم کو نام سارے پھر سامنے کیا انکو اوپر فرشتوں کے (بحوالہ معترض آیت سے ظاہر ہے کہ فرشتوں نے غیبی بات کہدی تو اللہ نے فرمایا کہ "جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے (ایک تو فرشتوں کے کلام کو اسطرح کاٹا۔ پھر فرمایا ۔ اور انکی صداقت کی دلیل مانگی کہ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ "اور اگر تم اپنی بات میں (یعنی جنس آدم کے افعال کے متعلق غیب پر زبان کھولتے ہو) سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ تو فرشتوں نے عرض کی قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا الآیہ اے اللہ! تو پاک ہے ہم کو تو کسی بات کا کوئی علم نہیں مگر جتنا تو بتا دے ۔

دیکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالے نے دو طرح سے انکے غیبی قول کی تردید کی۔ اور خود فرشتوں نے بھی اپنی لاعلمی کا اقرار کر لیا۔ تو پھر جو شخص انہیں عالم الغیب مانے وہ کون ہوگا جو صریح نص کے خلاف ہے۔ اللھم احفظنا من عقائد البدع ۔

فرشتوں کی لاعلمی پر یہ حدیث شریف بھی دال ہے ترجمہ یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب فرشتے بادل میں آتے ہیں۔ تو شیاطین چھپکر ان سے خبریں اخذ کرتے ہیں جو وہ آسمان میں باتیں کرتے ہیں۔ (کہ فلاں کام ایسا ہے یا ایسا ہوگا) تو وہ شیاطین زمین پر آکر کاہنوں کو بتا دیتے ہیں

اور ساتھ کچھ جھوٹ بھی ملا لیتے ہیں ۔

تو اگر فرشتوں کو علم غیب حاصل ہے تو شیاطین کے چھپ چھپ کر باتیں سننے کا انہیں پتہ کیوں نہیں لگتا ؟ اگر کبھی اتفاقیہ دیکھ لیتے تو ہی راندتے ہیں ورنہ اکثر تو وہ باتیں سن ہی لیا کرتے ہیں ۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ شیطان غیبی باتیں کاہنوں کو بتاتے تھے تو معترض کے نزدیک یہ بھی (نعوذ باللہ) عالم الغیب ہو گئے ؟ اگر معترض جلدی سے یہ کہدے کہ "یہ تو فرشتوں سے سن کر زمین پر آ کر کاہنوں کو بتاتے تھے کہ کل یہ ہوگا اور وہ ہوگا ۔ خود تو علم غیب کی خبر نہیں رکھتے ۔ سنی سنائی بات بتانے کا نام تو علم غیب نہیں" پس میں کہتا ہوں ؎

بیا بیا و قدم بر دو چشم نہ

پس یہی بات ہے ۔ کہ اگر شیطان کا فرشتوں سے سنکر کل کی خبریں بتانا علم غیب نہیں ۔ تو یوں ہی سمجھو ۔ کہ فرشتوں کا اللہ سے سنکر آئندہ کی باتیں کرنا اور جبرئیل کا اللہ سے سنکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بتانا علم غیب نہیں ۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا وحی سے سنکر لوگوں کو سنانا یہ بھی علم غیب نہیں ۔

علم غیب سے وہ علم مقصود ہے جو بغیر کسی وساطت کے ہر امر شدنی و نا شدنی اور زمانہ ماضی حال اور مستقبل اور دور و نزدیک ، اور حاضر و غائب وغیرہ کے حالات سے ہر وقت اطلاع رہے ۔ نہ کہ کبھی اطلاع ہو اور کبھی تردد ۔ کبھی کبھی انبیا علیہم السلام نے جو غیبی باتیں بتائی ہیں ۔ اور وحی کے ذریعہ سے ۔ اور وحی تین قسم سے آتی تھی ۔ ایک بصورت دحیہ کلبی ۔ دوسری از قسم الہام تیسری از قسم کشف ۔ اور جو اولیاؤں سے غیبی باتیں ظاہر ہوئیں انہیں کشف یا الہام کہا جاتا ہے ۔ پس جو علم غیب ہے وہ اللہ عزوجل کو ہی ہے ۔ حضرت یعقوب علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک شخص نے پوچھا ۔ جبکہ آپ نے اپنے بیٹے یوسفؑ کی مفارقت میں ایک عمر گذاری ۔ پھر جب پیراہن کی بو مصر سے معلوم کر کے برسر مجلس پتہ دیدیا ۔ کہ مجھے یوسفؑ کی خوشبو آئی ہے ۔ تو اس سائل نے کہا ؎

ز مصرش بوئے پیراہن شنیدی ۔ چرا در چاہ کنعانش ندیدی ؟

تو حضرت یعقوبؑ نے جواب دیا ؎

گہے بر طارم اعلےٰ نشینم ۔ گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

تو اگر معترض کی مراد علم غیب سے یہی ہے جو یعقوب علیہ السلام نے بتایا تو اسے ہم بسر و چشم مانتے ہیں اور ایسا ہی ہم قدیم سے مانتے ہیں ۔

یہ امر بھی واضح رہے ۔ کہ یعقوب علیہ السلام کے قول کو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے بصیغہ جمع لکھا ہے جس سے حضرت یعقوبؑ ہی نہیں بلکہ تمام انبیا علیہم السلام کا یہی حال ثابت ہوتا ہے ۔

اس مسئلہ پر احادیث بیشمار ہیں منجملہ اُنکے ایک حدیث الافک سے ہی اس مسئلہ سے کما حقہٗ واقفیت ہو جاتی ہے۔ گو معترض نے اس حدیث پر ایک عجیب طرز کی بحث لکھی ہے یعنی معترض کو ایک مولوی صاحب نے لکھا ہے کہ "رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہ تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو افک کے بارہ میں آنحضرت صلعم بقدر متشوش نہ ہوتے۔ جب اللہ کریم نے حضرت صدیقہؓ کی بریت نازل فرمائی۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے"۔ تو اسپر معترض نے یوں سمجھا۔ کہ اُس مولوی صاحب نے گویا خود حضرت صدیقہؓ پر بہتان لگایا ہے یا (نعوذ باللہ) بہتان کو سچ مانا۔ اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مناقب میں ایک طول طویل بحث لکھدی۔ گویا آپ بہتان دُور کر رہے ہیں ؎

سوالے دیگر جوابے دیگر

اور پھر مناقب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعد بغیر دلیل پیش کرنیکے یونہی لکھدیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بہتان کی کما حقہٗ واقفیت تھی۔ مگر اسواسطے خاموش رہے کہ خود اللہ کریم ہی بریت بھیجینگے تو بہتان کا اظہار ہو جاویگا۔ مگر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ معترض نے ساڑھے تیرہ سو سال کے بعد یہ جواب کہاں سے چھانٹا؟

اب ذرا غور کیلئے اسی حدیث الافک سے بتایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس بہتان کے بارہ میں سخت تشویش ہوئی اور سخت غمگین رہے۔ حتی کہ نازل ہوا اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْكِ الایۃ۔ اچھا! اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کافروں کے بہتان باندھنے سے زیادہ تشویش ہوئی اور حقیقۃً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حقیقتِ افک سے واقفیت تھی تو آپ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کیوں متنفر ہوئے؟

یہاں صرف حدیث کے وہ فقرات لکھے جاتے ہیں۔ جن سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی نفی ثابت ہوتی ہے۔ حدیث کی طوالت کو چھوڑا جاتا ہے۔ وہو ہذا:۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا جب اُس سفر سے واپس آکر بیمار ہو گئے جس سفر میں آپ پر بہتان لگا۔ اُس بیماری کے متعلق فرماتی ہیں۔ وَيُرِيْبُنِيْ فِيْ وَجَعِيْ اَنِّيْ لَا اَرٰى مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللُّطْفَ الَّذِيْ كُنْتُ اَرٰى مِنْهُ حِيْنَ اَمْرَضُ یعنی مجھے اپنی بیماری میں بار ہا خیال آتا تھا (کیا باعث ہے کہ) میں (اپنے اوپر) نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی اب وہ مہربانیاں نہیں دیکھتی۔ جو میں (اس سے پہلے) اپنی بیماری کے وقت آپ سے دیکھا کرتی تھی۔ اس فقرہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اس تہمت میں شک پڑنے کے باعث حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا پر پہلے جیسے الطاف نہ رہے اور نہ پہلی سی عیادت۔ اِنَّمَا يَدْخُلُ فَيُسَلِّمُ فَيَقُوْلُ كَيْفَ تِيْكُمْ۔ صرف تشریف لاتے ہیں اور بعد سلام کے یہی فرماکر چلے جاتے ہیں کہ

تم کیسی ہو؟ پھر جب حضرت صدیقہؓ اپنے والدین کے ہاں چلی گئیں۔ اور جاکر اپنی والدہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شکر رنجی کا اظہار کیا تو انکی والدہ نے فرمایا: فَقَالَتْ یَا بُنَیَّۃُ هَوِّنِی عَلٰی نَفْسِكِ الشَّأْنَ فَوَاللّٰهِ لَقَلَّمَا كَانَتْ امْرَأَةٌ قَطُّ وَضِيئَةٌ عِنْدَ رَجُلٍ يُحِبُّهَا وَلَهَا ضَرَائِرُ۔ پس کہا (حضرت صدیقہؓ کی والدہ نے) بیٹی! تم اپنی جان پر سختی نہ کرو۔ خدا کی قسم کم ہی کوئی حسین عورت کسی شخص کے پاس ایسی ہوتی ہے۔ کہ مرد اسکو دوست رکھتا ہو اور اس عورت کی سوکنیں نہ ہوں۔

دیکھو! آجکل کے لوگوں کو پتہ لگ گیا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں صحابیوں بلکہ اہلبیت تک کو تو معلوم نہ ہوا کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم غیب بھی جانتے ہیں۔ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہوتے۔ تو یہ صحابیہ (یعنی حضرت صدیقہؓ کی والدہ) کا یہ کلام نہ ہوتا۔ بلکہ وہ صاف فرماتیں۔ کہ بیٹی! تم فکر نہ کرو۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو تو علم غیب حاصل ہے۔ اگر تم اس تہمت سے بری ہو تو رسولخدا صلعم کی رنجش کا باعث کوئی اور ہوگا۔ اور اگر تم (نعوذ باللہ) ملوث ہو گئی ہو تو پھر مجھے کیا بتاتی ہو؟ آنحضرت صلعم کو علم غیب کے ذریعہ معلوم ہے۔ اسی واسطے وہ تم سے متنفر ہو گئے ہیں۔ پھر حضرت صدیقہؓ بیان کرتی ہیں۔ کہ دَعَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيَّ ابْنَ أَبِي طَالِبٍ وَأُسَامَةَ ابْنَ زَيْدٍ حِينَ اسْتَلْبَثَ الْوَحْيُ يَسْتَشِيرُهُمَا فِي فِرَاقِ أَهْلِهِ فَأَمَّا أُسَامَةُ فَأَشَارَ عَلَيْهِ بِالَّذِي يَعْلَمُ فِي نَفْسِهِ مِنَ الْوُدِّ فَقَالَ أُسَامَةُ أَهْلَكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَلَا نَعْلَمُ إِلَّا خَيْرًا وَأَمَّا عَلِيٌّ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَمْ يُضَيِّقِ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَالنِّسَاءُ سِوَاهَا كَثِيرٌ وَسَلِ الْجَارِيَةَ تَصْدُقْكَ۔ رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم علی بن ابیطالب اور اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہما) کو بلایا۔ جبکہ وحی آنے کو دیر ہو گئی۔ اور آپ ان سے اپنی بی بی (حضرت عائشہؓ) کے فراق کی بابت مشورہ کرتے تھے۔ جسمیں اسامہؓ نے تو اسکے موافق مشورہ دیا۔ جو آپؐ کے دل کی کیفیت کے مطابق تھا (یعنی اپنی بیبیوں کے ساتھ محبت فرماتے تھے) اور کہا۔ یارسول اللہ! وہ آپکی بیوی ہیں اور خدا کی قسم ہم ان میں سوائے اچھائی کے اور کچھ نہیں جانتے۔ لیکن علیؓ بن ابیطالب نے کہا۔ یارسول اللہ! اللہ آپ پر ہرگز تنگی نہیں کرتا۔ اور عورتیں انکے سوا بھی بہت ہیں۔ اور آپ لونڈی (بریرہ) سے پوچھئے۔ وہ آپسے سچ سچ بیان کردیگی۔

غور کرنا چاہیئے۔ کہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہوتے تو کسی سے مشورہ نہ کرتے۔ اور یہ دونوں صحابی یعنی اسامہؓ اور علیؓ ایسا مشورہ نہ دیتے جو انہوں نے دیا۔ اور نہ ہی حضرت علیؓ یہ فرماتے کہ لونڈی سے پوچھئے (کیا لونڈی بریرہ عالم الغیب تھی اور رسول اللہ نہ تھے؟) بلکہ اگر آپ عالم الغیب ہوتے

تو یہ دونو صحابی بجبر مشورہ دینے کے یہ کہدیتے۔ کہ "یا رسول اللہ! آپ تو عالم الغیب ہیں ہم سے کیوں مشورہ کرتے ہو"؟ اور پھر جب آپنے لونڈی سے پوچھا۔ تو اس نے بھی آپ کو اسامہؓ کی طرح مشورہ دیا اور حضرت صدیقہ کی معصومیت بیان کی۔ اور عالم الغیب آپکو نہ کہا۔

پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حضرت صدیقہؓ کے پاس جاکر یوں فرمانے لگے "قَالَ یَا عَائِشَۃُ لَقَدْ بَلَغَنِیْ عَنْكِ كَذَا وَكَذَا فَاِنْ كُنْتِ بَرِیْئَۃً فَسَیُبَرِّئُكِ اللّٰہُ وَاِنْ كُنْتِ اَلْمَمْتِ بِذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرِی اللّٰہَ وَتُوْبِیْ اِلَیْہِ فَاِنَّ الْعَبْدَ اِذَا اعْتَرَفَ بِذَنْبِہٖ ثُمَّ تَابَ تَابَ اللّٰہُ عَلَیْہِ۔ یعنی فرمایا۔ رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اے عائشہؓ! مجھے تمہاری نسبت ایسی ایسی خبر پہنچی ہے۔ پس اگر تم اس سے بری ہو تو عنقریب اللہ تمہیں بری کر دیگا۔ اور اگر تم کسی گناہ میں آلودہ ہوگئی ہو تو اللہ سے استغفار کرو۔ اور اسکی طرف رجوع کرو۔ کیونکہ جب بندہ اپنے گناہ کا اقرار کر لیتا ہے اور بعد اسکے توبہ کرتا ہے تو اللہ اسکی توبہ قبول کر لیتا ہے"۔

اس عبارت سے روز روشن کیطرح ظاہر ہے کہ آپؐ کو اس امر کے بارہ میں کوئی واقفیت نہ تھی بلکہ شک الاخیال غالب تھا۔ معترض کا یہ کہنا کہ "آپؐ کو کما حقہٗ واقفیت تھی" یہ بالکل غلط ہے بلکہ جہالت ہے۔ آپؐ کے فرمان کا جواب حضرت صدیقہؓ نے یہ دیا:۔ فَقُلْتُ وَاللّٰہِ لَقَدْ عَلِمْتُ اَنَّكُمْ سَمِعْتُمْ مَا یَتَحَدَّثُ بِہِ النَّاسُ وَوَقَرَ فِیْ اَنْفُسِكُمْ وَصَدَّقْتُمْ بِہٖ۔ صدیقہؓ نے کہا واللہ! مجھے معلوم ہے کہ آپنے لوگوں سے اس بات کو سنا ہے جسکا لوگ چرچا کر رہے ہیں اور وہ آپکے دلوں میں جم گئی ہے اور آپنے اسے سچ سمجھ لیا ہے۔

حضرت صدیقہؓ کے الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ضرور ہی شک پڑا ہوا تھا۔ تو کیا ہم اب بقول معترض آنحضرت صلعم کو عالم الغیب مانیں؟ یا اس حدیث کی صداقت پر ایمان رکھیں؟ پھر حضرت عائشہؓ نے کہا۔ وَلَئِنْ قُلْتُ اِنِّیْ بَرِیْئَۃٌ اَللّٰہُ یَعْلَمُ اِنِّیْ لَبَرِیْئَۃٌ اگر میں آپکو کہوں کہ میں بری ہوں۔ اللہ جانتا ہے کہ میں بری ہوں۔

حضرت صدیقہؓ نے یہاں یہ نہیں فرمایا۔ کہ اللہ اور رسول جانتا ہے کہ میں بری ہوں صرف اللہ ہی کو عالم الغیب مانا۔ پھر کہا۔ لَا تُصَدِّقُوْنِیْ بِذٰلِكَ اگر میں خود اپنے کو بری بتاؤں تو آپ اسکو سچ نہ مانیں گے۔ وَلَئِنِ اعْتَرَفْتُ لَكُمْ بِاَمْرٍ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اَنِّیْ لَبَرِیْئَۃٌ لَتُصَدِّقُنِّیْ اور اگر میں آپکے واسطے اس بات کو مان لوں (حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ میں بری ہوں۔ تو اسے آپ سچ مانینگے۔ (دیکھو بخاری)

بھائیو! اس حدیث پر غور کرو۔ اور خدائی علم اور تصرفات الٰہی اسکی مخلوق کو نہ دیدو۔ اللہ خدا اور اسکے رسول ہر دو کی یہ بے ادبی ہے۔ اور دونو ہی اس فعل سے ناراض ہیں۔ اللّٰھم اھدنا لو

حدیث شریف (صرف ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم جب کوئی ابر کا ٹکڑا آسمان پر دیکھتے۔ تو کبھی آگے بڑھتے اور کبھی پیچھے ہٹتے۔ کبھی اندر آتے کبھی باہر جاتے۔ اور آپکے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا۔ مگر جب پانی برسنے لگتا تو آپکی وہ حالت دُور ہو جاتی۔ میں نے (ایکدفعہ) آپؐ کو اس حالت کی بابت جتلایا۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ (خوف کا باعث یہ ہے) کہ میں نہیں جانتا کہ شاید وہ ایسا ہی ہو جیسے ایک قوم نے کہا تھا۔ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ الآیہ (تجرید البخاری باب بدء الخلق)

اس حدیث سے بھی معلوم ہو گیا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہ تھے۔ اگر ہوتے تو بادل کو دیکھ کر متردد نہ ہوتے۔ اور آپکے چہرے کا رنگ متغیر نہ ہوتا۔ حتیٰ کہ پانی برسنے پر آپکو تسکین ہوتی۔ ورنہ پہلے معلوم نہ ہوتا تھا۔ کہ یہ بادل پانی والا ہے یا طوفان والا ؟

حدیث شریف (صرف ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ (ایکدفعہ) نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا۔ (اس سے) آپکو خیال ہوتا۔ کہ ایک کام کیا ہے حالانکہ آپنے اسکو نہ کیا ہوتا۔ یہانتک کہ ایکدن آپنے دعا کی اور بہت دعا کی۔ اسکے بعد مجھے فرمایا۔ تم کو معلوم ہے؟ اللہ نے مجھے وہ بات بتادی ہے۔ جسمیں میری شفا ہے (ورنہ اس سے پہلے معلوم نہ تھا) دو آدمی میرے پاس آئے ہیں ان میں سے ایک میرے سر کے پاس اور دوسرا میرے پاؤں کے پاس بیٹھ گیا۔ پھر ان میں سے ایک نے دوسرے کو کہا۔ کہ اس شخص کو کیا بیماری ہے؟ دوسرے نے کہا۔ انکو جادو کیا گیا ہے اُس نے کہا۔ کس نے ان پر جادو کیا ہے؟ دوسرے نے کہا۔ لبید بن اعصم نے۔ اُسنے کہا۔ کس چیز میں؟ تو دوسرے نے کہا۔ کنگھی میں اور روئی کے گالوں میں۔ اور نر کھجور کے درخت کی کلی کے اوپر والے چھلکے میں۔ اس نے کہا وہ کہاں ہے۔ دوسرے نے کہا۔ ذروان (نامی) کوئیں میں۔ پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لیگئے۔ بعد ازاں لوٹے۔ اور جب لوٹ آئے۔ تو آپنے حضرت عائشہؓ سے فرمایا۔ "اُس کوئیں کے (قریب والے) درخت گویا کہ شیاطین کے سر ہیں"۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں میں نے کہا۔ آپنے اسکو نکلوایا؟ فرمایا۔ نہیں۔ اللہ نے مجھے شفا دیدی۔ اور (اسکے نکلوانے میں) مجھے یہ خیال ہوا کہ لوگوں میں فساد پھیلیگا۔ (اور جادو کا چرچا زیادہ ہو جائیگا) بعد اسکے وہ کنواں بند کر دیا گیا۔ (تجرید بخاری باب بدء الخلق)۔

غور کا مقام ہے اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل ہوتا۔ تو آپ تکلیف اُٹھاتے بموجب ارشاد باریتعالےٰ (کہدے یا محمدؐ) وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْءُ الآیہ۔ بلکہ ان دو شخصوں کے ذریعہ آپکو انکشاف حال ہوا پہلے کوئی پتہ نہ تھا۔ سو اس علم کا نام غیب کیونکر رکھیں؟ یہ وحی، الہام یا کشف سے تعبیر کیا جائیگا۔

احادیث میں وارد ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اکثر وحی کے نزول کے وقت بہت سخت تکلیف ہوتی تھی۔ اور موسم سرما میں آپکو پسینہ بہنے لگتا تھا۔ اگر آپ عالم الغیب ہوتے تو یہ تکلیف آپکو کیوں دیجاتی۔ اوّل تو وحی کے آنے کی قطعاً ضرورت ہی نہ تھی۔ ہر بات جو آپکو بذریعہ وحی معلوم ہوتی تھی۔ وہ علم غیب سے ہی معلوم رہتی۔ اور بذریعہ علم غیب ہی آپ قرآن مجید سیکھ لیتے۔ اور ہر حال میں وحی کا انتظار نہ کرنا پڑتا۔ بلکہ اکثر موقعوں پر وحی کے آنے میں دیر ہو نیسے آپ سخت گھبرا جایا کرتے تھے۔ مثلاً سورہ والضحیٰ کے نزول کا شان ظاہر کرتا ہے کہ اسکے نازل ہو نیسے پہلے آپ کیسے گھبرا گئے اور کافر آپکو کیا کیا طعن کرتے تھے۔ اور حضرت عائشہؓ کی بریّت نازل ہونیسے پہلے کیونکر تردّد رہا۔ فافہم *

قرآن و احادیث سے تو ثابت ہو چکا کہ اللہ کے سوا کسی کو ایک ذرہ بھر کا علم غیب نہیں ہے مگر آجکل کے لوگ قرآن و احادیث پر اتنا اعتبار نہیں رکھتے جتنا فقہ اور فتاوٰے پر بقول حالیؒ ؎

سدا اہلِ تحقیق سے دل میں بل ہے ۔ حدیثوں پہ چلنے میں دیں کا خلل ہے

فتاووں پہ بالکل مدارِ عمل ہے ۔ ہر اک رائے قرآں کا نعم البدل ہے

کتاب اور سنّت کا ہے نام باقی

خدا اور نبیؐ سے نہیں کام باقی

اسواسطے فتاووں اور فقہا کی رائوں سے دیکھیے کیا معلوم ہوتا ہے ؟

ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں :- واعلم ان الانبیاء لم یعلموا المغیبات من الاشیاء الا ما اعلمھم اللہ تعالیٰ احیانا و ذکر الحنفیۃ تصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی علیہ السلام یعلم الغیب لمعارضۃ قولہ تعالیٰ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۸۵) (ترجمہ) جان لو کہ انبیا علیہم السلام غیب نہیں جانتے تھے۔ لیکن اتنا ہی جو کبھی کبھی خدا انکو بتلاتا۔ اور علمائے حنفیہ نے صاف کہا ہے کہ جو کوئی پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت علم غیب کا اعتقاد کرے۔ وہ کافر ہے۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے۔ کہ اللہ کے سوا زمینوں اور آسمانوں میں کوئی غیب نہیں جانتا"۔

یہاں سے معلوم ہونا چاہیئے کہ حنفی ہم ہیں یا ہمارا معترض ؟ الحمد للہ *

اب فتاوٰے قاضیخاں دیکھیے ! گو معترض نے اس کتاب کی جلد اوّل کی ایک عبارت پر جرح کر کے لکھدیا ہے کہ آنحضرت کو عالم الغیب جاننا بعض کے نزدیک کفر ہے مگر اکثر کے نزدیک نہیں۔ تو ہم اس اختلافی قول کو چھوڑ کر اسی فتاوٰے کی جلد ۴ باب مایکون کفرا من المسلم و مالا یکون سے سے دکھا دیتے ہیں جنمیں بعض یا اکثر کی تمیز نہیں ہے۔ وھو ہذا :-

رجل تزوج بغیر شہود فقال الرجل والمرأة "خدا ورسول را گواہ کردیم" قالوا یکون کفرا لانہ اعتقد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب وھو ما کان یعلم الغیب حین کان فی الاحیاء فکیف بعد الموت۔ (قاضیخاں جلد ۴) یعنی جو شخص اپنے نکاح میں خدا اور رسول کو گواہ کرے وہ کافر ہے کیونکہ اسکے گواہ کرنیسے مفہوم ہوتا ہے کہ اُس نے اس بات کا اعتقاد کیا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں۔ جب حضورؐ زندگی میں غیب نہ جانتے تھے تو بعد انتقال کیونکر جانتے ہیں ؟ اگر لفظ قالوا دلیل ضعف ہے تو اسکے آگے اسکی قوت نہیں لکھی ؟

قاضی ثناء اللہ صاحبؒ پانی پتی مالابدّ میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"اگر کسے بدون شہود نکاح کرد و گفت کہ خدا ورسول را گواہ کردم یا فرشتہ را گواہ کردم کافر شود" اسی مقام کے حاشیے پر اس کفر کی دلیل لکھی ہے ؛

"چراکہ آنکس اعتقاد کرد کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم غیب می داند۔ و پیغمبر خدا در حالت حیات غیب نمیدانست پس چگونہ بعد موت غیب داند ؟ (کذا فی قاضیخاں) یہاں بھی لفظ قالوا کے معنی کوئی نہیں ؟

کیا قاضی پانی پتی اور ملا علی قاری وہابی ہیں ؟ کیا فقہ اکبر غیر معتبر ہے ؟ فافہم ؛

معترض نے فتاوٰے قاضیخاں کی عبارت کے لفظ "قالوا" کو ضعف کی دلیل بتایا ہے مگر قاضی پانی پتی کی شہادت کو ہم معترض پر کسی درجہ افضل جانتے ہیں۔ بفرض محال اگر قاضیخاں کے قول فیصل کو ضعیف سمجھیں۔ تو قاضی پانی پتی کی عبارت کو ہی مانیں۔ مگر معترض کی یہ حجتیں خلاف اجماع وخلافِ اہلسنت ہیں ؛

جبکہ صریح نص و احادیث صحیحہ اور فقہ و فتاووں سے ثابت ہے کہ آپ عالم الغیب نہ تھے۔ اور ایسا کہنے والا کافر ہے۔ تو اسکے خلاف کوشش کرنا جہالت ہے۔ ہاں ! اس امر کو ہم مانتے ہیں کہ بعض موقعوں پر بذریعہ وحی، الہام یا کشف کے بیشمار غیبی باتوں کا پتہ دیا۔ اور یہ علم غیب نہیں کہلا سکتا۔ اگر ہمارا کہنا منظور نہیں تو سند حاضر ہے :۔

مناہج النبوۃ۔ یہ بھی سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزوں سے ہے کہ آپ (بعض) غیب کا حال جانتے تھے۔ اور وہ چیزیں جو آئندہ ہونیوالی ہیں انکی خبر دیتے تھے۔ آگاہ ہو کہ علم غیب کا خاص اللہ تعالےٰ کو ہے۔ اور غیب کی خبریں جو زبان مبارک سے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی اور زبان سے بعضے ولیوں کی ظاہر ہوئیں۔ سو وحی یا الہام سے الخ (سوے علم غیب نہیں ہے علم غیب خاص اللہ کو ہے۔) ؛

ہم پر یہ بات فرض ہے کہ اختلاف کے وقت اللہ اور رسولؐ کیطرف رجوع کریں بفحوائے فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوۡلِ الاٰیہ جو ہر حال میں انکے کلام دلیل شرعی

ہیں اور ان سے چونکہ اکثر نبوالامر تدہے۔ پس اسواسطے ہم شعرا کے کلاموں کو وقعت نہیں دیسکتے شعر میں اکثر مبالغہ ہوتا ہے۔ بلکہ اللہ کا کلام الشعراء یتبعھم الغاؤن الایہ بھی انہیں قابل وثوق نہیں بتاتا۔ اور سب سے پہلے ہم اللہ اور رسولؐ کے کلام کو دلیل شرعی مانتے ہیں۔ اور جو بات ہمیں ان سے معلوم نہ ہو سکے تو اجماع کیطرف رجوع کیا جاتا ہے پس سوائے اسکے ضروری نہیں کہ کسی اور کی بات کو دلیل اور حجّت مانیں ❊

پیچھے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ معترض صاحبان بڑے زور و شور سے حنفی مقلّد ہونیکے دعویدار ہیں۔ مگر اپنی کتاب میں اُنکے قول کو کسی ایک مسئلہ پر بھی نقل نہ کیا۔ اور نہ ہی کرسکینگے۔ جو اُن کیواسطے دلیل قوی تھی۔ مگر اس بحث پر ہم نے فقہ اکبر کی شہادت لکھی ہے جو معترض کے نزدیک سب سے بڑھکر قابل اعتماد ہے۔ اگر اب بھی باز نہ آویں۔ تو پھر اُنکو مقلّد کہیں یا غیر مقلّد حنفی کہیں یا کچھ اور؟

معترض صاحب نے اپنا مطلب نکالنے کیلئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عالم الغیب ہونے پر یہ آیت پیش کی ہے یعنی "وَ یَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا" مگر اس آیت پر شروع سے غور نہ کیا۔ اگر شروع آیت سے غور فرماتے۔ تو تمام اُمّتِ محمدیہؐ کے عالم الغیب ہونے کا دعوےٰ کرتے اگر ایسا کرتے تو خود معترض صاحب تو ضرور عالم الغیب بنجاتے ❊ شروع آیت کا یہ ہے:-

وَ کَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ الخ اور اسیطرح تمہیں ایک معتدل جماعت بنادیا۔ تاکہ لوگوں پر تم گواہ رہو ❊ مفسّرین نے اس پر لکھا ہے کہ قیامت کے روز سابقہ امتوں کے نافرمان لوگوں سے اللہ عزّوجل پوچھینگے۔ کہ کیا ہم نے تمہارے پاس پیغمبر نہ بھیجے تھے؟ تم نے کیوں نہ اُن کا کہا مانا؟ تو وہ لوگ کہدینگے کہ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہ آیا تھا۔ تو پھر اُن کے رسولوں سے پوچھا جاویگا۔ کیا تم نے ہمارے احکام ان لوگوں کو نہ سنائے تھے؟ وہ پیغمبر کہینگے یا اللہ! ہم نے تیرے سارے احکام سُنا دئے تھے۔ تو پھر رب العزّت فرماوینگے۔ کیا اسبات پر تمہارا کوئی گواہ ہے؟ وہ کہینگے یا اللہ! ہاں! حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور انکی تمام امت ہماری پیغامبری کی گواہ ہے۔ تو پھر امت محمدیہؐ سے شہادت طلب کیجاویگی۔ تو امت محمدیہ گواہی دیگی۔ کہ یا اللہ! یہ تیرے پیغمبر سچے ہیں ❊

تو یہ ہے دلیل تمام امت محمدیہ کے عالم الغیب ہونیکی (نعوذ باللہ) پس اس آیت سے اگر آنحضرت صلعم کے علم غیب کا ثبوت ہے۔ تو اسیطرح امت محمدیہؐ کے عالم الغیب ہونے پر بھی دال ہے۔ مگر اس آیت کی حقیقت یہ ہے کہ امت محمدیہؐ کو بذریعۂ کلام پاک تمام پہلی امتوں کے حالات سے بہت واقفیت ہو گئی ہے۔ اسواسطے ہم اُن کے حالات پر گواہی دینگے ❊ اور اسیطرح فرمایا:-

وَ یَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا اور رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم تم پر گواہ ہونگے۔

وہ اسطرح ہمارے حالات سے واقف ہوتے ہیں۔ کہ ہر دن کو ہر ایک انسان کے ساتھ دو منشی رہتے ہیں۔ جنکا نام کراماً کاتبین ہے۔ اور وہ دو نو سارے دن کے اعمال لکھتے رہتے ہیں جو انسان کرتا اور بولتا ہے۔ شام کو وہ اپنی کتاب لپیٹ کر آنحضرت صلعم کے پاس جاتے ہیں اور اپنے زیر حراست آدمی کا تمام نیک و بد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سنا دیتے ہیں۔ اور شام کو دو اور منشی آجاتے ہیں جو رات بھر کے افعال لکھتے ہیں اور صبح کو رخصت ہوتے ہوئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اُسکے حالات سے آگاہ کر جاتے ہیں۔ کہ فلاں شخص نے آج یہ کام کیا اور فلاں نے یہ۔ جو صریح احادیث سے ثابت ہے۔ اس امر پر استاذ الہند حضرت شاہ عبد العزیز علیہ الرحمۃ یوں لکھتے ہیں :-

"و ازیں است کہ در روایات آمدہ کہ ہر نبی را بر اعمال امتیان خود مطلع میسازند کہ فلانے امروز چنیں میکند و فلانے چناں۔ تا روز قیامت اداء شہادت تواند کرد"۔ (تفسیر عزیزی زیر آیت ویکون الرسول علیکم شہیداً (سورۃ بقرہ)) ۔

شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی عبارت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے علم غیب مابعد حیات کی نفی ثابت ہے۔ اور عقلاً بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے۔ کہ جسطرح فرض کیا کہ کسی شخص کو کسی دوسرے شخص نے کوئی دور کا واقع بتا دیا۔ تو اس سے سننے والے کو عالم الغیب کہیں گے؟ یا اگر میں لاہور سے روانہ ہو کر لدھیانہ پہنچوں۔ اور وہاں جا کر قاضی فضل احمد کو بتا دوں کہ لاہور میں آج ایک مکان جل گیا۔ اور ساٹھ آدمی مر گئے اور پچاس پیدا ہوئے"۔ تو جو شخص قاضی فضل احمد کو عالم الغیب کہے وہ عاقل ہے یا پاگل؟ تو اسی طرح جبکہ فرشتے جا کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے حالات سے واقف کرتے ہیں۔ تو کیونکر آنجناب علیہ التحیۃ والسلام کو عالم الغیب جانیں ۔

دو احادیث پیچھے لکھ چکا ہوں۔ جنکے الفاظ یہ ہیں :- وصلوا علیّ حیثما کنتم فان صلوٰتکم تبلغنی اور فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ اسی مذکورہ بالا مضمون کی شاہد ہیں جنکی مفصل تشریح اسی باب میں پیچھے دیکھو ۔

حدیث شریف۔ عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما من رجل یسلم علیّ الا ردّ اللہ علیّ روحی حتی ارد علیہ السلام (سنن ابوداود۔ موطا امام مالک) یعنی نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جب کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے۔ تو اللہ تعالے میرے روح کو میرے جسم کیطرف پھیر دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ میں بھی سلام کا جواب دے دیتا ہوں ۔

یہ حدیث بھی مابعد حیات کے علم غیب اور حیات ابدی کی نفی کر رہی ہے۔ اور نیز معترض نے آنحضرت صلعم کے تصرف فی العالم کا اثبات لکھا ہے۔ جسکے متعلق مذکور ہو چکا۔ مگر میں معترض صاحب سے پوچھتا ہوں۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے روح مبارک کو ہر نیک و بد محفل میں اور ہر آدمی کے

نیک و بد عمل کرنیکے موقع پر تشریف لانے اور تکلیف اٹھانے کی ضرورت کیا ہے؟ کیا آنجناب فخر دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کراماً کاتبین کا کام سپرد کیا گیا ہے؟ اور کراماً کاتبین چھٹی پر گئے ہوئے ہیں یا کسی اور کام پر مامور ہو گئے ہیں (العیاذ باللہ) بلکہ کلام پاک سے بفحوائے وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حیات طیبہ میں کسی کے اعمال پر نگران یا داروغہ نہ تھے تو معلوم نہیں کہ اب بعد حیات آپ کو کیوں اتنی پڑتال کرنی پڑتی ہے۔ کہ باوجود فرشتوں سے اپنے امتیوں کے حالات معلوم ہو جانے پر بھی آپ کو نگرانی اور گرداوری کرنی پڑتی ہے؟ اللھم احفظنا!

پس یہ بات ثابت ہو گئی۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اسطرح اپنی امت کے گواہ ہونگے کہ ہر روز کراماً کاتبین ہر ایک آدمی کا اعمالنامہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش کر دیتے ہیں اور آپ کو بتا دیتے ہیں۔ کہ آپ کی امت میں فلاں نیک اور فلاں بد اور فلاں منافق ہے۔ اور فلاں نے آج یہ کام کیا۔ اور فلاں ایسا کر رہا ہے۔

معترض کے خیال کے مطابق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم، اولیائے کرام اور ملائکہ تو کیا؟ تمام امت محمدیہ بلکہ ہر ایک انسان (خواہ مومن ہو یا کافر) عالم الغیب ہیں۔ اور شیطان بھی کہ ہمکو غیبی باتیں بتاتا تھا وہ بھی عالم الغیب ہی ہوگا؟ کل کو وہ صاحب بذات خود عالم الغیب ہونیکا دعوےٰ کر دیں۔ تو عجب گل کھلے۔

بریں علم و عملش بباید گریست

جملہ اہل اسلام و پیروان سنت کا یہی ایمان ہے۔ کہ عالم الغیب صرف ذات باری ہے۔ اور وہ ذات پاک انبیا اور اولیا کو بقدر ضرورت بذریعہ وحی، الہام یا کشف جتنا چاہتا ہے بتا دیتا ہے اور یہ انکے معجزات یا کرامات شمار کئے جاتے ہیں۔ نہ کہ علم غیب۔ پس جو شخص اللہ عزوجل کے سوا کسی اور کو عالم الغیب کہے یا مانے۔ وہ اللہ اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بے فرمان ہے۔

ایک حدیث کے الفاظ ماکان وما سیکون معترض نے لکھے۔ اور ایک حدیث بھی بعض انکے بھائی علم غیب کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں اوتیت علم الاولین والآخرین۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مندرجہ آیات مثلاً وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ الآیہ وغیرہ کے خلاف آنحضرت صلعم فرما دیتے۔ یعنی قرآن مجید فرمادے کہ کہدے اے محمدؐ! کہ میں غیب نہیں جانتا الخ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم علانیہ اسکے خلاف کہدیں کہ "میں اول سے لیکر آخر تک سب غیب کی باتیں جانتا ہوں" العیاذ باللہ! اگر پیغمبر بلکہ پیغمبروں کے سردار کا آیات الٰہی کے خلاف چلنا ہم ثابت کریں اور مانیں۔ تو ہم سے وہابیت کا الزام دور ہو۔ اور پھر ہم حنفی سُنّی نہیں۔

ان کان عملُ بالکتاب توهبًا   فلیشهد الثقلان انّی واهبی

پہلے فقرہ کا مطلب یہی ہے جو پیچھے مذکور ہو چکا یعنی پہلے لوگوں کا علم تو اُنہیں کو بھی ہے اور جو کچھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہوا وہ سب قرآن میں مرقوم ہے اِس علم غیب کی نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے کیا خصوصیت ؟ یہ تو لفظ "ما کان" کے معنی ہوئے۔ اور دیگر مابعد کے واقعات آپکو بذریعہ کراماً کاتبین معلوم ہوتے ہیں۔ اگر آپکو پہلے ہی سے معلوم ہے تو اب روز مرہ کیوں کراماً کاتبین جاکر بتاتے ہیں ؟ اگر تم کہدو۔ کہ کراماً کاتبین نہیں بتاتے آنحضرت صلعم خود ہی جانتے ہیں۔ تو ہم یہ کہدینگے۔ کہ جسقدر ہم شاہ عبد العزیز علیہ الرحمۃ کے مذکورہ قول کی تصدیق کرسکتے ہیں اِسیقدر آپکے من گھڑت دلائل کی تکذیب ۔ اور جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حیات طیبہ میں آئندہ واقعات مثلاً خروج دجال و یاجوج ماجوج و نزول عیسٰے مسیح و پیدائش امام مہدی سے آگاہ کیا ہے یہ وہی وحی کے ذریعہ سے اور یہ معجزات سے ہے۔ اور وحی کئی قسم کی آتی تھی ۔ اور یہ معنی ہیں وما سیکون کے ۔

اور دوسری حدیث کا مطلب یہ ہے۔ کہ معرفت الٰہی کا علم جسقدر آپ سے پہلے نیک لوگوں کو حاصل تھا اور جو آپ سے مابعد کے لوگوں کو ہوگا۔ وہ سب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر بفحوائے وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا تمام کیا گیا۔ اسیواسطے آپ سب اولاد آدم کے سردار اور سب سے زیادہ متقی اور سب سے زیادہ عارف اور عالم ٹھیرے ۔

یا کہ اس سے مراد وہ واقعات اور حادثات ہونگے۔ جو کتاب حدیث میں پہلے اور پچھلے لوگوں کی نسبت بیّن ہیں۔ مگر اُنکو غیب دانی سے کیا واسطہ ؟ کیونکہ جتنا خدا نے بتلایا اس سے کون منکر ہوسکتا ہے ؟ انکار تو اس امر کا ہے۔ کہ "آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم یا کسی اور نبی یا ولی کو سب اشیا کا علم تھا" جیسا کہ معترض کہتا ہے۔ اگر صرف اسیقدر تھا جو خدا نے بتلایا۔ اور کتاب احادیث سے ظاہر ہے تو اسکا کوئی منکر نہیں ۔ والسلام علی من اتبع الھدی ۔ اللھم ثبت اقدامنا علی دین الاسلام والصراط المستقیم۔ آمین ۔

اعتراض نمبر ۱۰۱ کا جواب

(آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فقط روضہ کی زیارت کو سفر کرنا یا آپ کے روضہ کے سامنے ہاتھ باندھکر کھڑے ہونا)

اِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (پ ۹ ع ۱۳) یعنی جن لوگوں سے تم دعا کرتے ہو وہ بھی تمہاری طرح کے آدمی ہیں۔ پس پکارو ان کو تا کہ جواب دیں تم کو اگر تم سچے ہو ۔

زمانہ حال میں اکثر جاہل صوفیا کو دیکھا جاتا ہے۔ کہ وہ اپنے پیر و مرشد کی قبر کی زیارت اور

انکے اعراس کو بیت اللہ کی زیارت کے برابر بلکہ اس سے بھی بدرجہا بڑھاتے ہیں۔ اور یہ کہنے سے بھی شرم نہیں کرتے۔ کہ بیت اللہ بھی یہی ہے اور رسول بھی یہی ہے۔ اور اسکے واسطے دلیل کیا پیش کرتے ہیں۔ کہ اسی نے راہ دکھایا۔ خدا بتایا اور رسولی کلمہ سکھایا۔ یہی ہمارا قبلہ وکعبہ ہے۔ اور بعض ناہنجار یہ کہتے ہیں کہ ہمارا مرشد رسول کا کلمہ پڑھتا ہے اور ہم مرشد کا کلمہ پڑھتے ہیں اور اپنے پیر کی قبر کو سجدہ کر لیتے ہیں۔" پھر اُنکے سالانہ اعراس کی حاضری کو عین فرض جانتے ہیں اور خرچ وشد الرحال سے ہر سال اعراس کی شمولیت کرتے ہیں۔ مگر کعبۃ اللہ کی پروا بھی نہیں۔ باوجود وسعت کے کبھی بیت اللہ کی زیارت کا ارادہ نہ ہُوا۔ بلکہ زیارۃ قبور کو ہی حج تصوّر کرتے ہیں۔ اور مناسکات حج بعینہ ان پر ادا کرتے ہیں۔ اور پیروں کی قبروں کی زیارت کیلئے احرام باندھتے، طواف کرتے، قبر کو بوسہ دیتے، اور دست بستہ کھڑے ہو کر امداد چاہتے اور مرادیں مانگتے اور وہاں کے کوؤں کے پانی کو تبرّک سمجھتے، اور رخصت کے وقت اُلٹے پاؤں چلتے اور ایمان گنوا کر اور شرک کا طوق گلے میں ڈلوا کر گھر آجاتے ہیں۔

ایسی باتوں کے قصد سے موجب قربۃ یا طاعت یا عبادت سمجھکر روضۂ اقدس کی زیارت کیلئے سفر کرنا بیشک حرام ہے اور ایسی باتوں کو جائز جاننے والا بفرمانِ خدا و رسول ہے زیارت کا طریقہ سُنئے جو آثار صحابہ اور علمائے حنفیہ سے ظاہر ہے۔ (مگر اب تو حنفیت درکتاب حنفیاں درگور)۔

علامہ محی الدین محمد برکوی حنفی رسالہ زیارت قبور میں لکھتے ہیں۔ کہ سلمہ بن وردان تابعی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالکؓ کو دیکھا کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر سلام کرتے اور پھر قبر کی دیوار کے ساتھ پشت کو ٹیک کر (قبلہ رو ہو کر) دعا کیا کرتے تھے۔ (مترجم اردو ص۳۵)

اس قول سے قبر کی طرف منہ کرکے صرف صاحب قبر کیلئے دعا مانگنا بھی آثار صحابہ سے ثابت نہیں اور دوسرے قبروں سے رخصت ہوتے وقت الٹے پاؤں چلنا بھی جائز نہیں۔

رسالہ مذکور ص۳۵ امام ابوحنیفہ رح فرماتے ہیں کہ سلام کے وقت بھی قبلہ کیطرف ہی رخ کرے اور قبر کی طرف منہ نہ کرے۔ اور انکے سوا دیگر علما نے کہا ہے۔ کہ خاصکر سلام کیوقت قبر کیطرف منہ کرے۔ اور چاروں اماموں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا۔ کہ دعا کیوقت قبر کیطرف منہ کرے۔"

حنفیو! امام اعظم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ السلام علیکم یا اہل القبور قبلہ رو ہو کر کہا کرو قبر کی طرف منہ نہ کیا کرو۔

امام ابوالحسن قدوری کتاب الکرخی کی شرح میں لکھتے ہیں۔ کہ بشر بن ولید کہتے ہیں کہ میں نے قاضی ابو یوسفؒ سے سنا۔ وہ کہتے تھے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔" یہ ہرگز جائز نہیں کہ اللہ تعالےٰ سے سوائے اسکے ناموں کے طفیل کسی اور کے حق اور طفیل سے کچھ مانگا جائے" اور فرماتے

ہیں کہ میں اسباب کو بھی مکروہ جانتا ہوں۔ کہ کوئی اسطرح کہے "اے اللہ! میں تیرے عرش کے مقامات عزت کے طفیل تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں" اور میں یہ بھی مکروہ سمجھتا ہوں کہ یہ کہے "بحق فلاں" "اپنے انبیا کے حق سے" "اپنے رسولوں کے طفیل" اور "بحق بیت الحرام" میرا یہ کام کردے۔ (ص۵۳)

معترض کو چاہیئے کہ اپنے امام علیہ الرحمۃ کو وہابی کہے معترض صاحب فرماتے ہیں کہ ہم بڑے زور سے "یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ" پکارتے ہیں۔ تو مذکورہ اقوال سے ثابت ہے کہ یہ کلمہ تو کجا؟ اگر کوئی شخص کہے "یا اللہ! بحق نبی محمدؐ یا بحق شیخ عبدالقادر کچھ دے یا فلاں کام پورا کر" وہ امام ابوحنیفہؒ کا مقلد نہیں ہے۔ مگر تقویۃ الایمان امی تذکیر الاخوان میں لکھا ہے کہ یہ جائز ہے کہ پکارا جاوے کہ "یا اللہ! شیخ عبدالقادر جیلانی کیواسطے کچھ دیدے" فاعتبروا!

نواب بتانا چاہیئے کہ جو شخص اہل قبور کو پکارتا ہے اور ان سے امداد طلب کرتا ہے اور جسقدر قبروں کا ادب کرتا ہے جتنا بیت اللہ کا۔ تو یہ شخص کیونکر مقلد امام صاحبؒ ہوا؟

امام ابوالحسنؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کے طفیل کچھ مانگنا ائمہ کے نزدیک منکر بات اور ناجائز فعل ہے۔ کیونکہ خدا کے سوا کسی کا اللہ پر حق نہیں درحقیقت اللہ تعالےٰ کا حق مخلوقات پر ہے (مخلوقات کا اللہ پر کوئی نہیں) (ص۵۳)

امام ابن بلدجیؒ درمختار کی شرح میں لکھتے ہیں "اور یہ مکروہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے آگے کسی غیر کے طفیل دعا کی جائے" پس یوں نہ کہے "اے اللہ! میں فلاں کی حرمت سے یا تیرے فرشتوں یا تیرے انبیا کی حرمت سے یہ سوال کرتا ہوں" یا اس قسم کے اور کوئی الفاظ (بالکل نہ کہے کیونکہ مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں۔ اور یہ بھی مکروہ ہے کہ اپنی دعا میں یوں کہے کہ میں تیرے عرش کی عزت کی مقامات کے طفیل تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں" قاضی ابو یوسفؒ اس آخری جملہ (بمعقد العز من عرشک) کو جائز سمجھتے ہیں کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے ان الفاظ میں دعا کی اور نیز اس وجہ سے کہ (معقد العز من العرش) سے مراد اللہ تعالےٰ کی قدرت ہے جس سے اُسنے عرش کو پیدا کیا باوجود اسکی عظمت کے پس گویا یہ دعا اللہ تعالےٰ کے اوصاف کے طفیل ہوئی جو جائز ہے (ص۵۳)۔

پس یہ ہے حقیقت اور یہ ہیں حنفیوں کے اماموں کے اقوال۔ قد خلت من قبلکم۔

اسی باب کے شروع کی آیت اور اقوال ائمہ سے ثابت ہوگیا کہ عبادت کرنے، دعا کرنے، پکارنے، حاجت طلب کرنے، امداد مانگنے، اولاد دینے، گناہ بخشنے، رزق عطا کرنے، تندرستی رکھنے، عزت و ذلت دینے، بارش اتارنے وغیرہ کے لائق خدا کے سوا کوئی اور (خواہ پیغمبر ہو یا ولی) نہیں ہے۔ اگر کسی سے ایسی باتیں طلب کی جاویں تو لاریب شرک ہے۔ اگر کوئی شخص اولیاء و پیغمبر کو بطور سفارش کرنے والا سمجھ کر اہل قبور کے سوا کی ہے تو یہ دوہرا گناہ ہوا۔

قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم لا تشد الرحال الا الی ثلثۃ مساجد المسجد الحرام ومسجدی ھذا والمسجد الاقصیٰ (متفق علیہ) یعنی نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سفر کی تکلیف نہ اُٹھاؤ۔ مگر تین مسجدونکی طرف۔ ایک مسجد الحرام دوسری یہ میری مسجد (مسجد نبویؐ) اور تیسری مسجد اقصےٰ ٭

حالانکہ مسجدونکی زیارت عبادت ہے اور ثواب کا کام ہے۔ مگر پھر بھی فرمایا کہ تین مسجدونکے سوا اور کسی کیلئے سفر نہ اٹھاؤ۔ بعضوں نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مسجد قبا کی زیارت کو مستحب جانتے اور زیارت کو جاتے تھے اور فرمایا ہے من تطھر فی بیتہ ثم اتی الی المسجد قبالا یرید الا الصلاۃ فیہ کان کعمرۃ۔ اس حدیث میں دو شرطیں پائی جاتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس مسجد میں صرف نماز کیلئے جاوے دوسرا اُس مسجد کی زیارت کو وضو گھر سے کر کے جانا۔ اور یہ اہل مدینہ کیلئے ہی فرمایا۔ کیونکہ گھر کے کئے ہوئے وضو سے وہی لوگ یہ ثواب لے سکتے ہیں۔ اور تین مسجدونکے سوا مسجد قبا کی زیارت اہل مدینہ کو شد الرحال نہیں ہے ٭ اسواسطے بعض نے قبا کی زیارت بشد الرحال سے ممانعت کی ہے ٭

بتانا چاہیئے۔ کہ مسجدونکی زیارت خواہ بعض کیلئے احادیث سے ثابت ہے تو کیا آنحضرت صلعم سے یہ بھی ظاہر ہے کہ کہیں آپنے اپنے بزرگ جد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر پر کھڑے ہو کر کبھی دعا یا ندا کی ہے یا امداد طلب کی ہے؟ ہرگز نہیں۔ ہاں ایسے فعلونکی ممانعت احادیث سے ثابت ہے۔

سنن ابوداؤد میں اسناد حسن سے حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے گھرونکو قبریں مت بناؤ اور میری قبر کو عید نہ بنانا۔ کیونکہ تمہارا درود مجھکو پہنچ جائیگا وہیں سے جہاں تم ہوگے ٭

مسند ابی یعلے موصلی میں علی بن حسین (زین العابدین) رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپنے ایک شخص کو دیکھا۔ کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر کے قریب ایک دریچہ کے پاس آتا۔ اور اسمیں داخل ہوتا اور دعا کرتا۔ تو آپنے اسکو منع کیا۔ اور فرمایا کہ میں تم کو ایک حدیث نہ بیان کروں؟ جو میں نے اپنے والد امام حسینؑ سے سنی۔ اور انہوں نے میرے دادا (حضرت علیؓ) سے سنی اور آپنے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سنی۔ آپنے فرمایا۔ میری قبر کو عید نہ بنانا۔ اور نہ اپنے گھرونکو قبریں۔ تمہارا اسلام جہاں کہیں تم ہو مجھے پہنچ جاتا ہے ٭

اور کہا سعیدؒ بن منصور نے خبر دی ہمکو عبد العزیز بن محمدؒ نے۔ انہوں نے کہا خبر دی ہمکو سہیل بن ابی سہیل نے۔ کہا دیکھا مجھکو حسن بن حسن بن علی بن ابیطالب رضی اللہ عنہم نے قبر شریف کے پاس پس بلایا انہوں نے مجھکو حضرت فاطمہؓ کے گھر سے اور دو رات کا کھانا کھا رہے تھے۔ اور فرمایا۔

آؤ کھانا کھاؤ۔ میں نے کہا مجھے اشتہا نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا۔ میں نے تمہیں قبر کے پاس کیوں دیکھا ؟ میں نے کہا میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ آپ نے فرمایا۔ تو اسی لئے مسجد میں داخل ہوا تھا ؟ پھر فرمایا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ میرے گھر کو عید اور اپنے گھرونکو قبریں نہ بناؤ اور مجھ پر درود بھیجو۔ تمہارا درود مجھکو پہنچتا ہے۔ جہاں کہیں تم ہو۔ سو تم اور اندلس کے رہنے والے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اس اعتبار سے بالکل برابر قرب رکھتے ہو۔ (صلا)

اِن روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص امداد۔ یا دعا۔ یا عبادت یا موجب قرب سمجھکر آپ کی قبر مبارک یا کسی اور ولی، پیر، فقیر کی قبر ونکی صرف زیارت کیلئے سفر کرے وہ حنفی اہلسنت نہیں ہے جبکہ اصحاب اور تابعین بلکہ آل نبی نے آپکی قبر مبارک پر قصداً زائر کو منع فرمایا۔ تو کون ہے۔ جو جواز کا فتویٰ دے۔ حالانکہ اہل مدینہ وگرد ونواح کے لوگونکے لئے یہ شد الرحال بھی نہ تھا پس جو شخص صرف امداد کیلئے شد الرحال سے آپ کے روضہ اقدس پر جاوے تو بیشک اسکے حرام ہونے میں شبہ نہیں ٭

بیشک زیارت قبور سنت ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت بطریق اولےٰ سنت ہے۔ مگر زیارت کیلئے کچھ شرائط بھی ہیں۔ زیارت قبور کے اذن میں دو دو حدیثیں ہیں جو حضرت ابو سعید اور بریدہ سے مروی ہیں۔ یعنی فرمایا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے "میں نے تم کو قبرونکی زیارت سے منع کیا تھا۔ اب جو کوئی چاہے وہ بیشک زیارت کرے۔ اور بیہودہ بات مت کہو" اس حدیث کو امام احمدؒ اور نسائی نے بیان کیا ٭

دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قبروں کی زیارت کیا کرو۔ کیونکہ وہ موت یاد دلاتی ہیں" یہ حدیث مسلم نے روایت کی ہے ٭

پس دونو حدیثوں سے دو شرائط نکلتے ہیں۔ پہلا تو یہ کہ "بیہودہ مت کہو" دوسرا "وہ موت یاد دلاتی ہیں" پس پہلی بات یعنی بیہودہ کہنے کا مطلب ہی امداد یا دعا کرنا وغیرہ ہے۔ پس ان افعال سے ممانعت ہوئی۔ اور وہاں جاکر موت کو یاد کرنے کی صورت سے جائز ہے ٭ مگر لوگ ایسا نہیں کرتے اسکے برعکس کرتے ہیں۔ یعنی وہاں جاکر امداد طلب کرتے ہیں اور بیہودہ کہتے ہیں۔ دوسرا وہاں جاکر موت کا یاد کرنا تو کجا ؟ خوشیاں کرتے تفنن باجا راگ رنگ خوب ہوتے کھانے پکتے جشن لگتے ناچ ہوتے کثرت سے روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ یہ عید منانے کے آثار ہیں نہ کہ موت کو یاد کرنیکے۔ حالانکہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا تتخذوا قبری عیداً۔ پس جبکہ ایسے افعال آپکی قبر مبارک پر منع ہیں تو اور قبروں پر بطریق اولےٰ ممانعت کی جاسکتی ہے ٭ فاعتبر

باقی رہیں وہ احادیث جو آپکے روایت کی جاتی ہیں۔ یعنی من حج ولم یزرنی فقد جفانی

اور دوسری و من زارنی بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی

ایسی احادیث کے موضوع یا ضعیف ہونے پر کئی ایک دلائل ہیں۔ پہلی حدیث جس میں لفظ
فقد جفانی ہے یہ حدیث صحاح ستہ میں نہیں ہے۔ ہاں دوسری حدیث دار قطنی میں ہے۔ پس جو
حدیث صحاح ستہ سے باہر ہے وہ ضعیف ہے۔ دوسرے انہ قال لا تشد الرحال الا الی
ثلثۃ مساجد الخ اسکے ضعف پر دال ہے اور یہ حدیث باتفاق صحیح ہے۔ تیسرے لا تتخذوا
قبری عیدًا وصلوا اینما کنتم الخ بھی مذکورہ احادیث کا ضعف ثابت کرتی ہے۔ اور یہ حدیث
سنن ابو داؤد میں ہے۔ چوتھے ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض موت میں فرمایا
لعن اللہ الیہود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد اور انکے فعل سے بہت ڈرایا۔ اور کہا
حضرت عائشہؓ نے اگر اس بات کا (یعنی آپکی قبر کو سجدہ گاہ بنانے کا) اندیشہ نہ ہوتا تو آپکی قبر کھلے میدان میں
بنائی جاتی۔ (اسی واسطے آپ عائشہؓ کے حجرہ میں دفن ہوئے)۔ پانچویں مسند ابی یعلیٰ موصلی والی روایت
جو علی بن حسین (زین العابدین) رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ مذکورہ احادیث کا کمال ضعف بلکہ
موضوع ہونا ثابت کر دیتی ہے۔ اور اسی طرح دوسری حدیث جو حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب سے
منقول ہے اور یہ چھٹی دلیل ہے۔ وغیرہ۔

مذکورہ روایات کے بیان سے معلوم ہوگیا۔ کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کسی غرض کیلئے زیارت
روضہ مطہرہ کو سنت مگر وہ جانتے تھے اور امداد وغیرہ کا طلب کرنا تو کجا کبھی انہوں نے روضہ مطہرہ کے
سامنے رو بقبلہ کھڑے ہو کر یوں بھی دعا نہ کی۔ کہ "یا اللہ آپکے نبی صلعم یہ کام سرانجام کر دے"
بلکہ پچھلے صفحوں میں ابن داؤد تابعی کی روایت سے معلوم ہوگیا ہے۔ کہ اکثر صحابی روضہ مطہرہ کی دیوار کے
ساتھ پشت مبارک کر کے بیٹھ جایا کرتے تھے۔ (کیا یہ بھی بے ادب ہی تھے)۔

حدیث شریف۔ عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ انہ اذا کان قحطوا استسقیٰ
بالعباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ فقال اللھم انا کنا نتوسل الیک بنبینا
فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا قال فیسقون۔ یعنی حضرت عمر بن خطاب
رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب لوگ قحط زدہ ہوتے تو وہ عباسؓ بن عبد المطلب کے توسل سے پانی
برسنے کی دعا مانگتے اور کہتے اے اللہ! پہلے تو ہم اپنے نبیؐ کے ساتھ توسل کیا کرتے تھے اور تو
پانی برسا دیتا تھا اب چونکہ وہ وفات پا چکے ہیں۔ اسواسطے اب ہم اپنے نبیؐ کے چچا کے ساتھ توسل
کرتے ہیں اور تو پانی برسا دے۔ راوی کہتا ہے پس مینہ برسنے لگتا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امداد مانگنا تو کجا آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد صحابہؓ نے
[illegible] آپکی قبر [illegible] کے سامنے [illegible] کھڑے ہو کر دعا مانگی۔ تو دوسرا کون بڑا ہے۔

پس زیارت قبور میں (خواہ قبر پیغمبر ہو خواہ کسی ولی کی خواہ کوئی اور کی) مشروع بات یہی ہے کہ آخرت کو یاد کرے اور صاحب قبر کے حال سے نصیحت پکڑے اور عبرت حاصل کرے اور دعا و ترحم سے صاحب میت پر احسان کرے تاکہ زائر پر بھی احسان الٰہی ہو۔ اور موت کو یاد کرنا اور عبرت پکڑنا وغیرہ یہ حاصل زیارت قبور پیغمبروں اور بزرگوں کی قبروں سے زیادہ حاصل ہوتا ہے۔ فافہم کیونکہ جب ایسی بزرگ ہستیوں کو خاک میں مدفون دیکھا جاتا ہے تو بہت عبرت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن لوگوں نے اس طریقہ کو الٹ دیا اور دین کو بدل دیا۔ اور زیارت قبور سے اصلی غرض "صاحب قبر کو پکارنا، امداد طلب کرنا اس سے برکات نازل ہونے کی خواہش کرنا وغیرہ سمجھ لی ہے۔ یہ صاحب قبر سے بجائے احسان کے برائی ہے۔ پس ایسے افعال کیلئے روضہ کی زیارت کیلئے سفر کرنا (یا کسی اور قبر وغیرہ کا سفر) بیشک حرام اور شرک کی جڑ ہے۔ اور بیشک جو اغراض زیارۃ قبور مشروع اور مباح ہیں اس صورت میں زیارت قبور جائز اور باعث ثواب ہے ٭

قال عز و جل: وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۔ اور کہا انہوں نے ہرگز نہ چھوڑو معبودوں اپنوں کو اور نہ چھوڑو ودّ کو اور نہ سواع اور نہ یغوث اور نہ یعوق اور نہ نسر کو۔ اور کہا ہے کہ ودّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر قوم نوح میں صالحین میں کا ایک گروہ تھا۔ پس جب وہ مر گئے تو لوگوں نے انکی قبروں کے اعتکاف کئے پھر انکی تصویریں بنائیں۔ پھر یہ رواج ایک مدت گذرنے کے بعد انکی عبادت شروع کر دی۔ اور یہی مطلب بخاری نے ابن عباسؓ سے ذکر کیا ہے۔ اور مجاہدؒ ابن جریر طبریؒ نے تفسیر میں ایک سے زیادہ سلف (کی روایت) سے نقل کیا ہے ٭ (الرد الوافر مصری) ترجمہ از اہلحدیث ٭

اور یہی بنیاد ہے بت پرستی کی۔ ایسا ہی اب بھی بغداد، اجمیر، پیران کلیر، داتا گنج بخش وغیرہ پر اعتکاف ہو رہے ہیں، سجدے (عبادت) سے شرم نہیں، حاجتیں مانگتے، مرادیں طلب کر رہے ہیں ایمان گنوا رہے ہیں، خیمے، تجلیاں روشن ہیں۔ مگر ودّ، سواع وغیرہ کو پوجنے والوں اور آجکل کے گور پرستوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ انہوں نے بت بنا لئے تھے اور یہ ابھی قبروں کو دیکھ رہے ہیں۔ اور یہ قبریں بھی بت شمار ہو سکتی ہیں۔ جیسا آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے اللھم لا تجعل قبری وثنا۔ (اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا) یہاں بت سے مراد پتھر کے بت نہیں۔ بلکہ پوجا گاہ مراد ہے۔ پس جو آیات بت پرستوں کے حق میں ہیں۔ گور پرستوں کیلئے بھی وہی ہیں۔ اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جو لوگ شد الرحال سے پیروں فقیروں کی قبروں کی زیارت کرتے ہیں۔ وہ موت کو یاد کرنے اور عبرت پکڑنے کو نہیں جاتے۔ بلکہ اپنی دینی اور دنیوی حاجات کیلئے کرتے ہیں مگر یہ صریحاً اسلام کا انکار ہے۔ کما قال تعالیٰ قُلْ لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا ۔ وَمَا آتَاكُمُ [illegible]

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ - تو دوسرا کون مرادیں دینے کے لائق ہے ؛ اور بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں۔ کہ ہم انکے توسّل سے مراد چاہتے ہیں !! تو یہ ذکر گزر چکا کہ اصحاب نے حضرتؐ کی زندگی کے بعد آپؐ سے توسّل نہ کیا۔ اور بعض انکو شفیع جانتے ہیں۔ تو یہی مراد کفار عرب کی تھی کہ بتوں کو شفیع جانتے اور انکا توسّل چاہتے تھے۔ اور یہ بات ظاہر ہو گئی ہے۔ کہ بت پرستوں اور قبر پرستوں کے لئے ایک ہی آیات ہیں ؛

رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم نے زیارت قبور کا حکم دیا۔ تاکہ لوگ قبروں کو دیکھکر عبرت اور نصیحت پکڑیں اور موت یاد کریں۔ اور ایسا ہر قبرستان پر ہو سکتا ہے۔ اگر صرف اسی غرض سے شد الرحل کے ساتھ روضہ کی زیارت کو جاوے تو لا تشدّ الرحال الا الی ثلثة مساجد الخ کے خلاف کیا۔ اگر مراد حاصل کرنیکو چلا تو وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ پر عمل نہ کیا اور فرمان الٰہی سے منہ موڑا اور اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مطہرہ کے سوا شد الرحل کیا تو یہ سب سے بڑھکر تارک فرمان ہوا۔ اور اگر پھر نبی صلے اللہ کے سوا اور سے مراد مانگے تو وہ کون؟ اللہ عزو جل فرماتے ہیں۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ الآیہ۔ یعنی کسی نبی کو یہ حق نہیں کہ وہ بسبب نبی ہونے اور کتاب پانے کے لوگوں کو اپنا بندہ بنائے (اور اپنے کو مرادیں دینے کے قابل سمجھے) واہ کہاں یہ بات کہ انکی قبروں سے مرادیں طلب کی جاویں ؛

ہاں بضمن سفر حج روضۂ مطہرہ کی زیارت جو بیہودگی سے پاک ہو مستحسن ہے۔ اس کے لئے کوئی مانع نہیں۔ مگر صرف شد الرحل سے طلب حاجات کیلئے روضۂ اقدس پر جانے کو بیشک علما شہید نے حرام لکھا ہے اور بیشک اللہ سے شرک ہے ؛ اور مباح طریقے سے زیارت کرنا ثواب ہے ؛

اس مسئلہ پر شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کا نفس مضمون یہ ہے :۔ ترجمہ

لہذا علما نے اسبات پر اتفاق کیا ہے کہ جب کبھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے روضہ پہ سلام کیا جائے تو آپکے حجرہ کو تبرکاً ہاتھ نہ لگایا جاوے اور نہ اسے بوسہ دیا جاوے۔ کیونکہ بوسہ دینا اور اسی قسم کی ساری باتیں بیت الحرام کے ارکان کے ساتھ خاص ہیں۔ تو اسیطرح بوسہ وغیرہ دے کر مخلوق کے گھر کو خالق کے گھر کے ساتھ مشابہ کرنا نہ چاہئے۔ اسیطرح طواف، نماز اور عبادات کی بجا آوری کیلئے اکٹھا ہونے کی جگہیں اللہ کے گھر یعنی مساجد ہیں۔ جنکے بلند کرنے اور اُن میں بنا کرنے جانے کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے تو مخلوق کے گھر میں جمع ہونے اور وہاں میلہ قائم کرنے کا قصد نہ کیا جاوے۔ چنانچہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لا تتخذوا بیتی عیدًا یعنی میرے گھر کو میلہ گاہ نہ بناؤ۔ (وصیة الکبریٰ مترجم ص۵۹)

تو اس سے یہ امر واضح ہو گیا۔ کہ کسی صاحب کا یہ خیال نہیں کہ روضہ مطہرہ کی زیارت حرام ہے کسی پر الزام تھوپنا گناہ ہے۔ ہاں بیت اللہ کے گھر کا سا ادب کسی اور گھر کو کرنا حرام ہے اور بجائے زیارت بیت اللہ کے زیارت روضہ مطہرہ کرنا حرام ہے۔ اور یہی مطلب ہے مولانا شہید صاحب کا۔

اعتراض نمبر ۱۱ کا جواب

(آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر جانکر یا محمدؐ۔ یا رسولؐ کہہ کر پکارنا)

بعض جاہل لوگوں کا عقیدہ ہے کہ "آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بلکہ تمام اولیاء پیر فقیر ہر جگہ حاضر و ناظر رہتے ہیں اور تمام جہان میں ان کا تصرف ہے"۔ تو اسکے متعلق جناب امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد صاحب سرہندی کی عبارت سے بتا چکا ہوں کہ اُنہوں نے فرمایا "آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور دیگر اولیاء اللہ کی اُنکے محبوں کو انکی اصلی صورتیں نظر نہیں آتیں۔ بلکہ اللہ کریم مثالی صورتوں سے انکو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ اور یہی قول ہے حضرت سید احمد صاحب بریلوی کا۔ تو جو شخص پیغمبروں اور اولیاؤں کا ہر جگہ تصرف ماننے اور حاضر ناظر جانے وہ کافر ہو جاتا ہے من قال ان ارواح المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر (فتاوےٰ بزازیہ) جو شخص مشائخ کے ارواح کو حاضر جانے وہ کافر ہے۔ اس پر دوسری شہادت یہ ہے۔ کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مالا بد میں لکھتے ہیں:-

"اگر کسے بدون شہود نکاح کرد و گفت کہ خدا و رسول را گواہ کردم یا فرشتہ را گواہ کردم کافر شود"

اسی مقام کے حاشیے پر اس کفر کی دلیل لکھی ہے:-

"چرا کہ آنکس اعتقاد کرد کہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم غیب میداند و پیغمبر خدا در حالت حیات غیب را نمیدانست پس چگونہ بعد موت غیب دان اند (کذا فی قاضیخان)

معترض نے فتاوےٰ بزازیہ کی عبارت کا ترجمہ یہ لکھا ہے۔ کہ "جسکا عقیدہ یہ ہو کہ مشائخ کی ارواح بلا حکم و قدرت اللہ تعالےٰ خود بخود مستقلاً حاضر ہیں جو خاصہ اللہ تعالےٰ کا ہے۔ تو وہ ضرور کافر ہو جاتا ہے اور جسکا یہ اعتقاد نہیں وہ کافر نہیں ہو سکتا۔

مگر معترض نے جو یہ الفاظ لکھے ہیں "بلا حکم و قدرت اللہ تعالےٰ کے خود بخود مستقلاً" پتہ نہیں چلتا کہ فتاوے کی کس عبارت یا لفظ سے یہ اُڑا لی ہے۔ (موم کا ناک جدھر چاہا موڑ لیا)۔

یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ مسئلہ دو طرح پر ہے۔ پہلا یہ کہ درود مسنون کی بجائے "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" پڑھنا۔ اور دوسری طرح یہ کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر جانکر یا محمدؐ یا رسولؐ کہکر پکارنا۔ اس امر کے متعلق چار شہادتیں مذکور ہو چکیں۔ اب معترض کے دلائل کو توڑنا ہے۔ وہ صاحب لکھتے ہیں:-

کہ شیطان بھی ہر جگہ موجود ہے اور کراماً کاتبین بھی ہر انسان کے ساتھ اور سورج، چاند بھی ہر جگہ حاضر ہیں۔ تو کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں مانے جا سکتے؟ کیا آپکا درجہ شیطان اور ملائکہ سے کم ہے؟ (نعوذ باللہ)

علم ہو تو ایسا ہو اور آگ ہو تو یوں۔ دلائل ہوں تو ایسے۔ کیا یہ عجیب بات ہے کہ فرشتوں کے افعال آنحضرتؐ میں ثابت نہ ہونے سے آپؐ کا درجہ بھی کیونکر بلند مانا جاوے؟ اور اسی طرح سے اگر ناری مخلوق کی طاقتیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم میں نہ مانی جاویں تو آپکا مرتبہ کم ہو جاویگا؟ (نعوذ باللہ) جناب من! شیطان کا وجود ناری۔ اور اسمیں سرشتی قوت ہے کہ ہر جگہ چلے پھرے اور کسی کو ہرگز پتہ تک نہ لگے۔ اور آن کی آن میں کہیں کا کہیں چلا جاوے۔ بلکہ تمام ناری مخلوق کا یہی حال ہے۔ اور احادیث سے ثابت ہے کہ شیطان آدمی کے بدن میں اسکے خون کی طرح پھرتا ہے یہی نہیں بلکہ شیطان کثرت سے ہیں ایک شیطان کو بھی اتنی قدرت نہیں کہ متعدد اشخاص کو لپٹ جاوے۔ کلام پاک میں کثرت سے لفظ شیاطین آیا ہے۔ اور یہی عموماً نوری مخلوق کا حال ہے۔ اور یہ جاننا چاہیئے کہ کراماً کاتبین انسان کے کندھوں پر سوار رہتے ہیں۔ تو انکی تصرف سے کیا مثال؟ تو جبکہ ایسے افعال آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے حیات طیبہ میں ظہور پذیر نہیں ہوئے۔ تو پھر کیا معترض کے خیال میں آنحضرتؐ کا وجود مبارک نوری مخلوق میں جا ملا یا نعوذ باللہ ناری ہو گیا۔ کہ اب وہ چلتے پھرتے ہیں اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں مگر نظر نہیں آتے (ہر جگہ پر تصرف نہ نوری مخلوق کو ہے اور نہ ہی ناری کو۔ معترض کا یہ سوال اٹھانا بے تکا ہے) ملائک اور ناری مخلوق تو اڑ کر آسمان پر چلے جاتے ہیں۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ عمل بغیر وساطت جبرئیل کے کب ظاہر ہوا؟ ملائک اور جن وغیرہ ایک جگہ دکھائی دیں تو فوراً اسی جگہ سے غائب ہو کر ہزار کوس پر جا نکلیں تو یہ انکی سرشتی قوت ہے۔ مگر ایسا فعل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کسی حدیث میں ثابت نہیں۔ اگر شاذ و نادر کسی اولیا یا پیغمبر سے ایسا ظہور میں آیا۔ تو یہ بطور معجزہ یا کرامت تھا۔ یا روحی قوت سمجھی جاویگی۔ نہ کہ نوری اور ناری مخلوق کی طرح یہ انکی جسمانی قوت ہے۔ تو معترض کی یہ دلیل آپکے تصرف پر دال نہیں ہے۔ اور نہ ایسا ہونیکی ضرورت ہے۔ اور نہ ہی اس میں آپؐ کی کسر شان ہے اور اسپر معترض نے دوسری دلیل آیہ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا دی ہے۔ اسکا مطلب علم غیب کی بحث میں دیکھو۔

اس اعتراض کی پہلی وجہ جو ہے۔ اسپر اتنا کہدینا ضروری ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس درود میں میری آل کا نام نہ ہو وہ ناقص ہے۔ تو جبکہ حضورؐ نے کامل درود ہمیں سکھا دیا ہوا ہے اور وہی نماز میں پڑھا جاتا ہے تو پھر ناقص درود پڑھنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

کیا کامل کی ضد ناقص بھی ضرور ہونی چاہیئے؟ اور کیا یہ عقلمندی ہے کہ آنجناب علیہ التحیۃ والصلوٰۃ کی کامل تعلیم کو چھوڑ کر اپنی ناقص راؤں پر اڑے رہیں؟ کیا ہم کو سرور انبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کے سکھائے ہوئے کلمات کفایت نہیں کر سکتے کہ اپنی گرہ سے بھی کچھ ملالیں؟ کیا یہ نادانی نہیں کہ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ کو پھر ناقص نعمت سے بدل دیں؟ اور کیا یہ تبدیل کلمات نہیں؟ کہ آنحضور صلعم کے سکھائے ہوئے کلمات کو بدل دیں؟ یہ درود حضرت امام حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کب تجویز فرمایا تھا؟ کیا جو بات نہ کتاب سے سنت سے ملے اور نہ ہی اصحاب سے تابعین اور نہ ائمہ اربعہ سے اسکا حاصل ہو اس فعل کے تارک و مانع کو کس صورت سے کافر کہا جا سکتا ہے؟ پس یہ وجوہات ہیں اسکے بدعت ہونیکے۔

معترض کہتا ہے کہ "نماز میں ایہا النبی کیوں پڑھا جاتا ہے؟ جو اس کے جواز کی دلیل ہے"۔

تو اسکا جواب یہی ہے کہ یہ مذکور ہو چکا ہے اور تمام ائمہ سلف کا اسپر اتفاق ہے کہ کتاب اور سنت کے سوا دین میں حجت نہیں۔ اور کتاب و سنت کے احکام و رواج میں اپنی رائے زنی کرنا کفر تک پہنچا دیتا ہے اسواسطے کتاب و سنت پر آنکھیں بند کیئے چلنے کا حکم ہے کیونکہ جو قانون اللہ اور رسول نے باندھا ہے وہ نہایت درست ہے اور جو تعلیم اللہ اور رسول نے دی وہ بس ہے اور اس سے اچھی تعلیم اور نہیں ہو سکتی اور اگر ان سے کوئی اچھا قانون دان ثابت کریں یا اُن کی دی ہوئی تعلیم میں کچھ اور فضیلت شامل کر سکیں یا نہ بتائے ہوئے طریقے کو رواج دیدیں۔ تو اس سے اللہ اور رسول کا عجز اور بخل ثابت ہوگا (نعوذ باللہ)۔

ہمیں تعلیم دیگئی ہے کہ نماز میں ایہا النبی پڑھ لیں اور درود یہ ہے اللھم صل علی محمد و علی ال محمد کما صلیت علی ابراھیم و علی ال ابراھیم انک حمید مجید' اللھم بارک علی محمد و علی ال محمد کما بارکت علی ابراھیم و علی ال ابراھیم انک حمید مجید" پس التحیات نماز میں ایہا النبی پڑھنے کا حکم ہے مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر جاننا کفر ہے اور پیچھے بتا یا گیا ہے کہ عام حالت میں آپکو حاضر ناظر جاننا کفر ہے۔ تو بحالت نماز تو دوہرا کفر ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ ہم اُس وقت خدا کے روبرو ہوتے ہیں اور اسی کو اپنے سامنے حاضر ناظر جانکر سجدہ کرتے ہیں۔ پس اگر اسی جگہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاضر ناظر جانیں تو کفر ہے کہ اللہ کی جگہ پر آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کو مسلط کر دیا۔ اور نماز خاص اللہ کیلئے ہوتی ہے۔ اگر کسی اور کیواسطے ہوتی ہے؟ تو بتائیے! ہم اسے بھی حاضر و ناظر جان لیا کرینگے۔ اور اگر نماز کسی اور کیواسطے ہی نہیں تو پھر اسکی ادائیگی کیوقت کسی کو سوا اللہ کے حاضر و ناظر کیوں جانیں؟ عقل اس بات کو قبول نہیں کرتی۔ کہ جبکہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے نماز نہیں پڑھتے تو آپ کو اسوقت حاضر ناظر کیونکر جانیں۔ صرف السلام علیک ایہا النبی پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے روبرو ہوتے ہوئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور محبت اور عشق میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ تصور غائب کو حاضر کے صیغہ سے پکارنے لگجاتا ہے۔ جیسا اہل دنیا کے عاشق معشوق

کو دیکھا ہوتا ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ محبت ہونی چاہیئے (جیسے خدا دے) اور یہ دلیلیں حاضر و ناظر جاننے پر دال نہیں ⁂

پس جو جوش محبت سے یا محمد یا رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) کہے تو جائز ہے اور اگر حاضر و ناظر جانکر پکارے تو عین شرک ہے ⁂

پس اہل بصیرت کیلئے ظاہر ہے کہ مولانا شہید رحمۃ اللہ کی تعلیم عین توحید پر ہے۔ اور انکا عمل و تحریر تتبع کے لائق ہے۔ جو شخص ایسے عامل سنت کو وہابی کہتا ہے وہ مفسد اور بدعتی ہے جو مسلمانوں کے گروہ میں تفرقہ ڈالتا ہے۔ یہ وہابی کا لفظ خدا جانے ان بدعتی لوگوں نے الزام تھوپنے کیلئے کہاں سے گھڑ رکھا ہے۔ جو لوگ کسی پر بہتان لگاتے ہیں وہ اللہ کے نزدیک بہت شریر ہیں۔ اور قانون سلطنت میں بھی یہ جرم ہے۔ اسکا فیصلہ عنقریب ہونے والا ہے اور منصف خود ذات سبحانہ ہوگی۔ اور گواہ ہمارے سرور انبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام ہونگے ⁂

یہ قاعدہ قدیم سے چلا آیا ہے۔ کہ اہل شریعت و عاملان حکم خدا و رسول پر الزام لگتے رہے حتی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل کی تیاریاں ہوتی رہیں۔ تو اگر آج بندگان خدا پر صرف کفر لگجائے۔ تو کیا عجب ہے۔ مگر ہم خود کہہ دیتے ہیں کہ ؎

ان کان عمل بالکتاب توھبیا — فلیشھد الثقلان انی واھبی
ان کان توحید الالٰہ توھبیا — فلیشھد الثقلان انی واھبی

اعتراض نمبر ۱۲ کا جواب

(آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مثل اور پیدا کرنا داخل قدرت الٰہی ہے)

اسکے متعلق مختصراً میں پیچھے لکھ چکا ہوں۔ کہ نہ تو شہید رحمۃ اللہ صاحب نے اور نہ کسی اور صاحب نے یہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی مبعوث ہوگا اور نہ کوئی کہا ہوا ہے۔ بلکہ جس طرح شیخ شرف الدین رحمۃ اللہ یحیےٰ منیری اور امام غزالی کی عبارتوں سے خدائی قدرت کا اندازہ دکھایا گیا ہے اور ان عبارات میں "اگر خواہد" وغیرہ الفاظ شامل ہیں (جو بحث خلف وعید میں گزرا) ایسے ہی شہید صاحب نے اس آیت کی ترجمانی کی ہے۔ جیسا فرمایا اللہ عز و جل نے "وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَذِيْرًا"۔ کیا یہ آیت اس مضمون کے عین مطابق نہیں جو شہید صاحب نے لکھا ہے۔ اگر مولانا شہید رحمۃ اللہ صاحب نے بے ادبی اور کسر شان کی ہے۔ تو پہلے اسکا مرتکب خود اللہ عز و جل ٹھہرتا ہے۔ (نعوذ باللہ) ⁂

اس بحث کا فیصلہ خود مولانا شہید رحمۃ اللہ صاحب کی زبانی سنو۔ اور پھر اگر اسپر نکتہ چینی کرو تو پھر ہم حاضر ہیں۔ اور مولانا شہید کی زندگی میں ایک لوہیا صاحب نے اسی مضمون پر اعتراض پکڑا تو آپ نے

اس پر ایک فتوے لکھا تو وہ معترض صاحب لاجواب ہو گئے۔ اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے :۔

مولوی فضل حق معقولی خیر آبادی جو اُس زمانہ میں حاکم اعلےٰ شہر دہلی کے سررشتہ دار اور علم منطق کے پتلے اور افلاطون و سقراط و بقراط کی غلطیوں کی تصحیح کرنیوالے تھے۔ مولانا شہیدؒ کے سخت مخالف ہو گئے۔ چنانچہ کتاب تقویۃ الایمان کے اس مسئلہ پر کہ اللہ رب العزت حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم جیسا دوسرا پیدا کردینے پر قادر ہے۔ اُنہوں نے سخت اعتراض کیا۔ اور لکھا کہ اللہ رب العزت حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم جیسا دوسرا پیدا کر دینے پر ہرگز قادر نہیں ہے اسکے جواب میں مولانا شہیدؒ نے ایک فتوے بدلائل عقلی و نقلی نہایت مدلل لکھا ہے۔ چنانچہ ایضاح الحق کے خاتمہ پر وہ فتوے تمام چھپ بھی گیا ہے۔ اسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کس خوبی سے آپنے اپنے مخالفوں کا منہ بند کیا ہے خلاصہ اسکے جواب کا یہ ہے :۔

مولانا شہیدؒ لکھتے ہیں۔ کہ قدرت ایک علیحدہ صفت ہے۔ اور تکوین یعنی بنانا ایک علیحدہ صفت سو وجود مثل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تحت قدرت الٰہی کے داخل ہے۔ نہ تحت تکوین تا کہ وقوع اسکا لازم آئے۔ اور تقویۃ الایمان کے اس مقام پر بھی ثابت کرنا مقصود ہے کہ اللہ رب العزت جل جلالہٗ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مثل پیدا کرنے پر قادر ہے اور یہ مقصود نہیں ہے کہ مثل حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پیدا کریگا۔ کیونکہ آپ خاتم النبیین ہو چکے۔ پھر آپنے واسطے ثبوت قدرت الٰہی کے یہ آیت لکھی ہے۔ اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ۔ یعنی کیا وہ ذات پاک جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ مثل انکے (یعنی بنی آدم کے) اور پیدا کردے۔ ہاں! وہ ضرور بڑا پیدا کرنے والا اور جاننے والا ہے۔ پھر آپنے لکھا ہے کہ اس آیت میں ضمیر جمع مذکور کی کل بنی آدم کی طرف جن میں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں راجع ہے۔ اور اس آیت میں بیان معاد کا ہے مگر پیدا کرنے مثل پر اسکا قادر ہونا اس آیت سے بخوبی ثابت ہے۔ (سوانح سید احمدی بریلوی)۔

معترض جو یہ کہتے ہیں۔ کہ اب اللہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جیسا پیدا نہیں کر سکتا تو اس وہ اللہ تعالےٰ کی اس قدرت کو جس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا سلب جانتے ہیں۔ یہ کمال درجہ کی گستاخی ہے اور خدا کا گستاخ باغی ہے۔

خدا کی قسم! شہید صاحب جسقدر نیک نیت تھے اور جسقدر انہوں نے اعلائے کلمۃ الحق کیلئے تکالیف اٹھائیں۔ اور گھر بار وطن مال اولاد کو چھوڑا اور کافروں سے جہاد کیا۔ یہ انکی کمال بزرگی کا نشان ہے۔ مگر جاسد لوگ الٹے سمجھتے ہیں۔ اور جو دو چار کتابیں انہوں نے لکھیں وہ ایسی پاکیزہ ہیں کہ جو شخص تعصب چھوڑ کر ان پر عامل بنجاوے۔ وہ حلاوت ایمان کا مزا پاویگا جو اسکے قلم نے۔ وہ

بدعتی ہے ؛

اور انکے جن جن فقرات پر معترض لوگ تاویلیں کرکرکے جرح کر رہے ہیں۔ اور کفر تھوپ رہے ہیں اور جسطرح ان فقرات کے مطالب کو ڈھال کر الٹا رہے ہیں۔ واللہ اشہید صاحبؒ ایسا گمان بھی نہ گزرا ہوگا۔ یہ محض معترض لوگوں کا حسد ہے یا بہتان بندی ہے۔ یا جہالت ہے کہ اپنے گندے عقیدہ سے دوسروں کی صفائی کو ملوث کرنا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ بحث ہذا قدرت الٰہی پر ہے مگر معترض صاحب یوں کر رہے ہیں کہ مولوی محمد اسمٰعیل نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانا۔ اور انکے بعد اور نبی کا پیدا ہونا لکھا ہے۔ پناہ بخدا ؎

بمیرا تا برہی اے حسود اکیں رنجیست　　　　کہ از مشقت آں جز بمرگ نتواں رست

یہ الزام تو تب ان پر تھوپنا چاہیئے تھا۔ جبکہ انہوں نے لکھا ہوتا! کہ فلاں آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر درجہ میں ہے۔ یا نبی ہے۔ یا انکے بعد کوئی اور نبی پیدا ہوگا۔ یہاں تو صرف خدا کی قدرت بتانا مقصود ہے۔ مگر نکتہ چین لوگ نیک کلام سے بھی نکتہ پکڑ لیتے ہیں ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　　　چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

معترض صاحب نے لکھا ہے۔ کہ "ایسے عقائد (جو مذکور ہو چکے) رکھنے والا بے ادبا و سلف صالحین اور انبیا کی توہین کرنیوالے ہیں" ؛

لیکن ہم دست بستہ ملتمس ہیں۔ کہ ہمارا مذہب ہے کہ انبیا علیہم السلام کی توہین کرنیوالا کافر ہے اور اولیا کی (جنکا تقوے طہارت معلوم اور ثابت ہو) توہین کرنیوالا یا انکی نسبت بدظنی یا تحقیر کرنیوالا فاسق ہے حضرت محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنیوالوں کی نسبت خدا نے فرمایا ہے اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا۔ یعنی جن لوگوں نے تیرے حق میں بری بری تمثیلیں دی ہیں وہ ایسے گمراہ ہوئے ہیں کہ انکی ہدایت کی کوئی صورت ہی نہیں۔ حدیث قدسی میں ہے من عادی لی ولیّاً فقد اٰذنتہ بالحرب خدا نے فرمایا ہے جو کوئی میرے ولی سے عداوت رکھتا ہے میرا اس سے اعلان جنگ ہے۔ پھر اسکی خیر کہاں ؟ بلکہ عام مسلمانوں کی توہین اور تذلیل کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ اور ہمارا مذہب ہی تھے جو مصنف ہدایہ نے لکھا ہے یعنی لا تقبل شہادۃ من یظہر سب السلف لظہور فسقہ (کتاب الشہادت) یعنی جو سلف صالحین کو برا کہے اسکی شہادت معتبر نہیں۔ اور سابقہ اور حال کے ایمانداروں کیلئے ہم دعا کرتے ہیں۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ آمین یا رب العالمین۔ مگر تفصیل اجمال میں کیا گناہ ؟

اعتراض نمبر ۱۳ کا جواب

(قبروں پر غلاف ڈالنا:)

غور کا مقام ہے کہ اس غلاف چڑھانے سے مقصد کیا ہوتا ہے؟ اور اہلِ قبر کو اس سے فائدہ کیا پہنچتا ہے؟ یا وہ ننگے پڑے سمجھتے ہیں کہ ان کا ستر ڈھانکنا چاہیئے۔ یا ان کو سردی لگتی ہے کہ اس سے بچانا چاہیئے۔ نہیں یہ مقصد نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ کوئی خالی تعظیم کا ڈھنگ ہے۔ یہ تو فاعلین کا اقرار ہے کہ ہم یہ نذر مانتے ہیں اور تقرب صاحب قبور کے ذریعہ تقرب الی اللہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اور یہ بات یاد رہے کہ نذر لغیر اللہ حرام ہے۔ اور اس پر شہادتیں یہ ہیں:-

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمۃ تفسیر عزیزی میں زیر آیت وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ فرماتے ہیں:-

"مگر وہ چیز کہ آواز دیگئی ہو حق اس جانور میں واسطے غیر خدا کے خواہ تو وہ غیر بُت ہو یا روح خبیث جیسے بھوت کے نام دیتے ہیں اور خواہ کسی جن کے نام خواہ پیر و پیغمبر کے نام زندہ جانور مقرر کر دیں۔ کہ یہ سب حرام ہیں اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص جانور کو واسطے تقرب غیر خدا کے ذبح کرے وہ شخص ملعون ہے۔ اور وقت ذبح کے خدا کا نام لے یا نہ لے۔ اس واسطے کہ جب شہرت کر دی کہ یہ جانور فلانے کے واسطے ہے تو وقت ذبح کے خدا کا نام مفید نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ وہ جانور منسوب بغیر خدا ہو گیا۔ اور اس میں پلیدی پیدا ہو گئی۔ اور خبث اس کا مردار کے خبث سے زیادہ ہے اس واسطے کہ مردار بغیر ذکر نام خدا کے مر گیا ہے اور یہ جانور غیر خدا کے نام پر پکارا گیا ہے اور یہ عین شرک ہے اور جبکہ یہ خبث موثر ہوا۔ تو ذکر نام خدا اس کو حلال نہیں کر سکتا۔ جیسے کہ کتا و سؤر کہ نام خدا لیکر بھی ذبح کیئے جاویں حلال نہ ہونگے"۔

پھر اس شبہ کا جواب دیا ہے جو بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ مَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ کے معنی یہ ہیں کہ جو چیز غیر خدا کے نام سے ذبح کی جائے اسکے ذبح کرنے پر غیر خدا کا نام لیا جائے چنانچہ فرماتے ہیں:-

"اُهِلَّ کو ذبح پر حمل کرنا خلاف لغت عرب اور عرف ہے۔ اِہلال لغت عرب اور عرف اس ملک میں بمعنی ذبح کے نہیں آیا کسی شعر اور کسی عبارت میں نہیں پایا جاتا۔ بلکہ اِہلال لغت عرب میں بمعنی آواز اور شہرت دینے کے ہے۔ جیسے اِہلال طفل لو اور شہرت چاند اور بمعنی آواز حج اور اسکے سوا معنوں میں مستعمل ہے۔ اور اگر کوئی کہے اَهْلَلْتُ لِلّٰهِ ہرگز بمعنی ذَبَحْتُ لِلّٰهِ نہ سمجھا جاویگا"۔

تفسیر نیشاپوری میں لکھا ہے کہ "تمام علماء نے اجماع کیا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی جانور کو ذبح کرے اور ارادہ ذبح سے تقرب الی غیر اللہ رکھے تو وہ آدمی مرتد ہے اور اسکی ذبیحہ حرام ہے"۔

مولانا نواب قطب الدین صاحب مرحوم نے مظاہر الحق جلد سوم باب الایمان والنذور میں لکھا ہے

بھی کسیقدر وضاحت سے لکھا ہے فرماتے ہیں :۔

"حاصل یہ کہ جو کچھ کہ لوگ نذر بزرگوں کی از راہ نزدیکی حاصل کرنیکے ان سے یا ادپر بر آنے ایک کام کے متعلق کیسے کرتے ہیں بموجب روایات مرقومۃ الصدر[1] کے وہ نذر نا جائز اور کھانا اسکا نا روا ہے۔ اور جو کچھ کہ نیاز انکی نہ بطور نزدیکی حاصل کرنیکے ان سے اور نہ متعلق ساتھ کسی کام کے کرتے ہیں بلکہ اوّل اس چیز کو از راہ نزدیکی حاصل کرنیکے اللہ تعالےٰ سے دیتے ہیں اور ثواب اسکا کسی بزرگ کو بخشتے ہیں کھانا اسکا اغنیا کو در صورتیکہ نیت پہنچانے ثواب صدقہ ما کولی کی کسی بزرگ کو ہو جائز نہیں"۔

پس ثابت ہو گیا کہ تقرب غیر اللہ کیلئے نذر ماننا حرام ہے۔ اور تقرب الی اللہ کیلئے نذر ماننا واجب ہے۔ مثلاً مسجدوں کو آباد کرنا، قربانی دینا وغیرہ یہ تقرب الی اللہ کیلئے نذر ہے اور قبروں پر غلاف ڈالنا یہ تقرب غیر اللہ کی نذر ہے۔

معترض نے لکھا ہے کہ "کیا کوئی غلاف خدا پر ڈالا جاتا ہے یا کوئی نعوذ باللہ اللہ تعالےٰ کی قبر ہے جس پر غلاف ڈالا جاتا ہے۔ یہ کام کیونکر اللہ تعالےٰ کیلئے خاص ہوا؟ ہاں! روضہ مطہرہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نہایت قیمتی زربدار غلاف موجود ہے"۔

تو اسکا جواب یہ ہے۔ کہ تقرب الی اللہ کیلئے نذر ماننا جائز ہے اور تقرب غیر اللہ کیلئے بموجب اقوال مرقومہ بالا نذر ماننا حرام ہے۔ اور تقرب کیلئے نذر ماننا خاص اللہ کو ہے۔ پس غلاف قبر تقرب غیر اللہ کیلئے ہوتا ہے سو اسواسطے حرام ہوا۔ اور یہ طرح کی نذر اللہ کیلئے خاص ہوتی۔ اللہ عزوجل کی قبر تو نعوذ باللہ معترض کو معلوم ہوگی۔ ہم ایسی نذروں کے ادا کیلئے بیت اللہ اور مسجدوں کو جانتے ہیں۔ اگر وہاں غلاف نہیں چڑھتے تو کپڑوں سے فرش اور دروازوں کے پردے تو بنتے ہیں۔ فافہم۔

اعتراض نمبر ۱۴ کا جواب

(قبر کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر پکارنا اور امداد طلب کرنا)

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَّمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ (نحل) اور جن کو کہ لوگ سوا اللہ کے پکارتے ہیں وہ تو کچھ پیدا نہیں کر سکتے بلکہ خود مخلوق ہیں۔ اور مُردے ہیں۔ انکو تو اتنا پتہ نہیں کہ کب اُٹھائے جاوینگے۔ یہ آیت قبروں اور قبر پرستوں کے حق میں ہے۔ اگر بتوں کے حق میں ہوتی تو اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ نہ ہوتا۔ پس اس آیت سے ثابت ہے کہ اہل قبور نہ کچھ دے سکتے ہیں نہ پیدا کر سکتے ہیں۔ اسواسطے قبر پر جا کر پکارنا شرک ہے۔ اور یہ بھی ذکر ہو چکا ہے کہ پیروں اولیا تو کیا؟ خود سرور انبیا صلے اللہ

[1] نواب صاحب نے اس بیان سے پہلے کئی ایک روایات فقہ حنفیہ بھی نقل کی ہیں جنکی طرف یہ اشارہ فرمایا ہے۔

علیہ وسلم نے اپنی حیات پاک میں فرمادیا تھا لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا الآیہ تو وہ لوگ جاہل اور گمراہ ہے جو بعد حیات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا کسی دوسرے کیلئے نفع و نقصان میں اختیار جانے۔ اور جو شخص آنحضرت صلعم کے سوا اوروں کیلئے ایسا خیال رکھے وہ اس سے بھی گمراہ ہے اور جو لوگ بزرگوں کی قبروں کے دروازوں کے آگے کھڑے ہو کر پکارتے ہیں "یا حضرت شیئاً للہ" انہی کی نسبت اللہ نے فرمایا لَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِکُوْنَ ۔ وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ ۔ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَکُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَکُمْ وغیرہا۔ اور احادیث میں ہے۔ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا انّ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم قال فی مرضہ الّذی لم یقم منہ لعن اللہ الیہود والنّصاریٰ قبور انبیاءہم مساجد۔ اور فرمایا۔ لا تجعل قبری وثنا یعبد اشتدّ غضب اللہ تعالیٰ علیٰ قوم اتخذوا قبور انبیاءہم مساجد۔ (1) (لان) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الا وان کان من قبلکم کانوا یتخذون قبور انبیاءہم وصالحیہم مساجد فلا تتخذوا القبور مساجد انی انہٰکم عن ذالک (2)

یہ بات قابل اظہار ہے کہ مسجدیں اللہ تعالےٰ نے نماز پڑھنے اس سے مرادیں مانگنے اور اسکے آگے تضرع وزاری کرنے اور دست بستہ کھڑے ہو کر قیام کرنے اور سجدہ و رکوع کرنے کیواسطے بنوائی ہیں۔ سو جو شخص ایسے فعل کسی اور جگہ پر سوائے مسجدوں کے کرتا ہے گویا وہ اسکو مسجد سمجھتا ہے۔ اور یہ شرک بالمساجد ہے۔ اور شرک باللہ کی جڑ ہے۔ اور بیشک قبروں کو مساجد بنانے والے کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے لعن اللہ کا تمغہ دیا ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لا تجعلوا قبری عیدا وصلوا علیّ فانّ صلوتکم تبلغنی حیث کنتم یعنی میری قبر کو عیدگاہ نہ بنانا۔ (صرف) مجھپر درود بھیجا کرو۔ اور درود تمہارا مجھ کو پہنچایا جاتا ہے خواہ تم کہیں ہو۔

یعنی میری قبر پر میلا، عرس نہ کرنا۔ یہ ہر دو عید کیطرح ہوتے ہیں۔ اور عید کا مطلب بھی یہی ہے صرف درود بھیجا کرو۔ اور وہ خواہ اندلس میں پڑھا جاوے حضور کو فرشتے پہنچا دیتے ہیں۔

اس مسئلہ پر معترض نے یوں تحریر فرمایا ہے "کیا خدا کی بھی کوئی چوکھٹ ہے؟ جہاں کھڑے ہو کر پکارنا چاہیئے۔ یہ کام خدا کیلئے کیونکر ہوا؟ ہاں! آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کی چوکھٹ کے سامنے کھڑے ہو کر الصّلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ ضرور پکارا جاتا ہے اور دعائے مغفرت بھی مانگی جاتی ہے جو حضور کیلئے خاص ہے۔" (نہ کوئی آیت نہ حدیث اپنی طرف سے ہی فیصلہ)

(1) اسکا راوی عطا بن یسار ہے (مشکوٰۃ) (2) اسکا راوی جندب رضی اللہ عنہ ہے (دیکھو مشکوٰۃ)

معترض کو آجتک خدا کی چوکھٹ کا پتہ نہیں لگا۔ بیشک دین خدا کا بھی پتہ نہیں۔ خدا کی چوکھٹ وہ ہے۔ جسکے اندر حضرت رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم زاری کرکے امتی امتی پکارا کرتے اور حج کیلئے مدینہ سے تشریف لایا کرتے تھے۔ خدا کی چوکھٹ وہ ہے جسکی طرف تمام امت محمدیہ منہ کرکے نماز پڑھتی ہے خدا کی چوکھٹ وہ ہے جسکی حرمت کلام پاک میں ہے۔ خدا کی چوکھٹ وہ ہے جہاں حج کیلئے جانیکا حکم ہے۔ علاوہ اسکے ہر ایک مسجد اللہ کا گھر اور ہر مسجد کا دروازہ اللہ کی چوکھٹ ہے۔ روضہ مطہرہ کا تو دروازہ ہی مقفل رہتا ہے۔ ہاں! الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہنا روضہ مطہرہ کے سامنے بیشک جائز ہے۔ جیسے عام قبروں پر السلام علیکم یا اہل القبور کہا جاتا ہے۔ اور آنجناب سے دعائے مغفرت کرنی بیشک یہ شرک ہے نہ اصحاب نہ تابعین سے اور نہ ائمہ اربعہ سے اسکی سند ہے۔ معترض صاحب چونکہ حنفی مقلد ہیں۔ اسواسطے ایسے افعال کے جواز میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا ایک قول بھی دکھا دیں تو میں انکی بیعت کر لوں۔ ہاں! میں نے ان افعال کے خلاف ایک دو قول امام موصوف کے لکھدیئے ہیں۔ فقد خلت۔ اور دعا لغیر اللہ پر بکثرت روایات گزر چکی ہیں +

فرمایا اللہ عزوجل نے اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَاۗءَ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا (کہف) کیا پس گمان کیا ہے ان لوگوں نے جو کافر ہوئے یہ کہ پکڑیں میرے بندوں کو مددگار تحقیق ہم نے تیار کیا ہے دوزخ کافروں کیلئے مہمانی +

پس ثابت ہوگیا۔ جو اللہ کے اسکی مخلوق کو مددگار سمجھے اور انہیں پکارے حاجتیں طلب کرے وہ کافر ہوگیا۔ اور ٹھکانا اسکا دوزخ ہے۔ اس بحث ایک بڑا بھاری منصف انصاف کرتا ہے یعنی حضرت محبوب سبحانی سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کے ملفوظات شریفہ سے چند کلمات طیبات لکھے جاتے ہیں۔ دیکھو فتوح الغیب مقالہ نمبر ۴۲ –

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال بینا انا ردیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ قال یا غلام احفظ اللہ یحفظک احفظ اللہ تجدہ امامک فاذا سألت فاسئل اللہ واذا استعنت فاستعن باللہ جف القلم بما ھو کائن ولو جھد العباد ان ینفعوک بشیٔ لم یقضہ اللہ لک لم یقدروا علیہ ولو جھد العباد ان یضروک بشیٔ لم یقضہ اللہ علیک لم یقدروا فان استطعت ان تعمل للہ بالصدق فی الیقین فاعمل وان لم تستطع فاصبر فان فی الصبر علی ما تکرہ خیرا کثیرا واعلم ان النصر مع الصبر والفرج مع الکرب وان مع العسر یسرا فینبغی لکل مومن ان یجعل ھذا الحدیث مرآۃ لقلبہ وشعارہ ودثارہ وحدیثہ فیعمل بہ فی جمیع حرکاتہ وسکناتہ حتی یسلم فی الدنیا والاخرۃ ویجد العزۃ

فیہا برحمتہ اللہ عزوجلؐ (مقالہ ۴۲) ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک وقت میں جبکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا مجھ سے مخاطب ہو کر حضور نے فرمایا "اے بیٹا! تو خدا کے حقوق کی حفاظت کر۔ خدا تیری حفاظت کریگا۔ تو خدا کے حقوق محفوظ رکھ تو خدا کو اپنے سامنے پاویگا (اسکی تفصیل آنحضرت نے یہ فرمائی) کہ جب تو سوال کیا کرے تو اللہ ہی سے کر اور جب تو مدد چاہیے تو اللہ ہی سے چاہ۔ جو کچھ ہونا ہے ہو چکا ہے۔ اگر تمام مخلوق تجھے کچھ فائدہ پہنچانا چاہے جو خدا نے تیرے لئے مقدر نہ کیا ہو۔ تو کبھی قدرت نہ پاسکینگے اور اگر تمام مخلوق تجھے کوئی ضرر پہنچانے کا ارادہ کرے جو خدا نے تیرے لئے مقدر نہ کیا ہو تو کبھی نہ پہنچا سکینگے۔ پس اگر تو طاقت رکھے کہ سچائی اور یقین کے ساتھ اللہ کیلئے عمل کرے تو کر اور اگر عمل کی طاقت نہیں رکھتا تو تکلیفوں پر صبر کیا کر کیونکہ صبر میں بھی بہت سی بھلائی ہے۔ اور تو جان کہ اللہ کی مدد صبر کے ساتھ ہے اور آسانی تکلیف سے متصل اور تنگی کے ساتھ آسانی (اس حدیث کے بعد حضرت پیر صاحبؒ فرماتے ہیں) پس ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس حدیث کو اپنے دل کا آئینہ اور اپنے جسم کا اندرونی اور بیرونی لباس بنائے اور اپنی ہر ایک بات میں اسی کو پیش نظر رکھے اور اپنی تمام حرکات و سکنات میں اسی پر عمل کرے (کہ خدا کے سوا کسی مخلوق سے امداد اور استعانت نہ کرے نہ کسی سے امید نفع و نقصان رکھے) تاکہ دنیا و آخرت میں سلامتی سے رہے اور اللہ کی رحمت سے عزت پاوے"۔

حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمتہ اللہ علیہ کے قول پر اس بحث کا خاتمہ کیا جاتا ہے۔

در بلا یاری مخواہ از ہیچکس زانکہ نبود جز خدا فریادرس
غیر حق را ہر کہ خواند اے پسر کیست در دنیا ازو گمراہ تر

اعتراض نمبر ۱۵ کا جواب

(قبروں پر روشنی کرنا)

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ زائرات القبور و المتخذین علیہا المساجد والسرج۔ (مشکوۃ) ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے ذکر کیا کہ ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ لعنت کی اللہ نے ان عورتوں پر جو زیارت کریں قبروں کی اور ان لوگوں کو لعنت کی جو بناویں قبروں کو مسجدیں اور روشن کریں قبروں پر چراغ۔

اس پر معترض نے لکھا ہے "کیا خداوند تعالے کے گرد بھی کہیں روشنی کیجاتی ہے (کہ مولوی محمد اسمعیل نے اسے خدا کیلئے خاص لکھا ہے) یہ کام خدا کیلئے کیسے خاص ہوا۔ ہاں روضہ مطہرہ آنحضرت

صلے اللہ علیہ وسلم کے گرد نہایت عمدہ خوشبودار روشنی وہابیہ سوز کی جاتی ہے۔ جس سے وہابیہ کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں اسلئے وہاں جاتے ہی نہیں ۔ (معترض بڑا مہذب ہے) ۔

پیچھے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث اور جناب نواب قطب الدین صاحب علیہم الرحمۃ کے اقوال اور تفسیر نیشاپوری کے حوالہ سے بتایا گیا ہے کہ نذر تقرب غیر اللہ کیلئے حرام ہے۔ اور ایسی نذر ماننا خدا کیلئے ہی خاص ہے۔ پس تقرب الی غیر اللہ کیلئے ہی لوگ قبروں کے سر پر چراغ جلاتے ہیں اس سبب سے لعنت کا طوق لیتے ہیں۔ یہ وجہ تو ہے اسکے اللہ کیلئے خاص ہونے کی۔ اور جو یہ لکھا ہے کہ "کیا کہیں خدا کے گرد بھی روشنی کی جاتی ہے؟" اسکا مطلب یہ ہے کہ گرد تو نہیں مگر اللہ کے گھروں میں روشنی کرنیوالے پر رحمت ہوتی ہے اور خدا کیلئے جو کام خاص ہیں وہ اکثر مساجد میں ادا ہوتے ہیں۔ اور جو کام علاوہ مساجد کے ان قسموں سے کیا جاتے بیشک وہ حرام اور باعث لعنت ہے۔ اور یہ جو لکھا ہے کہ روضہ کے گرد خوشبودار روشنی وہابیہ سوز الخ۔ تو یہ بتانا چاہیئے کہ روشنی کے شمعدان آنحضرت صلعم کی قبر مبارک کے سر پر جلتے ہیں؟ یا روضہ مطہرہ کے باہر؟ اگر روضہ کے گرداگرد روشنی ہوتی ہے تو یہ تو زائرین کے آرام کیلئے ہے نہ کہ نذر لغیر اللہ اور یہ وہابیہ سوز نہیں اور نہ معترضوں سے یہ دلیل ہے۔ اگر روضہ مطہرہ کے اندر قبر مبارک کے سر پر چراغ جلتے ہیں تو بیشک وہابیہ سوز بلکہ دین اسلام سوز ہے۔ کیونکہ جس فعل پر آنحضرت صلعم نے لعنت کی ہو وہ بیشک اسلام کو خراب ہی کرنیوالا ہوتا ہے اور بیشک اسکے رواج پانے سے اہل اسلام اور خاص اسلام کو دکھ اور ضرر پہنچتا ہے ۔ (معترض خود حاجی ہیں اللہ سب کو مکہ و مدینہ کی زیارت مسنون طریقہ سے نصیب کرے۔ اور معترض صاحب سال بسال جاتے رہیں آمین) ۔

غور کا مقام ہے کہ جو عام خانقاہوں کے سر پر ایک خاص جگہ شمعدان بنا کر روشنی کرتے ہیں یا قبر کے سر پر قندیل لٹکائی جاتی ہے اس سے غرض کیا ہوتی ہے؟ اور اہل قبر کو اس سے فائدہ کیا؟ صرف نذر لغیر اللہ ہے اور حرام ہے اور صاحب قبر اس سے سخت بیزار ہیں۔ کیوں نہ ہوں؟ جو کام باعث لعنت ہے وہ اُنکی قبر پر ہو رہا ہے۔ اور یہ بھی قابل غور بات ہے کہ اگر اہل قبر اولیاء اللہ ہے تو اُسے اپنے اعمال کی روشنی قبر کے اندر کفایت کر سکتی ہے اور بیرونی روشنی کی انہیں کوئی ہرگز ضرورت نہیں۔ اور اگر صاحب قبر گنہگار ہے تو جبکہ اسکی قبر کے اندر تاریکی گھٹا ٹوپ ہے تو بیرونی روشنی کو وہ کیا کرے؟ پس ہر دو کیلئے یہ فعل بجائے نافع ہونے کے مضر ہے۔ ہاں! اللہ کی نذر مان کر مسجدوں میں چراغ جلانا بیشک باعث رحمت ہے اور ایسا ہی کرنا چاہیئے ۔

اعتراض نمبر ۱۶ کا جواب

(قبروں پر فرش بچھانا)

قبروں کے اوپر تو بیشک فرش نہیں بچھتا۔ ہاں! مسجدوں میں فرش فروش عمدہ طریقہ سے بچھایا جاتا ہے تاکہ اللہ کے گھر کا ادب اور زینت کی جاوے۔ قبروں پر جو بدعتی لوگ مجالس اور اعراس قائم کرکے باجا تعنی راگ ناچ کراتے اور خوشیاں مناتے ہیں اور لا تتخذوا قبری عیدًا کے خلاف کرکے باعث خرچ اذامت ہوتے ہیں۔ جبکہ قبروں کو عید بنانا۔ میلا کرنا مجلسیں کرنا ہی ممنوع ہیں تو فرش کاہے کو بچھانا چاہئے۔

قول معترض:۔ کیا کوئی فرش بھی نعوذ باللہ خدا کے بیٹھنے کیلئے بچھایا جاتا ہے؟ یہ کلام خاص خدا کیلئے کیسا ہوا؟ ہاں! روضہ مطہرہ آنحضرت صلعم پر نہایت عمدہ عمدہ قیمتی قالینیں بچھی ہوئی ہیں۔ کافی زینت بغرض تعظیم حضور انور کے ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الآیۃ حکم خداوندی کے مطابق ہے۔ وہا بیو! جلو بھنو! مگر کسی کی مت سنو!"

بیشک اللہ عزوجل کے بیٹھنے کو کہیں فرش نہیں بچھتا۔ مگر کبھی یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ فلاں قبر پر فرش بچھایا۔ تو صاحب قبر نکلکر اوپر بیٹھے۔ بموجب حدیث مذکور کے جبکہ قبروں پر مجلس یا میلا وغیرہ کرنا ہی حرام ہے تو اس میلا کیلئے سامان درست کرنا کیا حلال ہوگا؟ اگر آنحضرت صلعم کے روضہ کے گرد قالینیں ہیں تو یہ دین میں حجت نہیں۔ حجت تو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔ اول تو ان کا صحیح سے ثابت کرنا چاہئے۔ اگر یہ نہیں تو آثار سے ہی شہادت دو۔ زندگی میں تو قیمتی زر بدار اور ریشمی کپڑے مردوں کو حرام مگر بعدہ قبروں پر کیسے جواز؟ آہ! معترض صاحب کو یہ بھی خوب سوجھی۔ کہ مسجدوں کی زینت اور زندے آدمیوں کی زینت قبروں پر بحوالہ آیت لکھدی مگر بحوالہ معترض آیۃ کا مطلب یہ ہے:۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ "قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ" آیہ بحوالہ معترض پچھلی آیت سے ملحق ہے۔ یعنی اے اولاد آدم! مسجدوں میں جانے کیلئے ستھرے اور عمدہ کپڑوں سے) اپنی زینت کر لیا کرو۔ (بیشک کھلے دل) کھاؤ پیو (اور پہنو) مگر ضائع خرچ نہ کرو۔ کیونکہ اللہ مسرفوں کو دوست نہیں رکھتا۔ کہدو یا محمد! کہ جو زینت (کپڑوں) اور حلال پاکیزہ چیزیں کھانیکو اللہ نے تیار کی ہیں انہیں کون حرام کر سکتا ہے۔ اس آیت سے مسجدوں اور زندے آدمیوں کی زینت ظاہر ہے۔ یہود و نصاریٰ کے راہب اچھی چیزوں کا کھانا اور اچھا لباس پہننا ترک

کرکے حجروں در پستشگاہوں میں گندے اور میلے کچیلے رہا کرتے تھے۔ تو اللہ نے فرمایا مسجدوں میں زینت کرکے آیا کرو۔ اللہ نے اچھا کھانا اور زینت کرنا حرام تو نہیں کردیا۔ صرف اتنا ہے۔ کہ تم اعتدال سے برتو۔ اللہ کی نعمتوں کو ضائع نہ کرنا۔

بیشک یہ آثار قیامت سے ہے کہ مسجدوں کی بھی تعظیم بلکہ اس سے بڑھکر اور مسجدوں کے متعلق کی آیات و احکام قبروں کیلئے جاری کرد ئے جائیں۔ اسیواسطے آنحضرت کا فرمان ہے کہ میری امت کے اخیر زمانہ میں بعض...... لوگ شریعت کے خلاف فتوے دینگے اگر انکو پاؤ تو قتل کردینا۔ (بخاری)

اللہ کیلئے فرش بچھانے کی جگہ مساجد ہیں۔ اور مساجد کی زینت کرنا باعثِ مغفرت ہے اور اللہ نے حکم دیا ہوا ہے۔ اور قبروں پر مسجد کے سے افعال کرنا باعثِ لعنت ہے۔ افعال تو کجا؟ آہ! اب تو مسجدوں کے متعلق کی آیات قبروں پر عائد کی جارہی ہیں۔ کہاں سے عمرؓ فاروق کو لاؤں جو یہ فرق نکالدے۔ اللھم احفظنا عن الدین المصنوعی۔

اعتراض نمبر ۱۷ و ۱۸ کا جواب

(قبروں پر وضو اور غسل کیلئے پانی کا سامان کرنا)

اسکا مطلب یوں ہے۔ کہ پیروں فقیروں کے عرسوں کے میلوں پر اکثر جہلا جو خود تو نماز سے تارک ہوتے ہیں۔ یہ نذر مانتے ہیں۔ کہ "اے پیر! اگر میرا فلاں کام ہوجاوے تو میں تیرے میلہ پر جاکر لوگوں کو پانی پلاؤنگا۔ نہانے کیلئے سامان کرونگا، سینکنے یا اور ضرورت کیلئے آگ جلا رکھونگا۔

تو ایسی نذر شرک اور کفر سے ذرا کم نہیں۔

قول معترض "یہ بھی خوب کہی۔ پانی پلانا بھی خدا کو ہی چاہیئے ورنہ شرک ہے اگر اور کسی کو پلادیا یہ بھی خاصۂ خدا ہے...... خدا کو بھی غسل اور وضو کی ضرورت ہے۔ شاباش! کیا آپکا امام الطائفہ یہ چاہتے ہیں سب لوگ بے غسل اور بے وضو نماز پڑھیں یا یہ کہ جس شخص نے نمازیوں کیلئے یہ سامان کیا وہ مشرک ہے"۔

(صاحب علم کو ایسے اعتراض نہیں سوجھ سکتے۔ یہ لیاقت میرے مخاطب معترض کی ہے)

ذرا سوچنا چاہیئے۔ کہ مذکورہ طرز سے قبروں پر جاکر لوگوں کو پانی پلانے کی نذر کا ایفا بموجب اقوال بزرگان دین مندرجہ صفحہ ۱۰۹ و ۱۱۰ حرام ہے یا نہیں؟ کیا مولانا شہیدؒ صاحب نے قبروں پر ایسا کرنیکو منع فرمایا ہے یا مسجدوں میں؟ اگر مسجدوں میں پانی جمع رکھنے کو منع فرمایا ہے تو ہم مان لیتے ہیں کہ بے غسل و بے وضو نماز پڑھنے کو کہا ہے۔ اگر قبروں کے متعلق ہے تو کیوں تحریر کو بدلا جارہا ہے؟ اگر شاہ عبدالعزیز کے قول کے مطابق تقرب غیر اللہ کیلئے نذر ماننا حرام ہے

تو کیوں جائز کیا جاتا ہے؟ یا کہ شاہ عبدالعزیز کا قول غلط ہے؟ کیا شہید صاحب کو اسقدر بھی علم نہ تھا یا نعوذ باللہ مسجدوں اور خدا سے انہیں بغض تھا۔ کہ وضو کیلئے پانی جمع کرنا شرک لکھدیا؟ یا کہ آپ لوگ سمجھ نہیں سکتے یا کہ یونہی للہ فی اللہ بغض ہے؟ اللھم اغفر لنا ولجمیع المومنین ٭

اعتراض نمبر ۱۹ کا جواب

(قبروں کے کوؤں کے پانی کو متبرک سمجھ کر پینا، پلانا اور غائبوں کے لئے لے جانا)

اس بحث پر معترض صاحب نے تحریر فرمایا ہے "یہ کام بھی خاص خدا کو کیونکر ہے؟ کیا کوئی کنواں بھی خداوند تعالے کا ہے" الخ

ہم بتاتے ہیں کہ یہ کام خدا کیلئے خاص کیونکر ہے؟ اور خدا کا کنواں کہاں کہاں ہے؟ سنو احادیث صحیحہ میں وارد ہے۔ کہ انبیاء کے ترکہ کا کوئی وارث نہیں۔ اور ان کا ترکہ وقف ہوتا ہے اور اَلْوَقْفُ لَا یُمْلَکُ وقف کسی کی ملکیت نہیں ہوتا۔ وہ خدا کا مال ہوتا ہے۔ تو ثابت ہے کہ چاہ زمزم حضرت اسمعیل علیہ السلام کی ملکیت نہیں اور آب کوثر بر آنحضرت کی ملکیت نہیں ہے۔ یہ دونو چاہ وقف ہیں اور وقف اللہ کا ملک ہوتا ہے۔ یہ دونو کوئیں بلکہ تمام مسجد کے کوئیں بھی اللہ کے کوئیں ہیں۔ پس اللہ کے کوؤں کا پانی متبرک سمجھکر پیو، پلاؤ، غائبوں کیلئے لیجاؤ۔ عام اجازت ہے۔ اگر اللہ کے مال کی طرح بندوں کے مال کو ثابت کرنا اور ویسی ہی تعظیم کرنا شرک نہیں تو اور کیا ہے؟

بڑی بڑی مزاروں پر دیکھا جاتا ہے کہ وہاں کے حوضوں، کوؤں کے پانی کو متبرک سمجھ کر لوگ ماتھے پر لگانے، آنکھوں میں ڈالتے اور ایک دو گھونٹ پی کر دافع امراض سمجھتے ہیں۔ اسقدر متبرک اور قابل تعظیم اور دافع امراض اللہ کے کوؤں کے پانی کو تو نہیں سمجھا جاتا۔ بت پرستی کیا ہے اور شرک کیسا ہوتا ہے؟ اللہ تعالے مولانا شہید کو جنت اعلےٰ میں جگہ دیں جنکی کوشش سے لکھوکھا خلقت نے راہ پائی۔ بلکہ تمام سلف کیلئے دعا ہے۔ اللھم اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ٭

اعتراض نمبر ۲۰ کا جواب

(قبروں سے رخصت ہونے وقت الٹے پاؤں چلنا اور اسکے گردو پیش جنگل کا ادب کرنا)

قبروں کا اتنا ادب اور بیت اللہ و خانۂ خدا کا ادب ذرہ بھر نہیں۔ اور نہ ہی اسقدر کلام اللہ کا ادب۔ جو ادب کے طریقے حرمین شریفین کیلئے مشروع ہیں وہی آج ہر ایک پیر فقیر کی قبر پر رائج

ہیں۔ اگر مدینہ طیبہ حرم ہے تو بسبب آنجناب سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے وہاں مدفون ہونیکے تو حرم نہیں ہوا۔ کہ حرم بوجہ قبر آنحضرت صلعم سمجھا جائے۔ نہیں مدینہ طیبہ کو آپ نے حیات پاک میں ہی حرم بنایا تھا۔ پس مدینہ کی حرمت بباعث روضہ مطہرہ نہیں نہ ہی یہ حرمت روضہ کے متعلق ہے۔ اسواسطے ایسے افعال حرمین کیلئے تو مشروع ہوئے۔ علاوہ حرمین جہاں جہاں یہ فعل قبروں پر رائج ہیں کیا وہ قبریں بھی نعوذ باللہ حرم ہیں؟ بہتان باندھنا ایک علیحدہ بات ہے۔ مگر اس مسئلہ میں مولانا شہید کا مفہوم حرمین شریفین نہیں ہے۔ بلکہ عام قبریں جو فی زمانہ حرمین سے بھی کسی قدر بڑھ چکی ہیں مراد ہے۔ ایک صاحب حافظ احدیث کی نسبت کیونکر گمان کیا جائے کہ وہ مدینہ کو حرم نہیں مانتا؟

اعتراض نمبر ۱۲ کا جواب

(قبر کو بوسہ دینا)

یہاں پر معترض صاحب نے تحریر فرمایا ہے "یہ کام بھی اللہ تعالے کیلئے خاص کیونکر ہوا؟ کیا اللہ کی بھی کوئی نعوذ باللہ قبر ہے جسکے بوسہ دینے کا حکم ہے۔ عام لوگوں کی قبر کو بوسہ دینا جائز ہے۔ تو اگر کسی نے نہایت محبت کیساتھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے روضہ مطہرہ کو بوسہ دیا۔ تو وہ مشرک کیسے ہو گیا؟ وہابیوں کے دادا پیر حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ محدث دہلوی اپنے والدین کی قبر کو بوسہ دیا کرتے تھے الخ"

بیشک بوسہ دینا حجر اسود کو مناسکات حج سے ہے اور حج اللہ کیلئے خاص ہے۔ پس فعل عبادت بالتقرب باللہ سمجھکر کرنا خاص اللہ کیلئے حجر اسود پر کیا جاتا ہے۔ اور تقرب لغیر اللہ کیلئے حرام ہے۔ اور جو لوگ اپنے پیروں کی قبروں کو بوسہ دیتے ہیں ظاہر ہے کہ انکی مراد تقرب لغیر اللہ ہوتی ہے۔ اور یہ حرام ہے۔ یہ بات ظاہر ہے جب حجر اسود کی تعظیم حد اعتدال سے بڑھنے لگی تو حضرت عمرؓ کو سخت غیرت آئی۔ تو اگر آج فاروقؓ سا عدل گستر موحد امیر المومنین ہو تو قبر پر بوسہ دینے والوں کی بغیر گفت و شنید کے گردن اڑانے کا حکم دے۔ صحابہؓ تابعینؒ اور ائمہ اربعہؒ تابعینؒ تو ثابت نہیں کہ کسی نے کسی کی قبر کو بوسہ دیا ہو آج کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ بوسہ کیا آج تو قبر کو سجدہ کر لینا جائز ہو رہا ہے۔ شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ کا قبر کو بوسہ دینا کون مانے۔ انکی تحریر دوسری تو مخالف ہے۔ تو اسکے خلاف انکا فعل کیونکر ہو سکتا ہے؟ دیکھو! شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے "کہ بوسہ دینا قبر کو عادت نصاریٰ کی ہے یعنی بدعت نکالی ہوئی نصاریٰ کی ہے" تو پھر شاہ عبدالعزیز کی نسبت کیونکر مانا جائے کہ وہ فعل نصاریٰ کے مرتکب تھے؟ (نعوذ باللہ)؟

اعتراض نمبر ۲۲ کا جواب

(قبر پر مورچھل کرنا)

قبروں پر مورچھل سے جھلتے تو نہیں۔ ہاں! مورچھل کا جھاڑو دیتے ہیں۔ بلکہ بعض جاہل مرد اور اکثر جاہل عورتیں اپنے سر کے بالوں سے اپنے پیروں کی قبروں پر جھاڑو کرتے ہیں سو یہ کام اللہ کیلئے ہے اور ایسا ادب (بقول معترض اللہ کی قبر پر تو نہیں (نعوذ باللہ) اللہ کے گھر و نکو کرنا چاہیئے اور اسقدر ادب کے لائق وہی ذات ہے۔ بیت اللہ شریف (مع تمام مسجدوں کے) صاف رکھنے کا اللہ نے ہم سے عہد لیا ہوا ہے۔ اور قبروں کو ایسا بنانے کا کہیں ائمہ اربعہ سے بھی حکم نہیں ۔

فرمایا اللہ کریم نے وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ یعنی حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہم السلام سے اقرار لیا گیا کہ اعتکاف طواف رکوع اور سجود کرنے والوں کیلئے میرے گھر کو پاک و صاف رکھیں۔ اور یہی تمام مسلمانوں کیلئے دیگر مساجد کیواسطے حکم ہے۔ پس یہ حکم اگر کہیں قبور کیلئے ہے تو بتائیے۔ جبکہ قبروں پر اعتکاف۔ رکوع، سجود وغیرہ حرام ہے۔ اور اس مورچھل جھلنے سے صاحب قبر کو کچھ فائدہ نہیں تو کریں کاہے کو؟

اعتراض نمبر ۲۳ کا جواب

(قبر پر شامیانہ کھڑا کرنا)

قول معترض "یہ شامیانہ بھی نعوذ باللہ خدا کی قبر پر کھڑا کرنا چاہیئے ورنہ شرک ہے"۔

سبحان اللہ ایسے بے ادب اور گستاخ لوگ بھی ہیں۔ جو مسئلہ کو الٹا کر اکیدوسرے پر بہتان لگانے کیلئے اللہ عزوجل کی قبریں بنانے لگیں۔ یہ خبر تو معترض صاحب کو ہوگی۔ کہ (نعوذ باللہ) کوئی اللہ کی قبر ہے۔ کیونکہ اسکے مذہب میں بڑے رب ہیں۔ اور بہت مخلوق خالق جیسے کام کر سکتی ہے۔ تو کیوں نہ وہ اللہ کا سا ادب اور تعظیم دوسروں سے کریں؟ کیا خوب لکھا مولانا حالی مرحوم نے ؎

اک گور پرست نے یہ دہری سے کہا ہوگا نہ شقی کوئی جہاں میں تجھ سا
دہری نے کہا کہ کیا خدا کا منکر اس سے بھی گیا کہ جسکے لاکھوں ہوں خدا

جبکہ اہل قبر کو سردی گرمی کا احساس نہیں ہے تو شامیانہ کی اُسے کیا ضرورت؟ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا روضہ مبارک بنا ہوا تھا تو کس امیر المؤمنین نے شامیانہ گڑوایا تھا؟ اور اسکے لگانے کی اصل غرض تقرب لغیر اللہ ہوتی ہے سو حرام ہے۔ یا میلا کے مجمع کے آرام کیلئے۔ سو میلا کرنا بھی بفحوائے حدیث لَا تَتَّخِذُوا بَيْتِي عِيدًا حرام ہے اور میلا کا سامان کرنا بطریق اولیٰ حرام ہوا۔

اعتراض نمبر ۴۲ کا جواب

(قبر پر مجاور بنکر بیٹھ رہنا)

حدیث شریف لَا تَجْلِسُوْا عَلَی الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَیْھَا - یعنی نہ تو قبر پر بیٹھو اور نہ ہی انکی طرف نماز پڑھو - تو بیٹھنے کے معنی دو طور پر ہو سکتے ہیں - ایک تو یونہی قبر پر سرینوں کے بل بیٹھنا اور دوسرے قبروں پر مجاور بنکر بیٹھنا - اور یہ دونو طریق مشروع نہیں بلکہ ممنوع ضرور ہیں +

فرمایا اللہ نے وقالوا لاتذرن آلھتکم ولا تذرن ودا ولا سواعا ولا یغوث ویعوق ونسرا - کہا گیا ہے کہ ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر قوم نوحؑ میں ایک صالحین کا گروہ تھا - جب وہ مر گئے تو لوگوں نے پہلے انکی قبروں پر اعتکاف کئے - پھر انکی تصویریں بنوائیں - پھر ایک مدت کے بعد انکی پوجا شروع کر دی - بخاریؒ نے ابن عباسؓ سے اور محمد ابن جریر طبری نے تفسیر بہت سی روایات سے یہی معنی لئے ہیں +

تو اب معلوم کر لینا چاہئے - کہ قبروں پر اعتکاف کرنا بنائے شرک ہے اور یہی معنی ہیں مجاور بنکر بیٹھنے کے بچشم خود دیکھا گیا ہے کہ قبروں کے مجاور اپنے کو سجدہ کرواتے اپنے پر نذر و نیاز چڑھواتے ہیں - تو کیا مجاور اسی غرض سے بنتے ہیں - اور جو نذریں قبروں پر چڑھتی وہ بیشک تقرب غیر اللہ کیلئے ہوتی ہیں اور بیشک حرام ہوتی ہیں - اور وہ مجاور حرام خور ہیں - اس مسئلہ کا بیان کرنے سے روضہ مطہرہ کے مجاور مقصود نہیں - بلکہ یہاں کی قبریں ہیں جو بیت اللہ اور روضہ مطہرہ سے بھی بڑھ چکی ہیں - روضہ مطہرہ کے مجاور تو ایسا فعل کر ہی نہیں سکتے - سجدے اعتکاف وہاں نہیں ہوتے کیونکہ روضہ مطہرہ مقفل رہتا ہے - اور اگر کوئی سجدہ کرے تو جوتیاں تیار ہیں - مگر ہمارے ملک میں مجاور سجدے کرواتے علما جواز کا فتوے دیتے اور جو اس سے منع کرے اسے کافر کہتے ہیں - بموجب حکم شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسے لوگ خود کافر ہیں - اور عقل سے کام لیا جائے - تو یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ اولیاء اللہ بلکہ تمام انبیا اپنی زندگی میں تو ظاہری آرائش سے گریزاں تھے - اور بعد حیات تو انھوں کا ان آرائشوں سے واسطہ ہی نہیں - انکو تو اللہ نے اپنے اعمال کی آرائش سے قبروں کے اندر کافی زینت دیدی ہے تو اب باہر کی صفائی اور بنائے عمارات سے انہیں کیا حاصل؟ اور مجاور بیٹھنے سے کیا غرض؟ روضہ مطہرہ کی نصارے سے حفاظت کیلئے بنائے عمارت ہوئی اور باقاعدہ مجاور بھی بغرض حفاظت مقرر ہوا - تو یہ غرض اُسکے سوا اور جگہ تو پیش نہیں آئی - پھر ضرورت کیا - اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک تو ابتک کچی ہے - دوسرے اولیاءؒ کی قبروں پہ سنگ مرمر نصب کرنیکا کیا مطلب؟ یا ان کا درجہ (نعوذ باللہ) آنحضرت صلعم سے بڑھ گیا ہے +

عن ابن مسعود ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا فانہا تزھد فی الدنیا و تذکر الاٰخرۃ ۔ (مشکوۃ) ابن مسعود سے مروی ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کیا تھا۔ سو تم زیارت کیا کرو کیونکہ قبروں کو دیکھنا بے رغبت کرتا ہے دنیا سے اور یاد دلاتا ہے آخرت کو ۔ (یہ میرا آخری جواب ہے)

اس غرض کے سوا احادیث میں اور کوئی بات ثابت نہیں جس واسطے زیارت قبور کی جاوے کیونکہ اُن سے حاجات کا طلب کرنا ایسے ہی بنیاد شرک ہے جیسے ایک قوم نے ودّ ۔ سواع ۔ یغوث ۔ یعوق اور نسر کی قبروں پر پہلے تو اعتکاف کئے پھر تصویریں بنائیں پھر انکی پوجا شروع کردی ۔ کمی تو اب بھی صرف اتنی ہے کہ بُت تیار نہیں ہوسکے ۔ ورنہ قبروں پر اعتکاف بھی ہورہا ہے اور سجدے بھی کئے جارہے ہیں حاجات بھی طلب کی جارہی ہیں ۔ تو شرک اور کس طرح کا ہوتا ہے ؟

پس جو کوئی مشروع طریقہ سے زیارت قبور کو جاوے ۔ تو بیشک جائز، مباح اور سنت ہے ۔ اور جس زیارت سے نہ دنیا کی رغبت کم ہو اور نہ آخرت یاد آوے وہ زیارت درست نہیں پھر جو کوئی قبر کی زیارت کو اس واسطے جاوے کہ وہاں نماز پڑھے ۔ اور قبر کا طواف کرے یا اسکو بوسہ دے یا اپنے رخسارے اور چھاتی قبر پر ملے یا سجدہ کرے اور صاحب قبر کو پکارے اور ان سے مدد مانگے ۔ روزی، اولاد، مرض کی شفا، قرض سے چھٹکارا چاہے ۔ اور کچھ حاجت مانگے یا نذر و نیاز چڑھاوے ۔ لڑکے لڑکیوں اور عورتوں کو لے جاوے یا وہاں روشنی مجلس میلہ کرے یا اور کچھ خرافات کرے سو وہ بدعتی ہے یا مشرک یا مرتکب مکروہ اور فعل حرام کا ۔ سو اس زمانہ میں اکثر لوگ قبروں پر انہی کاموں کے واسطے جاتے ہیں ۔ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت یاد کرنیکو کوئی نہیں جاتا ۔ بلکہ دنیا ہی کی رغبت کے سبب جاتے ہیں ۔ اور جو کوئی منع کرے اس سے مقابلہ کرتے ہیں ۔ اور بحث کیلئے تیار ہو بیٹھتے ہیں ۔ یا منع کرنیوالے کو بے ادب قرار دیکر وہابی کہہ دیتے ہیں ۔ سبب اسکا یہ ہے کہ بعضے مولوی دنیا طلب اور نام کے مشائخ عاقبت سلب قبروں پر جاکر مراقب ہو کر بیٹھنے لگے، عرس کرنے لگے، روشنی راگ وہاں ہونے لگا ۔ اور ریوڑی گٹا حلوا شیرمال چڑھنے لگا ۔ چادریں مفت کی آنے لگیں ۔ اور عورتیں جوان بوڑھیاں جانے لگیں ۔ نوبت نقارے بجنے لگے ۔ نذر و نیاز کا روپیہ پیسہ جمع ہونے لگا وہ مولوی تھا اور شیخ پجنے لگے ۔ تب انہوں نے عوام جاہلوں کے خراب کرنیکو دو چار ادھر اُدھر کے قصے کہانیاں اُن قبروں والوں کی بنالیں ۔ دو ایک روایتیں جھوٹی سچی نکال لیں ۔ دو تین حدیثیں اور حیلہ کی اپنے مطلب پر لگالیں ۔ اپنی دنیا کا نام کیا اور لوگوں کی عاقبت کو تباہ کیا ۔ بلکہ اپنا منہ سیاہ کیا ۔ پھر ایسے لوگ اُنکے کلام اور بات کی سند پکڑنے لگے ۔ حالانکہ مسلمانوں کو اللہ اور رسولؐ کے سوا کسی کی سند نہ پکڑنا چاہئے ۔

فیصلۂ ثالث

علامہ محی الدین محمدؒ برکوی حنفی رضی اللہ عنہ مصنف "الطریقۃ المحمدیہ" متوفی ۹۸۱ھ ہجری
جنہوں نے شیخ عبداللہ قرمانی بیرامیؒ سے مدارج سلوک طے کئے تھے اپنے رسالہ زیارت قبور میں
جو کتاب "الرد الوافر" مصری کے ساتھ چھپا ہوا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں (ترجمہ)

"قبر کے پاس دعا کرنا یا اہل قبور کے طفیل اللہ تعالےٰ سے دعا مانگنا دو حال سے خالی نہیں۔
(۱) یا تو وہ دیگر جگہوں سے دعا کے حق میں افضل ہے۔ (۲) اور یا افضل نہیں۔ اگر افضل ہے تو پھر
صحابہ تابعین اور تبع تابعین سے یہ بات کیوں پوشیدہ رہی۔ کہ انکو نہ تو اس بات کا علم ہوا اور نہ ہی
انہوں نے اسپر عمل کیا۔ اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ان تین فضیلت والے زمانوں میں لوگ بڑی بھاری
فضیلت سے بیخبر رہے۔ اور ان پچھلے لوگوں کو اسکا علم ہوگیا۔ اور اُسپر عمل ضروری ٹھہرا؟ اور یہ بھی
ممکن نہیں کہ ان تینوں زمانوں کے لوگوں کو اسکا علم ہو اور انہوں نے اسمیں غفلت برتی ہو۔ کیونکہ وہ
ہر نیکی کے کام میں بہت حرص کرتے تھے۔ بالخصوص مصیبت کے وقت تو انکو ضرور یاد آجانا چاہئے
تھا۔ کیونکہ لاچاری کے وقت انسان ہر ایک نجات کے سبب کی طرف طبعًا دوڑتا ہے اگرچہ اسمیں
کسی قسم کی کراہت ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ انکو کثرت سے حاجتیں پیش آئی ہوں۔
اور انکو قبروں کے پاس دعا کرنیکی فضیلت کا علم بھی ہو۔ اور پھر انہوں نے قبروں کا قصد نہ کیا ہو۔ یہ طبعًا
اور شرعًا محال ہے۔ پس دوسری بات بھی متعین ہوگئی۔ کہ قبروں کے پاس دعا میں کوئی فضیلت نہیں۔ اور نہ
یہ مشروع ہے۔ اور نہ اسکی اجازت شریعت نے دی۔ بلکہ یہ قبر پرستوں کی شرارت ہے۔ اور اللہ تعالےٰ
نے اسکو مشروع نہیں کیا۔ اور نہ ہی اُس پر کوئی دلیل اُتاری۔ (یہ سب معاملہ ایجاد بندہ کی قسم سے ہے)
اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اُن باتوں کو بھی ناجائز قرار دیا ہے جو اس سے بہت کم
درجہ کی ہیں۔ جیسے کہ معرور بن سویدؓ سے (بہت طرق سے) مروی ہے۔ کہ میں نے حضرت عمر بن
خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ شریف کے راستہ میں صبح کی نماز پڑھی۔ اُنہوں نے اسمیں اَلَمْ تَرَ کَیْفَ
فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحَابِ الْفِیْلِ اور لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ پڑھیں۔ پھر نماز کے بعد انہوں نے دیکھا۔
کہ لوگ ادھر اُدھر نکل گئے۔ آپنے پوچھا کہ یہ لوگ کدھر جاتے ہیں؟ جواب ملا کہ اے امیر المؤمنین یہاں
ایک مسجد ہے جہاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی۔ یہ لوگ اسمیں جاکر نماز پڑھیں گے۔
پس آپنے فرمایا۔ تم سے پہلے لوگ ایسی ہی باتوں سے ہلاک ہوئے وہ اپنے پیغمبروں کے نشانات کا پیچھا
کرتے تھے۔ اور انکی عبادتگاہیں اور گرجے بنایا کرتے تھے جسکو ایسی مسجد میں اتفاقًا نماز کا وقت
آجائے وہ تو وہاں نماز پڑھ لیا کرے۔ اور جسکو ایسا اتفاق نہ ہو وہ اپنی راہ لے اور انکا قصد کیا کرے نہ"

اسی طرح جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر پہنچی۔ کہ لوگ اس درخت کی طرف تبرک کے طور پر پے در پے جاتے ہیں جسکے نیچے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے بیعت لی تھی۔ تو آپ نے آدمی بھیجکر اُسے کٹوا دیا۔ ابن وضاح نے اسکو اپنی کتاب میں نقل کیا۔ اور کہا میں نے عیسٰی بن یونس سے سنا۔ وہ کہتے تھے۔ کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے اس درخت کے کاٹنے کا حکم دیا جس کے نیچے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی تھی۔ اور اسے اسلئے کٹوایا۔ کہ لوگ اس درخت کے پاس جاکر اسکے نیچے نماز پڑھا کرتے تھے اسلئے حضرت عمرؓ کو ان پر فتنے کا خوف ہوا۔

اور ابو بکر الخلال نے اپنے استاد حذیفہ بن یمان سے روایت کیا۔ کہ انہوں نے ایک شخص کو جس نے اپنے بازو میں بخار سے بچنے کیلئے ڈورا باندھا ہوا تھا۔ کہا۔ اگر تو اسی حالت میں مرگیا۔ کہ یہ ڈورا تیرے بدن پر ہو۔ تو میں تجھ پر نماز جنازہ نہیں پڑھونگا۔

بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی اس درخواست کو خاصکر ناپسند جانا جب انہوں نے کہا۔ کہ آپ ہمارے لئے ایک درخت مقرر فرما دیں جسپر ہم اپنے ہتھیار اور سامان لٹکایا کریں جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ نے اپنی صحیح میں ابو واقد لیثی سے روایت کیا۔ کہ انہوں نے فرمایا۔ کہ ہم جنگ حنین سے پیشتر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نکلے اور ہم نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور مشرکوں کی ایک بیری تھی جسکے ارد گرد بیٹھا کرتے تھے اور اُسپر اپنے سامان اور ہتھیار لٹکایا کرتے تھے۔ اور اس درخت کا نام ذات انواط رکھا تھا۔ پس ہمارا ایک بیری کے درخت کے پاس گزر ہوا۔ تو ہم نے کہا۔ یا رسول اللہ! ہمارے لئے بھی ایک ذاتِ انواط مقرر کردیں جسطرح کہ ان مشرکوں کی ایک ذات انواط ہے۔ یہ سنکر حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ یہ تو بنی اسرائیل کے اس قول کے مشابہ ہے اِجْعَلْ لَنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ (ہمارے لئے بھی ایک معبود مقرر کر جیسے کہ انکے لئے معبود ہیں۔ پھر فرمایا۔ تم جاہل لوگ ہو۔ تم اگلے لوگوں کے طریقوں پر چلوگے"۔

پس جب ایک درخت کا سامان اور ہتھیار لٹکانے کیلئے مقرر کرنا اور اسکے گرد بیٹھنا ایک معبود کا سوائے اللہ کے مقرر کرنا ہے باوجود اسکے کہ وہ نہ تو اسکی عبادت کرتے تھے اور نہ اس سے کچھ مانگتے تھے تو پھر تمہارا کیا خیال ہے اس شخص کے حق میں جو قبروں کے ارد گرد بیٹھتا اُن کے پاس دعا مانگتا، قبر والے کو پکارتا، اور اسکے طفیل دعا مانگتا (اور ایسی باتوں کے جواز میں فتوے دیتا) ہو؟ الخ

شیخ ابن قیمؒ رحمۃ اللہ علیہ اغاثۃ اللہفان میں اپنے استاد سے نقل کرتے ہیں:-

"قبروں کے پاس جو بدعات کی جاتی ہیں اُنکے کئی درجے ہیں۔ سو شریعت سے بہت دور یہ ہے کہ انسان فوت شدہ سے اپنی حاجت طلب کرے اور اس سے فریاد رسی چاہے۔ جیسا کہ بہت لوگ کرتے

ہیں اور یہ لوگ بت پرستوں کی جنس سے ہیں۔ اسلئے بعض اوقات شیطان اس مردے کی شکل میں اُن کے سامنے آتا ہے۔ جیسا کہ بت پرستوں کے سامنے بھی انکے معبود کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ پس جب کوئی بت پرست اپنے معبود کو جسکی وہ تعظیم کرتا ہے، بلاوے۔ تو شیطان اسکی شکل اختیار کرکے اسکے سامنے آموجود ہوتا ہے اور بعض غائب امور کے متعلق اس سے کلام کرتا ہے۔ کیونکہ شیطان بنی آدم کے گمراہ کرنے میں مقدور بھر کوشش کرتا ہے (جیسا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ پر بھی حد کمال کا مکر پھیلایا) اسی طرح جو لوگ سورج اور چاند اور ستاروں کی پوجا کرتے اور انکو پکارتے ہیں انکے سامنے بھی شیطان انسانی شکل میں آکر کلام کرتا اور بعض باتیں بتا جاتا ہے۔ اور وہ لوگ اسکو ستاروں کی روحانیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ درحقیقت وہ شیطان ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ بعض مقصدوں میں انسان کی مدد بھی کرتا ہے۔ لیکن اسکو اس سے کئی گنا نقصان بھی پہنچاتا ہے۔

اسی طور پر قبروں کے پاس قبر پرستوں پر بھی کئی حالات ظاہر ہوتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں۔ کہ یہ کرامات ہیں اور درحقیقت وہ شیطان کا فریب ہوتا ہے۔ مثلاً جس مردے کی کرامت کا لوگوں کو گمان ہوتا ہے۔ جب کوئی مرگی والا مریض اسکی قبر کے پاس لاکر ڈالا جاوے۔ تو جن (شیطان) اُس سے اُتر جاتا ہے۔ تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے۔ (زیادہ وضاحت کیلئے رسالہ مذکور دیکھو)۔

مولانا محبوب سبحانی حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کے ایک قول پر بحث کو ختم کیا جاتا ہے۔

اجعل الکتاب والسنۃ امامك وانظر فیھما واعمل بھما ولا تغتر بالقال والقیل والھوی قال اللہ تعالیٰ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ واتقوا اللہ ولا تخالفوہ فذکر العمل بما جاء بہ وتخترعوا لانفسکم عملا وعبادۃ کما قال اللہ جل وعلا فی حق قوم ضلوا عن سواء السبیل وَرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ ثم انہ زکی نبیہ علیہ السلام ونزھہ من الباطل فقال وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ای ما اتکم بہ من عندی لا من ھواہ ونفسہ فاتبعوہ ثم قال قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ فبین ان طریق المحبۃ اتباعہ صلی اللہ علیہ وسلم قولا وفعلا (فتوح الغیب مقالہ ۳۶)۔ (ترجمہ) کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو اپنا امام بنا اور اُسپر غور و فکر کیا کر۔ اور انکے مطابق عمل کیا کر۔ اور ادھر اُدھر کی قیل و قال اور بیہودہ ہوس سے دھوکا نہ کھاؤ۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ "جو تم کو رسول دیوے وہ مضبوط پکڑو اور جس سے منع فرماوے اس سے ہٹ رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ بڑے سخت عذاب والا ہے" اللہ سے ڈرو اور اسکی مخالفت نکرو۔ ایسی کہ جو تعلیم اسکا رسول تمہارے پاس لایا ہے اُسے چھوڑ کر اور قسم کی عبادتیں اپنی طرف سے نکالنے لگ جاؤ۔ جیسا کہ خداوند تعالےٰ نے گمراہ قوم (عیسائیوں) کے حق میں

فرمایا ہے کہ انہوں نے رہبانیت کی بدعت نکالی ہے جو ہم نے ان پر نہ لکھی تھی۔ پھر اپنے رسول علیہ السلام کی پاکی بیان کی اور باطل سے اسکا الگ ہونا بتلایا چنانچہ فرمایا۔ کہ ہمارا رسولؐ اپنی خواہش سے نہیں بولتا اسکا بولنا ہماری وحی ہے یعنی جو کچھ وہ تمہارے پاس لایا ہے۔ وہ میرے پاس سے لایا ہے۔ نہ اپنی خواہش سے اس نے بیان بنایا ہے۔ پس اسکا اتباع کرو۔ پھر خدا نے فرمایا۔ اے رسولؐ! تو ان سے کہ کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کریگا۔ پس صاف بتلا دیا کہ اللہ کی محبت کا طریق اسکے رسولؐ کا اتباع ہے قول اور فعل ہیں"۔

حضرت پیر صاحب علیہ الرحمۃ نے اس قول میں دو سبق سکھائے ہیں۔ ایک تو کتاب اور سنت پر عمل۔ دوسرے مخترعات سے پرہیز اور نئی نئی عبادات سے گریز۔ اور یہی بس ہے۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ ۔ (بحث قبور کے متعلق ماللابد کے صفحہ ۱۰۰ پر خوب فیصلہ ہے)

اچھوتی طرز کی بحث

الہامی تصدیق

معترض نے بعض آیات جو کفار کے حق میں اور ضلالت پر آئی ہیں۔ اُنکے اعداد بحساب ابجد نکالکر اور ادھر سے مولانا شہیدؒ صاحب کے نام کو ادل بدل کر یا کمی بیشی کرکے انکے اعداد جمل نکالکر مطابقت دکھلائی ہے اور یہ ثابت کیا ہے۔ کہ یہ آیات ازل سے ہی اللہ تعالیٰ نے مولوی اسمٰعیل اور انکے پیرواں کے حق میں لکھ رکھی ہیں۔ اور مولانا شہیدؒ صاحب کے سوا ایک اور مولوی صاحب سے بھی ایسا کیا ہے۔ میرے خیال میں ایسی سب و شتم بالکل خلاف تہذیب ہے۔ اور ایسے اوٹ پٹانگ خیالات سے حتی الوسع میں نے گریز کیا ہے۔ مگر باب ہٰذا میں معترض صاحب کی تحریر مجبور کرتی ہے کہ جواب دو۔ ورنہ میں ہیچ۔ اچھا بابا سنو (بے ادبی معاف) :-

(۱) معترض صاحب لکھتے ہیں "خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ" کے اعداد ۱۲۹۹ ہیں۔ اور انکی مطابقت "وہی وضعی مفتی عبداللہ" سے ہے۔ مگر اسکے اعداد ۱۵۵۰ ہیں۔ تصدیق باطل شد۔ مطابقت یہ ہے:- "فضل احمد گمراہ بددین" = خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ

۱۲۹۹ ۱۲۹۹

---

(۲) معترض صاحب لکھتے ہیں "قَدْ کَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ" کے اعداد ۱۰۸۲ ہیں۔ اور انکی مطابقت "فرقہ زنادقہ نسب نجدیہ اسمٰعیلیہ وہابیہ دیوبندیہ" سے ہے۔ مگر اسکے اعداد ۱۰۸۳ ہیں۔

ل۱ اس صاحب سے معترض صاحب کی پہلے بحث رہی ہے۔ مگر وہ حرفی۔ بعدہٗ "انوار آفتاب صداقت" لکھ ماری +

ل۲ یہی وہ معترض صاحب ہیں جنکا میں نے اکثر حوالہ دیا ہے۔ مسکن انکا شہر لدھیانہ اور پولیس کی ملازمت سے اب پنشنر ہیں۔

مطابقت یہ ہے:۔ "نسیم بفضل احمد" = قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۔

۱۰۸۲ ۱۰۸۲

مطابقت یہ ۳ ہے:۔ "منسوب بفضل احمد جاہل جہنمی زندیقی بیدین" = لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ ۔

۱۵۱۰ ۱۵۱۰

مطابقت یہ ۴ ہے:۔ "انسپکٹر لدھیانوی بددین" = وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔

۹۲۹ ۹۲۹

معترض کی کتاب "انوار آفتاب صداقت" کے اعداد ۱۳۳۷ ہیں۔ اور اسکی مطابقت اس آیت سے ہے "يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ" اسکے اعداد تیرہ سو چھتیس ہیں۔ صرف ایک کا فرق ہے۔ اس ایک عدد کے فرق سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۳۷ میں سے ایک (حقہ) اچھا ہے۔ جو زیر آیت مذکور نہیں آیا۔ (مشتے نمونہ از خروارے دادم)

اگر ایسی مطابقتوں سے معترض صاحب سچے ہیں اور اپنی سچائی کی تصدیق مذکورہ طریقہ سے کی ہے۔ تو بفضلہ تعالےٰ ہماری مطابقتیں ان سے کسی درجہ زیادہ صحیح ہیں۔ اور صرف نمونۃً یہ چار مطابقتیں تو خاص ذاتِ معترض پر ہیں۔ اور ایک مطابقت انکی کتاب طوفانِ بے تمیزی پر۔ مگر میں یہ بات بتا دیتا ہوں کہ یہ کوئی تصدیق کا ثبوت اور علمیت نہیں، بلکہ مہندسوں کا کام ہے۔

واللہ! اسطرح کا نامہذب جواب دینے کو دل نہ چاہتا تھا۔ کیونکہ ایک کلمہ گو کے حق میں یہ توہین کے کلمات ہیں۔ مگر یہ اسواسطے کرنا پڑا کہ ایک تو اگر اسطرح جواب دیا گیا۔ تو معترض صاحب اپنی ہٹ دھرمی سے خود اپنی تصدیق ہی سمجھیں گے۔ اور دوسرے ۔

سن بالسن والجروح قصاص

بھی شرعاً جائز ہے۔ کہ معترض نے تمام علمائے سلف و خلف کو کافر لکھنے اور انکی توہین کرنے سے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ تو کچھ نہ کچھ انہیں بھی بدلہ پانا چاہیئے تھا۔

یہاں مولانا مولوی محمد اسمعیل صاحب شہید علیہ الرحمۃ کے متعلقہ اعتراضات کی بحث کو ختم کیا جاتا ہے ہم پر سمجھانا فرض ہے۔ ہادی خود ذات سبحانہ ہے۔ اب مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے متعلق بھی دو چار صفحے بامید ثواب لکھتا ہوں۔ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔

مولوی رشید احمد صاحب مرحوم گنگوہی

یہ بات قابل تسلیم اور مروجہ قدیم ہے کہ جس نے حق بتایا اور توحید پر زبان کھولی اسی کیلئے قتل تیار کفر کا فتوے جاری۔ تمام انبیاء علیہم السلام بلکہ خلاصہ رسالت حضرت شفیع المذنبین رحمت للعالمین محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم بھی نہ بچ سکے میرے خیال میں جبتک کسی مسلمان پر یہ سنت پوری نہ ہو تب تک وہ مسلمان ہی نہیں بن سکتا۔ جیسا کہ مولانا حالی مرحوم فرماتے ہیں :۔ ؎

کہنا فقہا کا مومنوں کو بے دیں ۔۔۔ سنتے سنتے یہ ہو گیا ہم کو یقیں

مومن سے ضرور ہوگا مرقد میں سوال ۔۔۔ تکفیر بھی کی تھی فقہا نے کہ نہیں؟

دیباچہ میں اکثر اختصاراً ذکر ہو چکا ہے۔ کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو طوق و زنجیر اور کوڑوں تک نوبت پہنچی۔ امام ابن تیمیہؒ پر بھی یہ سنت ادا ہوئی۔ اور ایسا ہی شیخ عبدالعزیز الکنانی جنھوں نے قرآن کو غیر مخلوق کلام اللہ کہا، پر بھی یہ وقت آیا۔ امام شافعیؒ کو لوگوں نے رافضی قرار دیا۔ مولانا شہیدؒ کو دبایا۔ شاہ عبدالعزیز محدث وغیرہ وغیرہ سب اسی بازار سے ہو کر گئے ہیں۔ کیوں نہ ہو۔ یہ سنت نبویؐ ہے۔ جبکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں نے ملک بدر کیا۔ اور قتل کیلئے آستینوں میں خنجر ہی دبائے پھرتے تھے۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پیروؤں اور عاشقوں پر ایسا کیونکر نہ کیا جاتے؟ تو اسی طرح مولوی رشید احمد صاحب پر بھی یہ سلوک ہونا ضروری تھا۔ ایک طرف بڑے بڑے بندگان خدا مولوی صاحب سے سندیں حاصل کریں۔ یہ بھی ضروری تھا کہ اس کے برعکس مخالف بھی چاہیئے تھے۔ مگر تعجب تو یہ ہے۔ کہ مقلد بھی کافر غیر مقلد بھی کافر بنائے جاتے ہیں۔ تو معلوم نہیں۔ کہ مسلمان کون ہیں؟

حاسدان مولانا گنگوہی صاحب سے ایک صاحب ہیں جو کتاب ہذا میں بلفظ معترض مدعو ہیں یہ صاحب ذیل کے مسائل پر بحث کرتے ہوئے مولانا گنگوہی کو کافر مرتد (نعوذ باللہ) لکھنے سے نہیں شرمائے۔ مسائل زیر بحث یہ ہیں :۔

۱۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میلاد کو مشابہ بجنم کنھیا لکھا ہے ۔

۲۔ کعبۃ اللہ میں جو چار مصلے بنائے گئے ہیں انکو زبون قرار دیا ہے ۔

۳۔ رسم فاتحہ اور گیارھویں پیر کی کا کھانا حرام ہے ۔

۴۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے شیطان کو علم زیادہ ہے۔ (یہ افترا ہے) ۔

پہلے اعتراض کا جواب

(مجلس مولود شریف)

جسطرح یہ رسمیہ مجلس زمانہ حال کے جاہل صوفیا نے نوٹ اڑانے کیلئے نکال رکھی ہے اس طرح پر کسی آیت یا حدیث سے یا آثار صحابہؓ سے منقول نہیں ہے۔ کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک سے لیکر آجتک کے علما جو مجالس وعظ اور دیگر طرز پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے واقعات اور معجزات کا بیان کرتے چلے آئے ہیں اور کر رہے ہیں یہ کفایت نہ کر سکا تو علیحدہ ایک رسمیہ مجلس بنائی۔ جو صاف صریحاً ریا میں داخل ہے سو اسکی ممانعت کرنے میں مولانا رشید احمد صاحب نے کوئی زیادتی نہیں کی۔ بلکہ جو لکھا صحیح لکھا۔ ان ولادت کے واقعات بیان کرنیسے تو مقصود یہ تھا۔ کہ لوگونکو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور پیدائش کے برکات سے واقفیت ہو۔ اور لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی شوق سے کریں۔ نہ کہ تماشبین لوگ مجلس میں آویں۔ اور بے نماز قوال غزلیں گا دیں اور تفنی باجا خوب بجے۔ اور مریدان شیطان اسکے آواز پر سر ہلا دیں۔ کبھی قرآن کو سننے کیلئے تو کان بھی متوجہ نہ ہوئے۔ مگر سرود سننے سے دل پر توجہ اور سر جنباں ہو۔ خوب! پھر لوگ خوش ہوکر کہیں۔ کہ واہ جی! فلاں میاں نے مجلس میلاد میں خوب خرچ کیا۔ واہ! جو قوالوں کی جوڑی جالندھر سے آئی تھی اسکا تو کیا کہنا؟ ساز اور قوالوں کا آواز ایک تھا۔ اور پھر یار دوست فرنی پلاؤ سے تو خوب سیر ہوں اور ایک ایک کاب بطور تبرک گھروں میں بھی بھجوا دیں اور جو محتاج سائل ہوں اوّل تو انکو دھکے۔ اگر میاں صاحب بڑے مہربان ہوئے۔ تو ان کے دامنوں میں ایک ایک مٹھی چاول ڈلوا دئے۔ ایسا کرنیسے ضرور ہی تجلیات کا نزول ہوگا؟

یہ رسم ادا کرنیوالے صاحب کہتے ہیں کہ ہم کو زیارت نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے فیض حاصل ہوتا ہے۔ میں بتاتا ہوں۔ کہ تمام سالکان طریقت کا عمل اسطرح پر نہیں۔ اور نہ ہی مجالس میں زیارت ہوسکتی ہے۔ زیارت سے مشرف ہونیکا طریقہ تو یہ ہے۔ کہ گوشہ نشینی میں مرشد کا دیا ہوا سبق پڑھے۔ اور حضور قلب اس امر کا اعلے رکن ہے۔ یا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سونے سے پہلے عمل کرکے محبت سو جاتا ہے تو خواب میں زیارت پالیتا ہے۔ بس مجلس میں نہ ہی حضور قلب ہوتا ہے۔ اور نہ ذکر و شغل ہوسکتا ہے۔ نماز پڑھتے ہوئے اگر کوئی شخص پاس بیٹھے باتیں کرتا ہو۔ تو دھیان اسکی طرف لگجاتا ہے۔ اور نماز سے اُکتا جاتا ہے اور زبان پڑھنے کو نہیں چلتی تو جبکہ ایسی مجلس میں جہاں تفنی باجا کیساتھ یا یونہی نعت خوانی ہوتی ہو۔ تو ضرور ہی دل ذکر لگتا ہوگا۔ اور زیارت ہوتی ہوگی۔ اپنے منہ میاں مٹھو۔ خوف کیا ہے؟ سند کیا ہے؟

اور جو اس مجلس میں خوب صفائی سے گیس، فانوس، شمعدان جلائے جاتے ہیں۔ ان سے کیا غرض ہے؟ کیا جبکہ یہ بدعتی لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ہر جگہ روشنی اور ادھر سے ہیں تصرف اور تشریف آوری کا اثبات کرتے ہیں۔ تو اتنی بے اندازہ روشنی کی کیا ضرورت اور کیا فائدہ ہے؟ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے روضہ مطہرہ میں بھی روشنی نہیں ہوتی۔ اور آپ کو روشنی کی ضرورت بھی نہیں۔ انکے تو دانت مبارک کی روشنی سے ہی سارا مکان جگمگانے لگا تھا۔

دل کی آنکھوں سے دیکھنا چاہیئے کہ بعض علماء متاخرین جنہوں نے جواز لکھا ہے اس شرط پر لکھا ہے "کہ شنیعات منکرات سے خالی ہو"۔

پیچھے حضرت محبوب سبحانی کی کتاب فتوح الغیب کے مقالہ ۳۶ سے دکھایا گیا ہے کہ انہوں نے دوام کی تاکید فرمائی ہے۔ ایک تو کتاب و سنت پر عمل دوسرے مخترعات سے گریز۔ پس اس باب میں ہم انکے قول کو اپنا اطمینان قلب جانتے ہیں۔ یوں کہ کتاب اللہ اور سنت سے اس رسمی مجلس کا پتہ نہیں چلتا۔ اسواسطے یہ اختراع ہے۔ اور مخترعات سے بچنے کی آپ نے تاکید فرمائی ہے اور نہ ہی خود ان سے کوئی ایسی مجلس کا ثبوت ہے۔

یہ سوچنا چاہیئے کہ جبکہ سب سے اول ہمیں کتاب اور سنت پر چلنے کا حکم ہے تو اس مجلس کا ثبوت ان دونو سے نہیں چلتا۔ اور پھر ائمہ اربعہ کا اتباع ہے یہاں سے بھی اس مجلس کا کھوج نہیں نکلتا۔ بعد اسکے پیران پیر سے بھی پتہ نہ چلا۔ تو بتانا چاہیئے کہ کتنے صاحبوں کی تقلید کرنی چاہیئے؟ جس کسی خوشنما بدعت کا رواج دیا وہی قابل تقلید ہو گیا۔ پس جب ہر شیخ کی تقلید سے نجات ہو گی تو پھر اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول بھی دیکھا جائیگا۔ ابھی عرسوں اور چہلموں اور میلوں اور مجلسوں سے (جنکا ثبوت ائمہ اربعہ سے ہرگز نہیں) فرصت نہیں ملتی۔ فرائض کو کیسے نبھائیں۔

خدا کے بندو! کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا جو صرف کتاب اللہ اور سنت پر ہی چل سکتا ہو۔ اسمیں بھی بڑے بڑے متدین لوگ لغزشیں کھا رہے ہیں۔ تو پھر تمہاری خود ساختہ عبادات سے بیشک مسلمانوں پر بوجھ پڑ جاتا ہے۔ بلکہ جب یہ لوگ کہتے ہیں کہ مجلس میلاد کا منکر کافر ہے۔ اور اسکا عامل پختہ طور پر جنتی ہے۔ تو بس جہلا کا کام بنجاتا ہے۔ وہ مجلس میلاد کروا کر سب حقوق اللہ سے فراغت پا لیتے ہیں۔ اس شخص کیلئے بڑی غنیمت ہے جو صرف کتاب اللہ اور سنت پر عمل کر سکتا ہے اور جو شخص سب چھوٹے بڑوں کی تقلید کرتا اور بدعات پر کاربند ہوتا ہے وہ کیونکر کتاب اللہ و سنت کا اہتمام کر سکتا ہوگا؟

امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوب ۲۷۳ کو دیکھو اور تامل و فکر [illegible]

[illegible] مبالغہ در منع سماع [illegible] منع مولود که عبارت از خواندن قصائد [illegible] خوانندن [illegible]

معترض لکھتا ہے کہ یہ مکتوب صرف منع سماع کے بارہ میں ہے۔ مگر شرم سے دیکھنا چاہیئے کہ "منع سماع" متضمن یعنی ہمراہ مع "منع مولد" ہر دو الفاظ تحریر ہیں۔ وہ مجلس مولد جسمیں نعتیں اور غزلیں خواہ مذامیر کے ساتھ خواہ یونہی پڑھی جاویں) بنظر انصاف بینند کہ اگر حضرت ایشاں فرضا در دنیا زندہ میبودند این مجلس (یعنی مجلس مولد نہ کہ مجلس سماع) و اجتماع منعقد میباشد۔ آیا باین راضی میشدند و این اجتماع را می شنیدند (غور کرو۔ اس عبارت میں جو لفظ "حضرت ایشاں" اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ کیونکہ یہ مجلس انکے نام سے منسوب ہے۔ نہ کہ "حضرت ایشاں" میں "ایشاں" کا ضمیر سماع کیطرف ہے۔ بلکہ مجلس میلاد کیطرف صاف ظاہر ہے کہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم زندہ ہوتے تو پھر اگر یہ مجلس اور اجتماع مقرر ہوتا اور اس اجتماع کو وہ سنتے۔ تو کیا اس سے وہ راضی ہوتے؟) یقین فقیر است کہ ہرگز این معنی را تجویز نمی فرمودند۔ بلکہ انکار مینمودند (اسی مجلس میلاد سے انکار کرتے۔ سماع تو آپنے حیات پاک میں ہی حرام قرار دیدیا تھا۔ سو اب انکار مجلس میلاد کا ذکر مجدد علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے) ٭

معترض صاحب کو واضح ہو کہ امام صاحب نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس مکتوب میں فوت شدہ لکھا ہے۔ خبردار ہو جاؤ۔ ان پر بھی کفر کا فتوے لگاؤ۔ یعنی لکھا ہے "اگر حضرت ایشاں فرضا در دنیا زندہ میبودند" تو ہمیں حضرت صلعم کو فوت شدہ مانا ہے حیات النبی تمہاری طرح نہیں جانتے۔ یہ بھی مولانا شہید رح کے ساتھ ملادو ٭

چونکہ مجدد صاحب نے اس مجلس کو منع فرمایا۔ تو اور کس کے جواز پر اعتماد کریں۔ اگر محدثان دہلی علیہم الرحمۃ انعقاد کرتے ہونگے تو مباح طریقہ سے کرتے ہونگے۔ اور مذامیر یا نعت خوانی و غزل سرائی نہ ہوتی ہوگی اور نہ ہی بیہودہ روشنی اور قیام کرتے ہونگے۔ اور بیشک یہی شنیعات و بانخات ہیں اگر ان حضرات نے ایسا کیا ہے تو بتانا چاہیئے ٭

بفرض محال جن حضرات سے معترض نے ثابت کیا ہے اگر سچ ہے تو دین میں یہ حجت نہیں مانی جا سکتی۔ جبکہ عالیمقام حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ نے حرمین شریفین کے علما کا اجماع حجت نہیں مانا (چنانچہ اصول فقہ کی ہر ایک کتاب میں یہ مسئلہ مصرح ہے) پس اگر کسی متبرک مقام کے لوگ یا کسی خاندان کے لوگ کوئی فعل کریں۔ اور اسکا ثبوت کتاب و سنت یا اجماع یا ائمہ اربعہ سے نہ دیکھیں تو ہم قرآن و حدیث کی تعلیم کے مطابق کسی انسی شخص میں یہ قابلیت نہیں مان سکتے کہ اسکا قول و فعل بلا دلیل شرعی سند اور حجت ہو۔ یہی مذہب علماء سلف کا ہے۔ کہ بغیر اجازت کے وہ کوئی کام نہ کرتے تھے۔ دیکھو درود شریف کا ہر حالت میں پڑھنا جو بموجب تعلیم قرآن و حدیث سراسر موجب برکت ہے۔ بعض جگہ اسی درود کے پڑھنے سے سب علماء سلف نے منع فرمایا ہے۔ مثلاً نماز کے پہلے التحیات

(قعدہ) میں اگر درود کا ایک جملہ بھی پڑھ لیگا۔ تو سجدہ سہو لازم آئیگا۔ حالانکہ قرآن و حدیث سے درود شریف پڑھنے کی فضیلتیں بے انتہا ثابت ہیں۔ پھر کیوں سجدہ سہو لازم آیا؟ صرف اسلئے کہ بے اجازت شرع پڑھا گیا۔ شیخ سعدی مرحوم نے کیا خوب لکھا ہے ؎

کہ بے حکم شرع آب خوردن خطاست　　　اگر خوں بفتوے بریزی رواست

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر مجلس میلاد بدعت ہے اور اسکا ثبوت قرآن و حدیث میں نہیں ہے تو قرآن شریف کا ترجمہ کرنا اور پڑھنا اور صرف و نحو وغیرہ پڑھنے کا ثبوت کب قرآن و حدیث میں ہے؟ یہ بھی بدعت ہے۔ اور ایسا ہی تفاسیر ہیں۔ اسکا جواب مختصر تو یہ ہے کہ ؎

تو آشنائے حقیقت نئی خطا اینجا ست

اردو، فارسی، پنجابی وغیرہ ہر زبان میں سمجھنے کی خود قرآن شریف اجازت بلکہ حکم دیتا ہے۔ فرمایا۔ كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيَاتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (سورہ ص) ہم نے یہ با برکت کتاب اسلئے نازل کی ہے کہ لوگ اسکے حکموں پر غور کریں۔ اور عقلمند اس سے نصیحت پائیں۔ پس جبکہ قرآن مجید کا نزول ہمارے تدبر اور سمجھنے کیلئے ہے تو دیسی زبان میں ترجمہ کئے بغیر ہم کیونکر سمجھ یا سمجھا سکیں اور اسیطرح صرف و نحو کا پڑھنا ہے۔

اور اسی قسم کے جو دوسرے سوال ہیں ان کا جواب بھی اسیطرح پر ہے۔ فافہم۔

معترض صاحب نے اس بحث پر ایک دفتر لکھدیا۔ مگر غور و خوض کو حوالۂ خدا کیا۔ جیسا کہ اوپر کے مکتوب میں سے نے اسی کی کتاب سے نقل کرکے اسکے خلاف ثابت کیا ہے۔ ذرا انصاف سے پوچھنا چاہیئے کہ کسی صاحب نے (جنکو معترض وہابی لکھتا ہے) یہ نہیں لکھا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا ذکر کرنا ہی شرک ہے (نعوذ باللہ) مگر معترض نے خود ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے حالات لکھ لکھ ایک طول طویل دفتر لکھدیا۔ گویا یوں لکھا۔ کہ مولوی رشید احمد صاحب نے (نعوذ باللہ) آپکی ولادت کے معجزات و برکات سے انکار کیا۔ اور یہ ثبوت لکھ رہے ہیں۔ ع سوالے دیگر جوابے دیگر۔

مگر اصل مضمون کو معترض صاحب نے سمجھا ہی نہیں۔ مولوی صاحب کا مطلب اس سے یہ تھا۔ کہ جس طرز سے یہ مجلس منعقد ہوتی ہے یہ اہل ہنود سے مشابہ ہے اور ریاکاری ہے۔ ہاں! زور زور سے مجالس وعظ میں ولادت باسعادت کے معجزات و برکات کا بیان کرو۔ بیشک کھانا کھلاؤ۔ صدقات و خیرات میں کھڑ کھلا دو۔ درود شریف رات دن پڑھتے جاؤ۔ کوئی مانع نہیں۔ مگر ایک مجلس مقرر کرکے یار دوستوں کو مدعو کرنا۔ قوال یا غزل سرا بلانا سارے شہر کی گیسیں، فانوس اور شمعدان مہیا کرکے روشن کرنے وغیرہ باتوں کا ما حصل کیا؟ اور اس مجلس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو

حاضر و ناظر جاننا یہ ساری باتیں ریاکاری، خودستائی، بدعت سیئہ شرک تک پہنچتی ہیں۔ اور اجتماع تماشبینوں کا ہوتا ہے۔ اور اصلیت خبط ہو جاتی ہے +

احادیث صحیحہ میں ایسے ایام مثلاً شب معراج، شب قدر، آخر عشرہ رمضان شریف، عشرہ محرم اور شب ولادت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فضائل و برکات کا ذکر اکثر آیا ہے۔ وہ بھی صاف پیغمبر خدا نے بتا دئیے ہوئے ہیں جنہیں لوگوں نے ترک کر کے اپنی طرف سے نئی نئی خرافات نکالکر اور بدعات حسنات قرار دیکر عملدر آمد شروع کر دیا ہوا ہے۔ ان ایام میں آنجناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے تو عبادت کے طریقے یہ بتائے ہیں۔ کہ درود شریف بتوجہ تام بکثرت پڑھا جاوے۔ قرآن کریم کی تلاوت، اعتکاف بیٹھنا، نوافل پڑھنا، قیام اللیل۔ یہ سب حکمی اور فعلی سنتیں ہیں۔ جو کسی کو یاد بھی نہیں۔ مگر خود ساختہ عبادات پر عمل ہے۔ فرائض و سنتہائے علمی و عملی ادا کر نہیں سکتے۔ مگر مشعلوں اور قوالی کے ذریعہ مجلسیں منعقد کر کے ثواب چاہتے ہیں یہ کب ہو سکتا ہے۔ کہ اصحاب نبی صلے اللہ علیہ وسلم تو چھلنی کی سی بدعت کو دیکھکر رو دیں۔ مگر اس زمانہ میں دینی تغیر و تبدل جائز ہو رہا ہے معترض صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہر ذرہ ذرہ بات کا علم رکھتے ہیں۔ مگر معلوم ہونا چاہئیے۔ کہ اگر آپ عالم الغیب تھے تو اتنے بڑے ثواب والے (جنپر کہ معترض کا زور ہے) کام کیوں نہ اصحاب کو بتائے۔ اور یہ ممکن نہیں کہ باوجود ثواب جاننے کے آنحضرت نے خاموشی رکھی ہو یا اصحاب نے اغماض کیا ہو۔ کیونکہ وہ نیکی پر ہم تم سے ہزار گنا زیادہ حریص تھے یہ بات دو طور سے خالی نہیں۔ ایک تو اگر آنحضرت صلعم نے باوجود غیب دانی کے یہ رسم اصحابؓ کو نہیں بتائی تو آپنے ایسے نیکی نہیں جانا۔ اور یا آپ غیب دان نہ تھے کہ ایسی نیکی کی بات آپؐ کو معلوم نہ ہوئی۔ گویا معترض کے خیال میں (نعوذ باللہ) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دین کو کامل نہ کر سکے۔ کہ آپؐ کی کمی کو یہ لوگ پورا کر رہے ہیں +

بیشک وقت یہ آگیا ہے کہ مخترعات کو سنت بلکہ فرائض سے زیادہ رتبہ دیا جا رہا ہے اور اسکے مانع کو مخالف سنت کہدیا جاتا ہے۔ افسوس! کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ بدعت کو سنت سمجھا جاتا ہے اور سنت کو فعل حرام (اعاذنا اللہ) جبکہ عہد صحابہؓ میں ذرا سے تغیر و تبدل پر بربادئیے دین سمجھی جاتی تھی تو اب تمامہ ہیئت دین کے بدل جانے کا نام اہلسنت و جماعت ہی رہیگا؟ یا نعوذ باللہ صحابہؓ سے سبقت لیجاکر مابعد کے لوگ (جو مخترعات کے موجب ہیں) مجتہدوں کا کام کر رہے ہیں؟

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ام الدرداؓ سے روایت کیا ہے کہ ایکدفعہ حضرت ابو الدرداءؓ گھر میں غصہ کے ساتھ داخل ہوئے۔ میں نے پوچھا۔ آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے کہا۔ مجھے ان لوگوں میں محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے دین کی اور کوئی بات نظر نہیں آتی۔ سوائے اسکے کہ وہ نماز اکٹھی پڑھتے

ہیں ۔ (مگر اب تو حنفی سنی لوگ نماز بھی اکٹھا ہو کر پڑھنے نہیں دیتے) ۔

اور امام زہری فرماتے ہیں کہ میں حضرت انس بن مالکؓ کو ملنے گیا۔ تو میں نے دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ آپ کیوں روتے ہیں۔ فرمایا۔ جو کچھ ہم نے پایا اسمیں سے سوائے اس نماز کے اور کچھ باقی نظر نہیں آتا۔ اور نماز بھی ضائع کیگئی ہے۔ اس روایت کو بخاریؒ نے ذکر کیا ہے ۔

اور مبارک بن فضالہ کہتے ہیں کہ امام حسن بصریؒ نے جمعہ پڑھا اور بیٹھ گئے اور پھر رو پڑے آپ سے رونے کی وجہ دریافت کی گئی۔ تو فرمایا۔ کیا تم مجھ کو رونے پر ملامت کرتے ہو؟ اگر مہاجرین میں سے کوئی شخص آکر تمہاری مسجد کے دروازے سے جھانکے تو جو نقشہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیکھا تھا۔ اس میں سے کچھ بھی اسکو یہاں نظر نہ آئیگا۔ سوائے قبلہ کے کہ تم اس طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہو۔ اور اسمیں اس فتنہ کی طرف اشارہ ہے۔ جسکے متعلق حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔ "تمہاری حالت اُسوقت کیا ہوگی۔ جب تم کو ایسا فتنہ ڈھانک لیگا۔ جسمیں جوان بوڑھا اور بچہ جوان ہو جائیگا۔ جو لوگوں میں رائج ہو جائیگا۔ اور لوگ اسکو سنت سمجھنے لگیں گے۔ اور جب اس (فتنہ) کو تبدیل کیا جائیگا۔ تو لوگ کہیں گے۔ کہ سنت بدل گئی۔ یا کہیں گے کہ یہ فعل ناجائز ہے ۔

شیخ ابن قیمؒ رحمہ اللہ اغاثۃ اللھفان میں لکھتے ہیں "حضرت ابن مسعودؓ کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ جب کوئی عمل خلاف سنت رائج ہو جائے تو اُسکے رواج کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور اس کی طرف بالکل التفات نہ کیا جائے"۔ اور خلاف سنت عمل حضرت ابو الدرداءؓ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں ہی رواج پا چکا تھا۔ جیسا کہ آپنے اوپر دیکھ لیا ۔ (زیارت قبور)

معترض صاحب نے مولوی محمد لدھیانوی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے لکھا ہے "انعقاد مجلس میلاد بشرطیکہ منکرات سے خالی ہو۔ جیسے تغنی اور باجا اور کثرت سے روشنی بیہودہ نہ ہو۔ بلکہ روایات صحیحہ کے موافق ذکر معجزات اور ذکر ولادت حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کیا جائے! در بعد اسکے اگر طعام پختہ یا شیرینی بھی تقسیم کی جاوے تو کچھ ہرج نہیں (مگر ضروری نہیں) ۔

بیشک اس طریقہ سے گناہ نہیں۔ کیونکہ مولوی محمد صاحب مرحوم نے نہ تو زیادہ روشنی کو جائز رکھا ہے نہ مزامیر و غزلسرائی وغیرہ اور نہ قیام لکھا ہے۔ صرف روایات صحیحہ سے ذکر ولادت شریف کیا جاوے۔ اور ایسا تو عموماً سب علما اپنی مجالس میں سناتے رہتے ہیں ۔

مولویصاحب موصوف کی تحریر کو ہم نے قبول کیا۔ مگر اصل مطلب ان سے بھی خبط ہو گیا۔ یعنی ایسے ایام اور وقتوں پر دلی توجہ سے اور ہر طرف سے فارغ البالی حاصل کر کے اور ہر آواز سے کان بند کر کے درود شریف پڑھنا اور نوافل پڑھنا سنت ہے مگر ایسا کوئی نہیں کرتا۔ اور

مجلس میں یہ کام نہیں ہوسکتا۔ اسواسطے بہتر ہے کہ مشروع بات کو ضرور ادا کرو۔ اور یہ خود ساختہ عبادت چھوڑ دو۔ تو ہرج نہ ہوگا۔ اور سنت کے ادا کرنے سے اللہ اور رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی ہے۔ اور صدقہ خیرات اس رسم کے علاوہ بھی ہوسکتا ہے خواہ اسی روز کریں۔ اور دل لگاکر حضور قلب سے درود شریف نافع ہوتا ہے۔ مجلس میں تو دل کہیں، آنکھ کہیں، کان کہیں۔ اور زبان پر "صلے اللہ علیک وسلم یا رسول اللہ" تو کیا فائدہ؟

آگے مولوی محمد صاحب لکھتے ہیں "بلکہ اس زمانہ میں جو ہر طرف سے پادریوں کا شور بازاروں میں اور حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور انکے دین کی مذمت کرتے ہیں۔ دوسری طرف آریہ لوگ شور مچاتے ہیں۔ اسواسطے یہ مجلس فرض کفایہ ہے"۔

یہ بھی عجیب طرز ہے کہ پادری لوگ کسی اور طرح کے مسائل پر آکر دین کی توہین کریں تو بمصداق "سوالے دیگر جوابے دیگر" تم لوگ آنکھیں بند کئے ذکر ولادت شریف دہائے جاؤ۔ بلکہ یوں چاہیئے کہ جس طرز سے یہ لوگ مذمت دین کریں اسکا جواب دیا جاوے۔ اور دلائل عقلی و نقلی سے انکے دہان بند کئے جائیں۔ نہ یہ کہ جو آریہ لوگ کہیں کہ "اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے ورنہ اس میں خود بخود بڑھنے کی کوئی خوبی نہیں"۔ تو تم اسکا جواب اور رُوک یوں کرو۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت با برکت کے وقت انکے نور کے چمکارے سے آپ کی پھوپھی نے شام کے محل دیکھ لئے"۔ تو یہ خوب فرض کفایہ بنانے کی وجہ ہے۔ اور خوب مخالفین کی سد راہ ہے؛

پس یہ معلوم ہوگیا۔ کہ اس مجلس کے قیام کا ثبوت نہ کسی آیت سے نہ حدیث سے اور نہ ہی اُن علما سے ثبوت ہے جو اسکو جائز لکھتے ہیں۔ اور نہ ہی کسی نے مزامیر و نعت خوانی کا ہونا لکھا ہے۔ معترض صاحب کو یاد دلاتا ہوں کہ معجزات وقت ولادت و قبل و بعد کا کوئی انکار نہیں کرتا۔ صرف تم لوگوں کی بدعتوں پر انکار ہے۔ تم گھبراؤ مت؛

معترض نے جو آیات و احادیث اس باب پر لکھی ہیں۔ وہ ہرگز اس معنی پر دال نہیں۔ یعنی

آیہ نمبر ۱۔ واذکر فی الکتٰب مریم (۲) واذکر فی الکتٰب ادریس

(۳) واذکر فی الکتٰب موسیٰ (۴) واذکر فی الکتٰب اسمٰعیل۔ وغیرہ

یہ آیات اور انکے سوا ایسی ہی اور بھی معترض صاحب نے ذکر ولادت کی مجلس کے اثبات میں لکھی ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اگر ان آیات سے مجلس ولادت کا حکم ہے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے امر ہوا۔ تو بتانا چاہیئے کہ آپ نے کس کس سابقہ نبی کی مجلس میلاد کو رواج دیا تھا؟ اگر لفظ واذکر کے معنی مجلس میلاد کا قائم کرنا ہے تو اللہ فرماتا ہے واذکر اسم ربک الاٰیہ۔ نعوذ باللہ اللہ کی مجلس میلاد بھی قائم کرو۔ اللھم احفظنا عن البدعات؛

اور معترض جو توریت و زبور اور انجیل سے آپؐ کی پیدائش کے حال لکھتا ہے۔ اُن سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ نبی آخر الزمان پیدا ہونگے۔ سو مولوی رشید احمد صاحب نے (نعوذ باللہ) یہ تو نہیں لکھا کہ آپؐ پیدا نہیں ہوئے یا اُن سے معجزے صادر نہیں ہوئے۔

اور جو اقوال صحابہؓ لکھے ہیں۔ ان سے برکات و معجزات ظاہر ہوتے ہیں۔ اور ان کا کوئی منکر نہیں۔ نہ کہ ان سے تمہاری طرح مجلس میلاد رسمیہ قائم کرنیکا ثبوت نکلتا ہے۔

اور جو احادیث قیام کے ثبوت میں معترض لکھتا ہے۔ اُن سے زندوں کیلئے استقبالیہ قیام کرنا جائز ہوتا ہے۔ مگر فوتہ کیلئے جائز نہیں۔ جیساکہ پیچھے ذکر ہوا ہے۔ کہ آنجنابؐ کی زندگی میں اصحابؓ آپ سے توسل کیا کرتے تھے۔ مگر بعد حیات قبرؐ سے توسل نہ کیا مگر آپ کے چچا کے توسل سے مینہ مانگا۔ اور یہی حالت قیام کی ہے۔

آخری جواب یہ ہے کہ اس مجلس کا ثبوت کتاب اللہ اور حدیث اور ائمہ اربعہ سے نہیں ملتا اور دوسرے اقوال کو ہم حجت نہیں جانتے۔ قیام کرنے کو گناہ اور الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ آپؐ کو حاضر ناظر جانکر پڑھنا کفر۔ اور صرف محبت سے پڑھنا جائز جانتے ہیں۔ اور دلائل ان امور کے گزر چکے ہیں۔ (معترضوں کو لازم ہے کہ مقلد ہونیکی حیثیت سے وہ اپنے امام کا کم از کم ایک قول اور فعل سند کیلئے پیش کیا کریں۔ معلوم نہیں کہ یہ صاحب کتنے اماموں اور علماؤں کی تقلید کو روا جانتے ہیں؟) والسلام۔

دوسرے اعتراض کا جواب

(کعبۃ اللہ میں جو چار مصلے بنائے گئے ہیں وہ لاریب امر زبون ہے)

مولانا رشید احمد صاحب کی اصل عبارت یہ ہے:۔ "البتہ چار مصلے جو مکہ معظمہ میں مقرر کئے گئے ہیں لاریب یہ امر زبون ہے۔ کہ تکرار جماعت و افتراق اس سے لازم آگیا (ایک جماعت ہونے میں دوسرے مذہب کی جماعت بیٹھی رہتی ہے اور شریک جماعت نہیں ہوتی۔ اور مرتکب حرمت ہوتے ہیں) مگر یہ فرقہ نہ ائمہ دین حضرات مجتہدین سے نہ علمائے متقدمین سے ہے۔ بلکہ کسی وقت میں سلطنت میں کسی وجہ سے یہ امر حادث ہوا ہے کہ اسکو کوئی اہل علم حق پسند نہیں کرتا"

بریکٹ کے اندر کی عبارت کو معترض نے اپنی چشمدید حالت کی شہادت سے غلط ثابت کیا ہے خیر! ہم بھی مان لیتے ہیں۔ مگر ہم اتنا کہدیتے ہیں کہ بیشک کثرت مذاہب و تکرار جماعت و افتراق کی سب سے اول یہی بنیاد ہے۔ کہ ایک اسلام کے چار ٹکڑے کر دئیے۔ اور ایک ابراہیمی مصلے کو چار جگہ پر تقسیم کر دیا۔ تو ان چار سے زیادہ بنانے کا بھی جواز نکل آیا۔ اسلام کو چار فرقوں میں تقسیم کرنے اور

ایک ابراہیمی حنیفی مصلے کے چار ٹکڑے کرنیکی اجازت یا حکم ائمہ اربعہ سے ہرگز نہ ہوئی۔ اور نہ انھوں نے اپنی تقلید کا حکم دیا۔ جیساکہ ایک اسلام کے چار فرقے بنانے جائز ہوگئے۔ ایسا ہی آگے سلسلہ چلتا ہے۔ دیکھو سنیوں کے گروہ قادری، چشتی، سہروردی، نوشاہی، صادقی، توکلی وغیرہم تیار ہوگئے ایسا ہی دوسرے بھی ہونگے۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد چار بڑے پیر جنکی بزرگی اللہ کے نزدیک سے آچکی تھی ہوئے۔ مگر انکے نام سے کوئی فرقہ منسوب نہ ہوا۔ اسوقت باوجود اسلام کے ایک گروہ ہونیکے ابوالدرداء اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما جیسے اصحابی ذرا سے تغیر و تبدل سے روتے تھے اور کہتے تھے کہ دین گیا۔ یقیناً اگر اصحابؓ کی بابرکات زندگی میں اسلام کے چار ٹکڑے کیئے جاتے تو وہ سب شہادت پاتے۔

اس مسئلہ پر معترض صاحب نے لکھا ہے۔ کہ بموجب اولی الامر چونکہ بادشاہ اسلام کا کہنا ماننا ضروری ہے چونکہ یہ مصلات اربعہ بادشاہ اسلام نے تعمیر کرائے تھے اسواسطے یہ جائز ہیں اور زبون نہیں۔ کیونکہ اولی الامر واجب الاتباع ہیں۔

مگر جواب صرف اتنا ہے۔ کہ اتباع اولی الامر یا استاد یا پیر فقیر یا والدین وغیرہ تب تک واجب ہوتا ہے جبتک وہ مخترعات اور خلاف دین کا حکم نہ دیں۔ اور اس امر پر احادیث صحیحہ کثرت سے وارد ہیں۔ اور تواریخ معتبر سے ثابت ہے کہ مصلات اربعہ مصلحت وقت پر تیار ہوئے نہ کہ مصلحت دین کیلئے۔

پس نہ تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اور نہ اصحابؓ تابعین نے اسلام کے چار حصے کیئے اور نہ خود ائمہ اربعہؒ نے اپنی تقلید کا حکم دیکر چار گروہ بنائے۔ اور نہ یہ مصلات اربعہ کسی امام کی اجازت اور حکم سے تعمیر ہوئے۔ من ادّعیٰ فعلیہ البیان۔

معترض نے حجۃ اللہ البالغہ کی عبارت صرف یہی لکھدی۔ کہ "چوتھی صدی میں تقلید شخصی کا رواج ہوا۔ اور سلاطین نے فقہ میں مناظرے کیئے۔ دیگر معترض نے نتیجہ کوئی نہیں لکھا۔ جواب کیا ہو۔

یہ بات صحیح ہے کہ سلطان ناصر فرج بن برقوق نے ہی چار مصلے بنوائے۔ اس سے پہلے کا ثبوت معترض نہیں دے سکے نہ ہے۔ بلکہ صحیح ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ مصلّوں کی تعمیر اسی سلطان نے کروائی تھی۔ جو مصر کے تخت پر ۸۰۱ھ ہجری میں بیٹھا اور ۸۱۵ھ کو دمشق میں مار ڈالا گیا۔

اگر مصلّات اربعہ اس سے پہلے تھے تو ثبوت لازم ہے کہ کس نے بنوائے اور کس امام نے ائمہ اربعہ سے اجازت دی۔ حجج دینی کو چھوڑ کر صرف شاہی حکم اور فعل حجت دین نہیں ہے۔

اور کتاب طریقہ محمدیہ از عبدالغنی نابلسی کی عبارت جو معترض صاحب نے [illegible]

ہے۔ کہ مصلات اربعہ اور خانقاہیں وغیرہ سب سنت میں داخل نہیں [illegible]

اگر مصلا منبر اور خانقاہ ہونگی طرح سنت ہیں، تو خانقاہوں کیلئے تو سنت کے موجب صلے اللہ
علیہ وسلم نے خانقاہیں بنانے سے منع فرمایا ہے۔ عن جابر رضی اللہ عنہ قال نھی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبور وان یبنی علیہ وان یقعد علیہ۔ (مشکوٰۃ۔ دفن المیت)
حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو گچ کرنے (یعنی پختہ خانقاہیں)
بنانے اور ان پر عمارت بنا کرنے اور ان پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

تو فرمائیے اب طریقہ محمدیہ کے ارشاد سے خانقاہیں بنانا سنت سمجھیں یا ارشاد محمدیہ صلے اللہ
علیہ وسلم سے ایسا کرنا گناہ جانیں۔ اور بنی ہوئی خانقاہوں کیلئے ارشاد ہادی یہ ہے:-

عن ابی الھیاج الاسدیؒ قال قال لی علیؓ الا ابعثک علی ما بعثنی علیہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم الا تدع تمثالا الا طمستہ ولا قبرا مشرفا الا سویتہ (مشکوٰۃ)
حضرت ابو الہیاج کہتے ہیں کہ مجھ کو علیؓ نے کہا۔ کہ کیا میں تجھے ایسے کام کیلئے نہ بھیجوں جس کیلئے مجھے
رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا۔ کہ نہ چھوڑو کوئی مورت جس کو مٹا دو۔ اور نہ چھوڑو کوئی قبر اونچی
مگر اسے برابر کر دو۔

اگر مصلا منبر اور خانقاہ کے بنانے کا ایک ہی حکم ہے تو اب آپ خود فیصلہ کرلیں۔

عجب یہ ہے کہ اصحابؓ تو ذرا سی تبدیلی پر روئیں۔ مگر آج سارے کا سارا دین بدل کر
بھی اسکی تبدیلی بدعت بھی نہیں کہتے بلکہ سنت قرار دیتے ہیں۔ اور مانع کو کہتے ہیں کہ یہ سنت سے
منحرف کرتا یا سنت کو مٹاتا ہے۔ اور اسی کی طرف عبداللہ بن مسعود کی حدیث کا اشارہ ہے۔ جو
گذر چکی۔ جبکہ ذرا سی بدعت نکلنے پر اصحابؓ کہتے تھے "کہ دین میں کچھ بھی نہیں رہا" تو بتانا چاہیئے
کہ دین کی ساری ہیئت بدلنے پر کیا کہیں؟ کہ یہ سنت ہے؟ (نعوذ باللہ)

مولوی محمد لدھیانوی نے جو مولانا رشید احمد مرحوم کی نکتہ چینیاں کی ہیں۔ عجب نہیں کہ
شاید یہ ایسی ہوں جیسے میرے مخاطب معترض نے مولانا شہیدؒ پر کی ہیں؟ اور یہ بھی ہوسکتا ہے
کہ ٹھیک ہوں؟ بہر حال میری بحث سے یہ امر خارج ہے۔ اور مجھے کتاب کی طوالت کا خوف ہے۔

معترض نے شستہ لوگوں کے حوالوں سے جو مدرسہ دیوبند کو بدنام کرنا چاہا ہے اسکا جواب
کچھ ضروری نہیں۔ مگر اتنا کہا جاتا ہے کہ اب تحصیل علوم دینی کیلئے کہاں جانا چاہیئے۔ جہاں سے خود
معترض نے پڑھا ہے۔

معترض صاحب نے بتایا ہے کہ صحیح سنت صوفیوں کو کہا جاتا ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے۔ بسر و چشم منظور
آپ کی کتاب میں سنت صوفیوں کی تعریفیں اور توصیفیں مندرج ہیں۔ ذرا انکی طرف بھی نگاہ کرنا اور
ان تعریفوں اور صوفیوں کو دیکھ لینا کہ اپنی کتاب سے بیرکت سکے ردی میں ڈالدیجیو کیونکہ صفت صوفیوں کی [illegible]

آپ کو گوارا نہیں تو ہمیں بھی گوارا نہیں۔ خدا آپ کو اجر دیگا ٭

تیسرے اعتراض کا جواب

(رسومات میت)

دیکھا جاتا ہے کہ اہل ہنود میت کا تیسرا مقرر کرکے اپنے مذہب کے طور پر اس مردہ کو کھانے و نقدی وغیرہ سے ایصال ثواب کراتے ہیں۔ اور جس چیز کا ایصال کرنا ہوتا ہے۔ وہ سب ایک برہمن کے روبرو لاکر رکھتے ہیں۔ اور وہ برہمن کچھ گٹ مٹ کرکے ایصال ثواب کرتا ہے۔ پھر دسواں بھی اسیطرح اور پھر چالیسواں گنگا پر جاکر کرتے ہیں۔ اور وہاں بھی اسیطرح تمام اشیاء مستعمل دنیا کا ثواب پہنچاتے ہیں۔ بلکہ چارپائی وغیرہ تک اکثر کو دینا پڑتا ہے۔ تو دیکھ کر مسلمانوں کو بھی رشک آیا۔ (کیونکہ اکثر لوگ مذہب ہنود سے ہی اسلام لائے تھے۔ تو یہ باتیں اُنکے خون میں ملی ہوئی تھیں اسواسطے پھر بھی نہ رہ سکے) تو ویسا ہی عمل ایک تھوڑی صورت بدلکر شروع کیا۔ تو ملاؤں نے بھی دیکھا کہ یہ تو بڑی آمدنی ہے کہ چالیس دن روٹی اور پھر مقررہ یوم کو کچھ زیادہ۔ اور چالیسواں، سہ ماہی، ششماہی، ورسینہ (سالیانہ) پر کپڑے اور بہت سے تحفے تحائف میوہ جات ملتے ہیں کیوں چھوڑیں؟ اور من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہا جرہا سے جواز لے لیا۔ مگر من تشبہ بقوم فھو منھم کو نہ دیکھا۔ اور لگے خوش الحانیاں دکھانے (دیکھئے یہ ثبوت خیر القرون سے نہ اٹھا رہے تھے) ٭

چونکہ کھانا دانا کپڑا وغیرہ یہ سب لاکر ملاصاحب کے آگے رکھا جاتا ہے۔ جو چیز اس مجلس میں حاضر ہو اسکا ثواب ہی نہیں پہنچ سکتا۔ واہ خوب ملاصاحب تو ثواب پہنچانے کے کفیل ہیں۔ یہ پتہ نہیں کہ اگر کوئی شخص صرف دل میں نیت کرے کہ میری ساری جائداد کا ثواب بیٹا فلاں کی روح کو پہنچے تو ذرا دیر نہیں لگتی اور نہ کوئی روک ہے۔ تو پھر مجلس میں چیزیں لانے کا کیا باعث ہے؟ یہ صاف دکھلاوا اور ریا ہے۔ یا رسم ہے۔ مگر بیشک رسم ہے۔ اور دین میں رسومات کا دخل نہیں ٭

غور کرنا چاہئے کہ ایصال ثواب کیلئے دنوں کا مقرر کرنا معنی کیا رکھتا ہے؟ اور اس سے نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ کیا یہ آگے پیچھے کیا جاوے۔ تو ثواب نہیں پہنچتا۔ کیا یہ بھی کوئی گاڑی کا ٹائم ہے کہ وقت گزر گیا تو پھر کچھ نہ بنیگا۔ یہ رسم ایسی ضروری ہے۔ کہ جو شخص غریب ہو۔ خواہ وہ قرض اٹھائے زیور گروی رکھے اسے یہ بیتا ضرور ہی کرنی پڑتی ہے۔ جب اسکو قرض اٹھانا اور ادا کرنا پڑتا ہے تو اُسکے دل کی حالت جو ہوتی ہے وہ مردہ کیلئے باعث عذاب ہی ہوتا ہے۔ جبتک وہ قرض ادا نہ ہو جاوے وہ قرض مردہ کا سمجھا جاتا ہے اور اسکی ادائگی کا بوجھ مردہ پر۔ تو کیوں نہ اُسوقت ہی ایصال ثواب کیا جاوے۔ جب نیت خالص ہو اور صرف کرنیکی ہمت ہو۔ پہلی دو نو صورتوں میں مردہ کو

بجائے ثواب کے عذاب ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اور اگر کوئی وارث امیر ہو تو یہ رسومات اس غرض سے ادا کرتا ہے کہ اگر ایسا نہ کیا تو لوگ کہیں گے کہ فلاں میاں نے با وجود قدرت اور رزق ہونے کے فلاں مرحوم کے چالیس دن بھی نہ کئے۔ پس ان صورتوں میں ثواب کہاں؟ یہ نہایت بیہودہ بات ہے کہ ایسے کام اگر خالصاً للہ کئے جاویں۔ تو واللہ تعیین یوم اور حاضر طعام کی کیا حاجت ہے اور ضرور کھانا پکا کر دینے کا کیا مطلب ہے اور میت کیلئے جیسے کہ روز چہلم کے وغیرہ بعد ایصال ثواب کے تقسیم کئے جاتے ہیں۔ وہ یکساں ہر ایک حاضر مجلس کو ایک ایک مٹھی۔ جو امیر ہو اسے بھی اتنا اور جو حاجتمند سائل ہو اسے بھی وہی ایک مٹھی۔ یہ طریقہ للہ خرچ کرنیکا نہیں۔ یہ رسم ہے اور جو بات ایسا ادا ہو۔ وہ دنیا کی بات کہلاتی ہے نہ کہ للہ ٭

اگر اس مرنیوالے کے گھر کوئی ناواقف سائل آ جاوے تو اسکو جواب یہی ملتا ہے کہ بھائی ہمارے ہاں تو سوگ ہے کچھ پکایا نہیں۔ مگر برادری کیواسطے نان شوربا تیار۔ یہ رسم ہے۔ نہ کہ للہ ٭

خویش و اقارب کی دعوت کرنا ثواب کا کام نہیں۔ یہ تو اس نیت سے کیا جاتا ہے کہ ہم بڑوں کی رسم ادا کرتے ہیں۔ یا اسلئے کہ جن لوگوں کے ہاں سے کھانا کھایا ہے انکو کھلانا ضروری ہے اور اعمال نیت پر موقوف ہیں۔ اگر نیت خیر کی ہوتی۔ تو محلہ والوں کا ڈر اور خویش و اقربا کا دباؤ کیسا؟ اور بڑوں کی رسم سمجھکر کیوں کرتے؟ اور نہ اسکے لئے یہ بات ضروری ہے کہ تیسرے دسویں بیسویں اور چالیسویں روز ہی ہو۔ جب خدا توفیق دے اور جو کچھ بن پڑے نیکیاں کرتے رہو۔ اسکا ثواب میت کو بخشو۔ یہ ضروری نہیں کہ کھانا پکاؤ۔ پیسہ لاؤ۔ کپڑے دو یہ سب رسمیں ہیں۔ بلکہ فوت کیلئے دو صورتیں خیرات کی ہیں۔ ایک مالی دوسری بدنی۔ مالی یہ ہے۔ کہ حاجتمند کو نقد پیسے دو۔ بھوکے کو روٹی کھلا دو۔ کوئی مسجد یا چاہ یا سرائے تیار کر کے صرف دل سے کہدو۔ کہ اسکا جو ثواب ہے۔ وہ فلانے کو بخشا۔ اگر اسمیں ریا یا دکھلاوا کی نیت ہو گی تو ثواب فوت ہو جاویگا۔ اور جو کوئی خیرات کرے اسی کو حق ہے کہ وہ خود اسکا ثواب بخشے۔ اور وہ صرف نیت ہی کریگا تو ثواب اسکے عزیز فوت کو فوراً پہنچ جائیگا۔ زبان سے بولنے کی بھی حاجت نہیں۔ اور نہ خیرات کنندہ کو اپنے سوا کسی غیر سے ایصال ثواب کرانیکی حاجت ہے۔ اور نہ ایصال ثواب کیلئے کوئی خاص طریقہ ہے کہ بغیر ملاؤں کے اور کسی کو معلوم نہیں۔ یہ صرف نیت ہے اور نیت کو وہی جانتا ہے جو صدقہ خیرات کرے۔ غیر کو کیا پتہ کہ اسکی نیت کیسی ہے۔ بس غیر کے ایصال ثواب سے کچھ نہیں بنتا جیسی خیرات کنندہ کی نیت ہوگی۔ ویسا فوت کو ثواب پہنچیگا۔ یہ ہرگز نہیں کہ ملا صاحب جیسا اچھا ختم پڑھینگے ویسا ثواب ملیگا ٭

اور ایسی تمام رسم اکثر ہندو و یہود سے لگی ہیں۔ دیکھو! دیوالی کی رات کو ہندو لوگ

مٹی کے چراغ اور فانوس، شمعدان وغیرہ ستھانوں، مندروں اور مکانوں دوکانوں اور کوؤں پر اور اپنے مویشیوں کے آگے جلاتے اور جگہ بجگہ روشنی کرتے ہیں۔ تو انہیں دیکھ کر مسلمان بھی رہ نہ سکے اور بجائے دیوالی کے شب برات اس کام کے نباہ کیلئے بنا دی۔ اور اہل ہنود سے اتنا اضافہ بھی کر دیا۔ کہ وہ تو صرف چراغ وغیرہ جلاتے ہیں۔ انہوں نے آتشبازی بھی مقرر کی۔ اور اتنا اسراف بڑھایا۔ کہ صرف مشابہت ہنود سے لاکھوں روپیہ مسلمانوں کی گرہ سے آگ کی نذر ہوتا ہے ٭

اہل ہنود وغیرہ نے بتوں سے مرادیں مانگیں اور اپنے بزرگوں کی مورتیں بنا کر انہیں پوجنے لگے تو تمام کے مسلمانوں کو بھی رشک آیا۔ تو انہوں نے اپنے پیروں اور انکی قبروں کو جا بجا بنا کر دانا۔ بیاہ شادیوں اور مرنے اور پیدائش پر جو جو کفر و شرک کفار کرتے ہیں مسلمانوں نے بھی سر مو فرق نہ چھوڑا۔ پھر بھی مسلمان ہی بنے رہے۔ سہرا، گانا، چھڑی، چھری، باجا گاجا، گھڑ، اگھڑولی، تیل وغیرہ (جنہیں ہیں تو جانتا بھی نہیں) بیاہ کی رسمیں یہ سب اہل ہنود سے لیگئی ہیں۔ کون انکار کر سکتا ہے؟ اور بین، سیاپا، تیسرا، دسواں، چالیسواں، ششماہی، سالیانہ وغیرہ یہ مردوں کیلئے رسومات ہیں۔ اور ہندوؤں کو ان کا موجد ہونیسے کون انکار کر سکتا ہے؟ یہ سب رسمیں ہندوستان میں جاری ہیں۔ اور کسی ملک میں بلکہ کابل جیسے ابد ملک میں یہ رسومات نہیں ہیں۔ من تشبہ بقوم فہو منہم ایسی تشبیہات پر ہی ناطق ہے ٭

ایک قابل غور بات یہ ہے۔ کہ ہندو لوگوں نے ہمارے مذہب کے ایک بات کو بھی اپنے مذہب میں رواج نہیں دیا۔ اور نہ انہوں نے ہماری کسی رسم کو اخذ کیا۔ تو جس کام کو وہ بھی کریں اور ہم بھی کریں۔ اور ہمارے پاس دلائل شرعی سے اسپر کوئی دلیل نہ ہو اور ہندو کے مذہب میں مذہبی بات ہو۔ تو نتیجہ اسکا یہی نکلتا ہے کہ ہم نے ایسی باتیں ان لوگوں سے سیکھی ہیں۔ جنہوں نے انکو مذہبی طریق میں رواج دیا ہے۔ اور بیشک ہمارے پاس اصول دین سے ایسی باتوں کیلئے کوئی سند نہیں ٭

اور حدیث شریف من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ الخ کو ہم جواز سجدہ تعظیم الشیخ والقبر استمداد از اہل قبور، رسومات مشابہ بکفار، ہر عالم شیخ پیر فقیر کی تقلید کے جواز اور قبروں کو عید بنانے اور ایسی دیگر خرافات کرنے پر ہرگز حاوی نہیں کر سکتے۔ جنکا رد تیج شرعی میں ہے۔ جو بات تمام مسلمان لوگ نئی ایجاد کرتے جائیں گے۔ کیا وہ بھی سنۃ حسنۃ ہی ہوگی؟ ایسی ہی سنۃ حسنۃ کے پیچھے دوڑ کر دین تو خبط ہو چکا ہے۔ ابھی کوئی سنۃ حسنۃ باقی ہے تو نکال لو ٭

معترض صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۵۳، ۲۰۳ وہ احادیث لکھی ہیں۔ جن سے صدقہ وغیرہ کا ثواب مردہ کیلئے ثابت ہوتا ہے۔ مگر سوالے دیگر جناب دیکھیے۔ کہ مولوی گنگوہی صاحب مرحوم نے لکھا ہے کہ ثواب نہیں پہنچتا؟ انہوں نے تمہاری ایجادوں اور مقررات کو حرام لکھا ہے۔ عقل سے کام لو ٭

اس بات پر ہمارا ایمان ہے کہ قرآن عزیز کی طرح چار و ناچار فرشتے بھیجتا ہے کہ کوئی بیکس پکڑے۔
اور بیشک ایک رائی کے دانہ کا ثواب بھی اسے پہنچتا ہے ۔ مگر ایصال ثواب کیلئے چند ایک
شرائط ہیں۔ پہلا ریا نہ ہو۔ دوسرے رسمیہ نہ کیا جائے۔ تیسرے خیرات کنندہ خود خالص نیت سے
ایصال ثواب کرے۔ چوتھا جب فرصت ہو اور جو کچھ بن پڑے خیرات کر دے اور قرض نہ اٹھائے
اور یہ ضروری نہیں کہ کھانا پکا کر اور کپڑے وغیرہ دے۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ دن مقرر کرے
یہ سب رسومات کے طور پر کیا جاتا ہے۔ والسلام (قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا وصیت نامہ دیکھو)

چوتھے اعتراض کا جواب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شیطان کو علم زیادہ ہے (نعوذ باللہ)

یہ فقرہ لکھنے میں معترض نے کمال کر دیا ہے۔ ایسے علم و فضل سے شیطان بھی ترساں ہوگا؟
بہرحال معترض کا منشا یہ ہے کہ سب اہل قرآن گزشتہ لوگوں پر الزام لگا کر سب و شتم کر کے ان سے تو لوگوں کو
بدظن کر دوں۔ اور جب لوگ بدظن ہو جاویں تو خود مجدد بننے کا دعویٰ کر دوں۔ پناہ بخدا! بیشک
میرے معترض جیسا فہیم و فضیل ہونا دشوار ہے۔ مگر آپ جناب اہل علم کا اردو نہیں سمجھ سکتے جس
عبارت سے معترض نے یہ فقرہ نکالا ہے۔ وہ یہ ہے:-

"الحاصل غور کرنا چاہیئے کہ شیطان اور ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف
نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے۔
شیطان اور ملک الموت کو یہ وسعت علم نص سے ثابت ہے۔ فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی
ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے شرک ثابت کرتا ہے۔"

صحیح فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ مگر اسکا مطلب یہی ہے جو کتاب ہذا کے صفحہ ۱۰۲ پر لکھا گیا ہے
کہ شیطان اور ملائکہ کی وسعت علم کیونکر ہے؟ اور یہاں بھی واضح کر دیتا ہوں۔ کہ شیطان انسان کے
جسم میں اس طرح پھرتا ہے جیسے خون۔ اور حدیث میں آیا ہے۔ کہ ہر انسان کو چاہیئے کہ صبح اٹھ کر اپنے ناک
کو اچھی طرح صاف کرے کیونکہ شیطان رات بھر ناک میں رہتا ہے۔" اور تیسرا فعل شیطان کا یہ ہے
کہ وہ لوگوں کو گمراہ کر سکتا ہے۔ چوتھا یہ کہ سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل مبارک کے دیگر ہر ایک
شکل میں اپنی صورت بدل سکتا ہے۔ تو اس قسم کی طاقتیں کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ثابت ہیں؟
وہ تو کسی کے خون میں مل سکتے تھے۔ اور نہ ہی (نعوذ باللہ) کسی کی ناک میں سما سکتے تھے۔ اور نہ ہی
آپ کو کسی کی ہدایت یا گمراہی کا اختیار تھا۔ اور نہ ہی آپ اپنی شکل مبارک کو بدل سکتے تھے۔
تو کیا معترض اس سے سمجھیگا کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شیطان کا درجہ یا قدرت

زیادہ ثابت کی ہے ؟ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ اسکا جسم ناری ہے اور ناری مخلوق کو اس قسم کی بہت سی طاقتیں دیگئی ہیں۔ جو اکثر کسی پیغمبر یا اولیا میں نہ تھیں۔ اور اس سے یہ مراد نہیں کہ شیطان کا علم یا قدرت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہے ؛

اور فرشتوں کو بھی طاقت ہے کہ آن کی آن میں تمام جہان کا سیر کر سکتے ہیں۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ایسا ظہور میں نہیں آیا۔ تو کیا فرشتوں کا درجہ زیادہ ہوگیا ؟ ؎

ہر کسے را بہر کارے ساختند

اگر عیسٰی نے اکثر مردے زندہ کئے اور آنحضرت صلعم سے ایسا ظاہر نہیں ہوا تو کیا حضرت عیسٰی کا مرتبہ اس بات سے زیادہ ہوگیا ؟ نہیں آپکا مرتبہ یہی ہے ؎

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اگر حضرت سلیمانؑ کا تخت ہوا پر چلتا تھا۔ اور ہر مخلوق انکے دربار میں حاضر رہتی تھی۔ تو کیا اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ایسا ظاہر نہیں ہوا۔ تو حضرت سلیمانؑ کا درجہ بلند مانا جاویگا ؟ نہیں آنحضور علیہ التحیۃ والسلام سب مخلوق کے سردار ہیں۔ اور سرداری و درجہ علم پر منحصر نہیں ہے بلکہ تقوے سے ترقی درجات ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ۔ دیکھو شیطان تمام فرشتوں کا معلم رہ چکا ہے۔ مگر آنجناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کو فرشتہ (جبریلؑ) نے سینہ سے لگا کر بھینچا تو آپ علم سے خبردار ہوئے ؛

نقل ہے کہ نزول نبوت سے پہلے جب آنحضور صلعم غار میں جاکر عبادت کرتے تھے۔ تو جب غار حرا میں آپکے پاس جبرئیل نازل ہوئے تو انہوں نے کہا۔ یا حضرت پڑھو! حضرتؐ نے فرمایا کیا پڑھوں ؟ میں تو لکھنا پڑھنا نہیں جانتا۔ جبرئیلؑ نے پہلے آپکے یہ الفاظ پڑھائے استعیذ باللہ من الشیطٰن الرجیم پھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اسکے بعد سورہ علق کی پہلی دو آیتیں پڑھائیں یعنی اقرأ باسم ربک الذی خلق ۚ خلق الانسان من علق ۚ اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم پھر حضرت جبرئیلؑ نے تین دفعہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے جسم سے لگا کر بھینچا جس سے خداوند کریم نے آپکو سب علم سے خبردار کردیا۔ اسکے بعد جبرئیل نے ایک پانی کا چشمہ پیدا کیا اور آپ کو وضو کرنا بتایا۔ اور نماز کی دو رکعتیں پڑھوائیں الخ ؛

یہاں سے ثابت ہے کہ علم اور وضو اور نماز کا معلم جبرئیل ہا ... [illegible] ... تو اس سے جبرئیلؑ کا درجہ ہم زیادہ نہیں مانیں گے۔ آنحضورؐ سب کے سردار ہیں ؛

مولانا رشید احمد صاحب نے کہ علم محیط زمین کا لکھنے سے بھی قدرتیں اور فعل مراد ہیں جو الہم نے وضاحت سے شیطان اور ملائک کے بابت وہ افعال لکھے ہیں جو حضورؐ سے ظاہر نہیں

ہوئے مگر شیطان اور ملائکہ کیلئے نصوص سے ثابت ہیں ۔ یا یہ مراد ہے کہ اگرچہ ایسی طاقتیں اور افعال ملائکہ اور فرشتوں میں نصوص سے ثابت ہیں تو پھر بھی انکو عالم الغیب ماننا شرک ہے۔ تو جبکہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے ایسی قدرتیں اور افعال (سرشتی طور پر) ظاہر نہیں ہوئے اور اس بارہ میں کوئی نص ہے۔ تو آپ کو عالم الغیب ماننا کب ایمان ہو سکتا ہے۔ اور یہی مطلب بہین صحیح ہے۔ اور دیگر علوم سینیہ، دینی قرآنی، فلسفہ ریاضی، درسی تدریسی یا دوشتن خواندن مراد نہیں ہے۔ فافہم ۔

نیز ملک الموت کو روحوں کے قبض کی طاقت ہے۔ اور یہ علم ہوتا ہے کہ اسوقت فلاں کا اور اُس وقت فلاں کا روح قبض کرنا ہے۔ مگر آنحضرت صلعم کو یہ طاقت نہ تھی۔ بلکہ خاص وقت کے سوا آپ کو اپنے انتقال کا پتہ نہ تھا۔ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۚ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ (پ ۲۱ ع ۱۳) کسی نفس کو یہ پتہ نہیں کہ کل کیا کریگا اور یہ بھی پتہ نہیں کہ وہ کس اور کس زمین میں مریگا ۔ بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قبض روح کی اجازت بھی عزرائیل کو ہی ملی تھی۔ ایسی طاقتیں اور علم آپ میں نہ پائے جانے کے باعث آنجناب کی قدر و منزلت کی کمی نہیں سمجھی جائیگی۔ اور نہ یہ کتاب و سنت کا خلاف ہے۔ (زیادہ تشفی کیلئے علم غیب کی بحث دیکھو) وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ المجتبیٰ محمد المصطفیٰ شفیع الامم وعلی آلہ واصحابہ واھلبیتہ وحبیبہ ومن اتبع الھدیٰ آمین ۔

معترض کے فتاووں اور تقریظوں پر ایک نظر

معترض نے اپنی کتاب میں فتووں اور تقریظوں کے طومار باندھے ہیں۔ اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اور مولوی محمد اسمٰعیل شہید اور مولوی رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم سب کو کافر۔ مرتد مشرک قرار دیدیا ہے (نعوذ باللہ) معلوم نہیں کہ مسلمان کہاں ہیں ؟ آج کل کے مفتی ننگی تلوار لیکر برسرپیکار رہتے ہیں جسکو دل چاہا اسلام سے کاٹ دیا۔ اور جو چاہا حسب مطلب بدعت حسنہ کرکے دین میں ملا دیا۔ نہ خدا کا خوف نہ رسُول کی حرمت کا پاس۔ خدا اور رسُول کا حکم تو یہ ہے کہ کافروں کو دین اسلام بتا کر مسلمان بنا یا کرو مگر ان کا جب داؤں چلتا ہے کسی نہ کسی کو اسلام سے ہی خارج کر دیتے ہیں۔ اور تقریظیں لکھنے والے بھی اسیطرح تقریظ لکھنا اپنا فخر جانتے ہیں۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں۔ اور تعجب کس لئے کیا ؟

حتی المقدور دینی احکام پر توجیہ سے لکھ چکا ہوں۔ اور بزرگوں کی نسبت بدظنیاں رفع

ذکر چکا ہوں اسی غرض سے یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ اور باقی رہ گئے مولوی اشرفعلی صاحب تھانوی اُنکے
مذہبی مسائل کے اختلاف کا جواب تو ہو چکا۔ مگر جو اُن کا معترض نے ایک انفرادی فعل لکھا ہے یعنی
مولویصاحب مذکور نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی بجائے ایکدفعہ لا الٰہ الا اللہ اشرفعلی رسول
اللہ لکھا تھا۔ تو اسکے متعلق میں نے معترض کی محولہ عبارت اور کتاب کو بسبب نہ ملنے کے نہ دیکھا۔
خاص مولویصاحب کو ہی بذریعہ خط استعلام کیا۔ تو انہوں نے نہایت رنجش سے احقر کو یہ جواب دیا
کہ "اگر کہیں لکھا ہے تو بتاؤ۔ اگر میں نے نہیں دیکھا۔ تو کیوں میرے سر دشمنوں کے بہتانوں کے تیر
چبھوتے ہو" جس سے میں نے سمجھا کہ مولویصاحب اس بہتان سے بری ہیں۔ اور جو علماء نے تمام دیوبند
کو سب و شتم اور کفر لگایا ہے۔ وہ خود سمجھ لیں مسائل کا فیصلہ تو حتی المقدور کر چکا ہوں ٭

عجب یہ ہے کہ معترض نے اپنی کتاب کی تقاریظ میں اکثر علماء تعلیم یافتہ دیوبند ہی سے
تقریظیں لیکر شامل کی ہیں جس سے نہ تو ان تقریظیں لکھنے والے علماء کو حمیت آئی۔ کہ جہاں سے
ہمیں فیض حاصل ہوا اور ہم نے دین کا راستہ دیکھا۔ اسی جگہ پر کفر تھوپنے والی کتاب پر تقاریظ لکھیں
اور نہ ہی معترض کو موازنہ کرنیکی توفیق ہوئی۔ کہ اُنہی کو کافر ٹھہراتا ہے اور انہی کے شاگردوں سے
تقریظیں لیتا ہے۔ کیا انکی تقریظیں معتبر سمجھی جاوینگی جنکو اپنے استادوں اور پیروں پر کفر لگنے
سے حمیت اسلام سے خیال تک نہ گزرا۔ شرم کا مقام ہے ٭

پنجاب کے ایک بزرگ جو پیر بھی ہیں انکے مرید سے تو یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ خود مریدوں کی
شفاعت کیلئے دعوے کرتے بلکہ وثیقہ لکھنے کو تیار ہیں۔ قیامت کا خوف ذرا نہیں۔ حالانکہ حضور
علیہ السلام نے فرمایا یا فاطمۃ انقذی نفسک الخ اور آپکا ارشاد ہے فرمایا کہ میں قیامت سے تم
سب سے زیادہ خائف ہوں۔ کیونکہ اللہ فرماتا ہے انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔ تو پیر صاحب نے
بھی تقریظ لکھی ہیں۔ اور انکے صاحبزادے تعلیم یافتہ دیوبند نے بھی تقریظ تحریر فرمائی ہیں۔ یہ بھی انتہائی
رنج کا مقام ہے کہ جہاں سے علم حاصل کیا انہی کے برخلاف زبان درازی کی جاتی ہے ٭

اسی طرح لاہور کے کئی علماء کی تقریظیں شامل ہیں جنہوں نے غالباً بلا تحقیق مصنف کی زبانی
گفتگو پر اعتماد کرتے ہوئے حسب خواہش تقریظیں لکھنے کو اپنا فخر سمجھا۔ اور اپنی ذمہ داری اور عاقبت
بینی کو حقیر جانتے ہوئے ایسے اہم کام کو نہایت ہلکا جانا۔ ہم اُنکے علم و فضیلت پر کوئی نکتہ چینی نہیں کرتے
صرف یہ پوچھتے ہیں کہ افتراق امت کی انہوں نے کہاں تک حفاظت کی۔ اور اپنے خیالات کے تابع
کے کس حد تک ذمہ دار ہیں؟

مولوی غلام دستگیر قصوری کی شہادت

معترض نے اپنی کتاب میں مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری [illegible]

مولوی غلام دستگیر صاحب نے ان بزرگوں پر کفریہ فتوے تھوپے۔ اور کسی موقعہ حرمین شریفین کی زیارت کو گئے۔ تو وہاں کے علما سے مذکور الذکر علما پر کفر لگوایا۔ علمائے حرمین سے کیا کہا؟ اور کیا سنا؟ اور کیا ظاہر کیا؟ اس بات کو خدا ہی جانتا ہے۔ پہلے مولوی صاحب مذکور پر اعتبار تو ہولے پھر انکا فتوے لانا دیکھا جاویگا۔ چنانچہ آپ کے ایک ہمعصر مولوی صاحب اپنی کتاب رسالہ واعظ البیان میں لکھتے ہیں ؎ اشعار پنجابی

غلام دستگیر ہے پیر اُسیدا اے مشہور قصوری — جسدے وچ قصور ہووے اُہدی بات نہیں منظوری
قصوری دی توں صفت سنائی کیڈا جھوٹ الایا — خلق نبیؐ حیا عثمانی او تھوں تیک پہنچایا
میں اسنوں کئی واری ڈٹھا کئی واری ازمایا — شرم حیادا برقعہ اُسنے اپنے منہ توں لاہیا
بہت تعدّے باز آہا اوہ بہت لڑائیاں کردا — جیکر خلق نبیؐ دا ہوندا کیوں ایہہ گلّاں کردا؟
جھڑیاں صفتاں اُسدے اندر کی میں آکھ سناواں — موئے نوں ہُن کی میں آکھاں رب بخشیں شہزاداں

علمائے حرمین کا فتوے بغیر شاہدین کے معتبر نہیں ہو سکتا۔ تعصب سے وہ مقامات مقدسہ بھی خالی نہیں۔ حکیم مولوی محمد عبد الغفور صاحب مصنف مفید الاحناف بر دو حصہ دوسرے حصہ میں چشمدید واقع لکھتے ہیں "تعصب عجیب۔ جب میں ماہ رمضان المبارک ۱۳۲۳ھ کو مکہ مکرمہ پہنچا۔ وہاں متعصبان حنفیہ کو عموماً اور سلیمانی یعنی کابلی کوہستانیوں کو خصوصاً دیکھا گیا۔ کہ حرم محترم میں صبح کی نماز شافعی امام کے پیچھے اسلئے نہیں پڑھتے ہیں کہ اُنکی آنکھوں میں غلس (اندھیری) رات معلوم ہوتا ہے۔ انکے زعم فاسد اور فہم کاسد میں نماز فجر شافعی مصلے میں کچھ رات رہتے ہوتی ہے۔ لیکن مالکی اور حنبلی مصلے میں فجر کی نمازیں باوجودیکہ ایسے وقت میں ہوتی ہیں۔ کہ اندھوں کو بھی صبح کی روشنی معلوم ہوتی ہے تاہم وہ لوگ محض جہالت و تعصب سے منکرین جماعت کیطرح علیحدہ بیٹھے رہتے ہیں۔ جب تینوں مصلوں کی نمازیں ختم ہو جاتی ہیں تب حنفی مصلے کی نمازیں شریک ہوتے ہیں"۔

پس اس قول سے مولانا رشید احمد صاحب کا قول صحیح ثابت ہوا۔ جو انہوں نے لکھا کہ "مصلات اربعہ کے باعث تکرار جماعت و افتراق اس سے لازم آگیا۔ کہ ایک جماعت ہونے میں دوسرے مذہب کی جماعت بیٹھی رہتی ہے" الخ اور معترض نے جو اسکے خلاف لکھا ہے۔ کہ تکرار جماعت و افتراق نہیں ہے۔ سب ایکدوسرے کی اقتدا کرتے ہیں" یہ غلط ہے)۔

اور کتب اصول فقہ میں دیکھو کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے علمائے حرمین کو حجت نہیں مانا اور ہم بھی اُنکے فتووں کو پتھر پر لکیر نہیں مانتے۔ جبکہ شرک، تعصب، خود پرستی، کشت وخون، لوٹ مار معصیت، پرہیزگاری ہمارے ملک کیطرح بلکہ لوٹ مار یہاں سے زیادہ ہے تو اسکو فخر تو صرف ہر دو بقعہ شریفہ یعنی بیت الحرام، مسجد نبوی (روضہ مطہرہ) سے ہے ورنہ جو کچھ وہ لوگ بیت الحرام، منیٰ اور صفا مروہ وغیرہ کا ادب کرتے ہیں وہ حاجیوں کی زبانی تصدیق ہوتا ہے۔ کہ یہ مقامات مقدسہ غلاظت

وغیرہ پلیدی سے اکثر پُر رہتے ہیں۔ اور ایک نیکبخت حاجی صاحب نے ذکر کیا۔ کہ ایک دن جمعہ کے روز بیت الحرام میں حنفی مصلّے پر نمازِ جمعہ کا اتفاق ہُوا۔ تو دیکھا کہ امام صاحب نے ڈاڑھی کو نہایت صفا کروایا ہُوا تھا۔ ہر چند بعض حاجیوں نے اسبات کو مکروہ جانکر امامتِ جمعہ کی اجازت چاہی۔ مگر امام صاحب نے منظور نہ فرمایا۔ آخر اقتدا کر لیا ۔

اہلِ حرمین اور عالمانِ حرمین کی بدولت سلطنت عرب دولت عثمانیہ سے نکلکر انگریزوں کے ماتحت ہو گئی۔ کسی عالم کے کان پر جوں نہ سرکی حالانکہ عین جہاد اُن پر فرض ہو گیا تھا۔ اور انہی عربوں اور مشائخانِ عرب کی بدولت جو جو ظلم حاجیوں پر کئے جاتے ہیں۔ وہ حاجی ہی جانتے ہیں یعنی شیخ القافلہ، رہنمایانِ قافلہ، محافظانِ قافلہ، ملک الحجاز وغیرہ یہ سبھی مسافرانِ حجاز پر ڈاکوؤں کا سا کام کرتے ہیں اور خون کرنے تک سے نہیں رُکتے۔ تو یہ سب کارروائیاں قاضیانِ حرمین کی حکومت کے زیر سایہ ہوتی ہیں۔ نہ کوئی پرسش نہ باز پرس۔ ایسے حالات کی تصدیق جرائد حاضرہ سے بخوبی ہو سکتی ہے۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ لدھیانہ کے مولوی کا فتوے معتبر ہے یا بریلی کا یا لاہور کے علما خوب فتوے دیتے ہیں۔ نہیں۔ بلکہ جن علماؤں نے فتوے دینے کو اپنا فخر سمجھ رکھا ہے انہی خود پرستوں کی بدولت مذہب کی آزادی ہو رہی ہے اور یہی افتراق امت کے موجد ہیں۔ اور خصوصًا اسکا موجد تقلید شخصی کا فتنہ ہے۔ جو اللہ اور رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی سندوں کو چھوڑ کر تقلید شخصی سے ہو کر دوسروں کی سندوں کو معتبر سمجھتے ہیں۔ اور انکی تقلید کرتے ہیں۔ ائمہ اربعہ کی تقلید تو کجا؟ دیگر کئی ہزار ہا قابلِ تقلید ٹھہر چکے ہیں۔ اور اس مستحب فعل کو فرائض سے بھی بڑھا دیا گیا ہے۔ اگر تقلید شخصی مستحب ہی رہتی تو لاتعداد مذہب بڑھنے کی امید نہ تھی۔ آجکل جو کوئی اس مستحب بدعت کا منکر ہے بس وہ کافر ہوا (نعوذ باللہ) ہم تو کتاب اللہ اور حدیث کو بلا دلیل پوچھے قابلِ تقلید و اتباع جانتے ہیں۔ اور جو مسئلہ ان دونو سے صریح نہ ہو سکے تو ہمارا رجوع **اجماع امت** کیطرف ہوتا ہے۔ اور یہانتک ہی ہمارے پیشوا صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اور سب سلف صالحین کا یہی مذہب تھا۔ کہ وہ سنت کے خلاف قولِ صحابہ کو سند نہ پکڑتے تھے۔ تو اب کیونکر ہر اہلِ علم کے قول و فعل کو سند پکڑا جائے۔ یعنی قول الصحابی حجۃ یجب تقلیدہٗ عندنا (عند حنفی) اذالم ینفہ شیئ اخر من السنۃ یعنی قولِ صحابی تب حجت اور قابلِ تقلید ہوگا۔ جب وہ خلاف سنت نہ ہو۔ (شامی صفحہ ۱۵)

اور اجماع کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ تمام علمائے مذہب کا اتفاق ہو۔ جیسا مولانا شبلی نعمانی رحمہ سیرۃ النعمان حصہ دوم صفحہ ۱۸۱ پر لکھتے ہیں "اسکا التزام تھا کہ جبتک تمام شرکائے جلسہ جمع نہ ہو لیں کسی مسئلہ کو طے نہ کیا جائے" یعنی امام اعظم کے وقت وہ مسئلہ تسلیم ہوتا جو تمام علما کی رائے کے مطابق ہوتا اور یہ لازم تھا کہ اگر ایک شخص بھی جلسہ میں حاضر نہ ہوتا تو اسدن کے مسئلہ کو طے نہ کرتے ۔

اور معترض نے میت کا تیسرا دسواں چالیسواں وغیرہ بحاضر طعام تعیین یوم پر لکھا ہے کہ اکثر اسیر متفق الرائے ہیں اور حدیث میں ہے لا یجتمع امتی علیٰ ضلالۃ۔ اسواسطے ایسا کرنا منع نہیں ہے" اسکا پہلا جواب یہ ہے کہ اجماع امت ۲۷۶ صفحہ کتاب ہذا پر بحوالہ سیرۃ النعمان دیکھو۔ اور اجماع یہ نہیں کہ بعض کا اتفاق ہو اور بعض نا موافق۔ بلکہ اگر ایک کا اتفاق نہ ہو۔ تو بھی اجماع نہ کہلائیگا۔ جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ کے وقت شرکائے جلسہ میں سے اگر ایک بھی غیر حاضر ہوتا تو دوسرے لوگ اس مسئلہ کو طے نہ کر سکتے۔ دوسرا جواب یہ ہے :-

وفی البزازیۃ یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوۃ لقراءۃ القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم او القراءۃ سورۃ الانعام او الاخلاص۔ الحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراءۃ القرآن لاجل الاکل یکرہ الخ (رد المختار صا۲ جلد ۹۲) مکروہ ہے کھانا پکانا پہلے اور تیسرے دن اور بعد ہفتہ کے۔ اور لیجانا کھانے کو قبر کیطرف مواسم میں۔ اور دعوت کرنی قرآن پڑھنے کیلئے اور صالحوں اور قاریوں کو جمع کرنا ختم قرآن اور سورہ انعام یا اخلاص پڑھنے کیلئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ وقت قرآن پڑھنے کے کھانے کے لیئے کھانا پکانا مکروہ ہے۔ (چہ جائیکہ بحاضر طعام قرآن پڑھا جائے) وفیہا من کتاب الاستحسان و ان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا اھ واطال فی ذلک فی المعراج وقال وھذہ الافعال کلہا للسمعۃ والریاء فیحترز عنہا لانہم لا یریدون بہا وجہ اللہ تعالیٰ اھ اور بزازیہ میں کتاب الاستحسان سے نقل کیا ہے۔ فقرا کیلئے کھانیکا اہتمام کرنا اچھا ہے۔ صاحب معراج نے اسبارہ میں بہت طویل بحث کرکے کہا ہے۔ کہ یہ سب افعال دکھلانے اور سنانے کیلئے ہیں اس سے بچنا چاہیئے۔ کیونکہ ان کاموں میں لوگونکو رضائے الٰہی مقصود نہیں ہوتا "۔ (اب خود غور فرمالو۔ کہ اجماع امت جو معترض نے لکھا ہے کیا صحیح ہے؟ یا جسپر سلف صالحین کا اجماع ہو وہ صحیح ہے)۔

حاجی لعل خاں مدراسی کی کتاب کے تعصب پر مبنی ہونیکی دلیل

حاجی لعل خاں صاحب مرحوم اپنی کتاب تاریخ دہابیہ دیوبندیہ میں مولوی محمد اسمٰعیل صاحبؒ شہیدؒ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں "پھر تقویت الایمان کے اول میں بھی ظاہر بت کو خوب چمکایا اور لکھا ہے " اس زمانے میں دین کی بات میں لوگ کتنی راہیں چلتے ہیں۔ کوئی پہلوں کی رسمونکو سند پکڑتے ہیں۔ اور کوئی اپنی عقل کو کچھ دخل دیتے ہیں۔ اور ان سب سے بہتر راہ یہ ہے۔ کہ اللہ اور رسول صلعم کے کلام کو اصل رکھے۔ اور اسی کو سند پکڑے اور اپنی عقل کو کچھ دخل نہ دے "۔ (اسکے آگے حاجی صاحب لکھتے ہیں) اور تقریر طویل کے بعد (شہیدؒ صاحب نے) لکھا ہے کہ اللہ اور رسولؐ ہی کے کلام کو تحقیق کریں۔

اور اسی کے موافق اپنے ایمان کو ٹھیک کریں"۔

اہل بصیرۃ ذرا مولانا شہیدؒ کی مذکورہ عبارت پر غور فرماویں۔ اور مفصلہ ذیل حاجی صاحب کی عبارت کو دیکھیں کہ انہوں نے کیا نتیجہ نکالا ہے یعنی نکھتے ہیں نعت پہلے دو لطیفے ان کے سمجھنا چاہئے (مسئلوں کو لطیفے لکھا ہے) کہ کیا کام کیا ہے۔ ایک تو ہر خاص و عام کو طلب دین اور تحقیق کتاب و سنت کا حکم دیا۔ اور یہ بات صریح مخالف ہے کلام الٰہی کے۔ کہ سورہ توبہ میں فرمایا۔ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ (ترجمہ از حاجی صاحب) اور نہیں ہے کہ سارے مسلمان نکلیں سو کیوں نہ نکلے ہر فرقہ میں سے انکے ایک گروہ کہ دین میں فقاہت حاصل کریں۔ اور خبر دیں اپنی قوم کو جب پھر کر آویں انکی طرف شاید وہ بچتے رہیں"۔

حاجی صاحب نے مولانا شہیدؒ کی عبارت کو اس آیہ کے خلاف ثابت کیا ہے۔ مگر ذرا قدم آگے بڑھتا تو شارع علیہ السلام کے اس قول "طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ" کو بھی اس آیت کے خلاف لکھ دیتے۔ اور آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بھی نکتہ چینی کرتے۔ تو پھر پورے طور پر حنفیت ظاہر ہوتی۔ حالانکہ آیت مذکورہ سے بھی یہی مطلب نکلتا ہے کہ سارے مسلمانوں کو علم دین سیکھنا چاہئے۔ یعنی کچھ تو گھر بار اور دوسرے کاموں کو چھوڑ کر علم دین سیکھیں۔ اور پھر وہ واپس آکر اور گھروں میں جاکر اپنے دوسروں کو سکھاویں۔ بہرحال سیکھنا علم دین کا سب کیلئے ضروری ہے۔ اور ایسا ہونا مشکل ہے کہ سبھی لوگ کام کاج چھوڑ کر علم دین سیکھیں۔ اسواسطے فرمایا۔ کہ کچھ ایسا کرلیں۔ اور پھر وہ آکر دوسرونکو سکھاویں۔ حاجی صاحب والا نکتہ غلط ہے۔ اور مولانا شہیدؒ کی عبارت اس حدیث کے مطابق ہے یعنی طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ۔

معترض مخوالے نے اس حاجی صاحب سے بہت سی اسناد لکھی ہیں۔ پس جب احقر نے حاجی صاحب کے ایسے نکتوں کو دیکھا تو ہرگز قابل اعتماد نہیں۔ بلکہ تعصب سے لکھی گئی ہے۔

دوسری جگہ حاجی صاحب لکھتے ہیں "احمد الصاوی المالکی حاشیہ تفسیر جلالین میں فرماتے ہیں کہ ائمہ اربعہ کے سوا دوسرے کی تقلید جائز نہیں۔ اگرچہ وہ صحابہ کے قول یا حدیث صحیح یا آیت کے موافق ہو" (واہ سبحان اللہ ایمان جاوے پر تقلید کو نہ چھوڑو)۔

اچھا بھائی! اگر یہ مذکورہ قول صحیح ہے تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیوں فرمایا؟ "اترکوا قولی بخبر الرسول" اس سے مقلدوں کو اپنے امام کے قول کو رد کرنا لازم آتا ہے۔ امام صاحب تو فرماتے ہیں۔ کہ حدیث کے ملجانے پر میرا قول چھوڑ دو اور انکے مقلد فرماتے ہیں۔ کہ ان کا قول نہ چھوڑو۔ خواہ حدیث یا آیت اسکے خلاف ہو۔ تو بتانا چاہئے۔ کہ ہم امام صاحب کا اتباع کریں یا امام

صاحب کے مقلدوں کا؟

اذا اختلف الامام و صاحباہ فالعبرۃ لقوۃ الدلیل وھو الصحیح اھ جس مسئلہ میں امام صاحب اور انکے شاگردوں کا اختلاف ہو۔ وہاں قوی دلائل پر عمل ہوگا۔ (امام صاحبؒ کے قول کو وہاں نہ پکڑا جاویگا) (شامی ص۸۷۵)۔

یہاں سے ائمہ اربعہ کے سوا امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ کا اتباع اگر انکی دلیل قوی ہو تو لازم آتا ہے

پھر حاجی صاحب لکھتے ہیں بحوالۂ احمد الصادی "جو شخص ان چار مذہبوں سے خارج ہوا۔ وہ گمراہ اور گمراہ کرنیوالا ہے۔ اور بسا اوقات یہ کفر تک پہنچیگا۔ اسلئے کہ ظاہر کتاب اور سنت کو لینا کفر کا شیوہ ہے (یعنی ہر جگہ) (نعوذ باللہ)۔

کتاب اور سنت پر اصحاب، تابعین اور ائمہ اربعہ کا عمل تھا اور تمام محدثین کا بھی۔ تو پہلے تو حاجی صاحب کا فقرہ (نعوذ باللہ) ان پر چلیگا۔ پھر دوسروں کو دیکھا جاویگا۔ اللھم احفظنا عن الفساد۔

بحوالۂ کتاب معتبر ایسی عبارات کا ثبوت ائمہ سے دینا چاہیئے۔ اور یہ بھی بتانا ضروری ہے کہ کب ائمہ اربعہ نے اپنی تقلید کا حکم دیا؟ اور کب ایک اسلام کے چار فرقے بنائے؟ اور کب انہوں نے مصلات اربعہ کی تعمیر کا حکم دیا۔ (جواب انکے اقوال سے ہونا چاہیئے)۔

حجۃ اللہ البالغہ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں "فرقہ ناجیہ وہ ہے جو عقیدہ و عمل موافق ظاہر کتاب و سنت و طریقہ جمہور صحابہ و تابعین کے کرے۔ اگرچہ درمیان اسکے کسی امر غیر منصوص میں کچھ اختلاف ہو"۔

پس احمد الصادی اور حاجی صاحب کے خیال کی تردید ہوگئی۔ اور ظاہر کتاب و سنت اور طریقۂ تابعین و صحابہ پر عامل ہونا فرقہ ناجیہ کا فعل ہے۔ اور کسی کے قول کو بلا حجت ماننا جائز نہیں۔

مذکورہ ہر دو بحثوں سے ثابت ہے کہ حاجی صاحب کی کتاب ہرگز قابل اعتماد نہیں ہے۔ کیونکہ اس کتاب میں اول تو عوام الناس کو علم دین سیکھنے سے منع کیا۔ جو لوگوں کی گمراہی کا باعث ٹھیرتا ہے۔ پس یہ ایک خلاف سنت فعل ہے کہ طلب دین سے روکا۔ اور دوسرے ظاہر کتاب و سنت پر عمل کرنیکو (نعوذ باللہ) کفر کا شیوہ لکھا۔ یہ بھی کمال علم ہے۔ بس ایسی کتاب کے ہر ایک دلائل کو ہم نامعتبر سمجھتے ہیں۔ اور یہ کتاب حنفی کی تصنیف نہیں۔

تقویۃ الایمان کے موافق علما

جو شخص تقویۃ الایمان کو کفریہ کتاب اور مولانا شہیدؒ کو کافر کہتا ہے۔ ہم اسے کچھ نہیں کہتے اسکا معاملہ اللہ پر ہے۔ صرف سلف صالحین کے فتاووں اور تقریظوں کو دیکھ مفتیوں اور تقریظ

لکھنے والے علماؤں کے نام لکھ دیتے ہیں۔ جنہوں نے لکھا۔ کہ تقویۃ الایمان اور مولانا شہیدؒ یہ کفر لگانے والا......،......،......، اور...... ہے۔ (دیکھو تقویۃ الایمان مطبوعہ صدیقی لاہور)

علمائے کرام کے اسم گرامی حسب ذیل ہیں:۔

(۱) مولوی محمد عبداللطیف سہسوی مترجم درجات امامت ٭ (۲) مولوی عبدالکریم مترجم ایضاح الحق (۳) مولوی احمد الدین شاگرد مولوی احمد علی سہارنپوری ٭ (۴) مولوی محمد حمید شاگرد مولوی نذیر حسین

یہ چاروں علما مترجم اور مصحح مصنفاتِ مولانا شہید ہیں ٭ دوسرے علما یہ ہیں:۔

(۵) مفتی صدرالدین خانصاحب دہلوی ٭ (۶) مولوی محمد تقی خانصاحب دہلوی ٭
(۷) مولوی حفیظ اللہ صاحب دہلوی ٭ (۸) مفتی سلطانی سید رحمت علیخاں دہلوی ٭
(۹) مولوی عبدالقادر دہلوی ٭ (۱۰) مولوی عبدالرب صاحب دہلوی ٭
(۱۱) مولوی قدرت اللہ دہلوی ٭ (۱۲) مولوی محمد علی رام پوری ٭
(۱۳) مولوی محمد حسن صاحب رام پوری ٭ (۱۴) مولوی عبدالواحد صاحب رام پوری ٭
(۱۵) مولوی محمد اکبر خاں رام پوری ٭ (۱۶) مولوی محمد ہاشم سونی پتی ٭
(۱۷) میر حسن شاہ قادری صوفی بٹالوی ٭ (۱۸) حافظ عمر الدین ہوشیارپوری ٭
(۱۹) حافظ محمد بن مولانا بارک اللہ ساکن لکھو کے مصنف تفسیر محمدی (پنجابی نظم) ٭ (۲۰) مولوی عبداللہ المعروف بغلام رسول رئیسِ قلعہ میہاں سنگھ والے (جو زمانہ کے قطب ہو گزرے ہیں)
(۲۱) مولوی شہاب الدین احمد۔ (۲۲) مولوی نظام الدین ڈیرہ افغاناں ٭
(۲۳) مولوی سعدالدین لاہوری ٭ (۲۴) محمد صدرالدین ٭
(۲۵) محمد ابراہیم (۲۶) مولانا فضل الامام محمد ابراہیم بھٹنڈوی ٭
(۲۷) مولوی عبداللہ از قصبہ سوڈیاں وغیرہ ٭

پس اثبات التوحید کیلئے نئی تقریظیں لینے کی ضرورت نہیں۔ اور نہ میں کسی پر کفر کا فتوے لگانا پسند کرتا ہوں۔ اور سنداً مجھے بھی ان مذکورہ بزرگان دین کے نام کفایت کر سکتے ہیں۔ فنسأل اللہ العظیم ان یرزقنا الھدیٰ والسداد ویلھمنا رشدنا ویقینا شر انفسنا وان لا یزیغ قلوبنا بعد اذ ھدانا ویھب لنا من لدنہ رحمۃ انہ ھو الوھاب۔ ربنا نسئلک ان اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان۔ والحمد للہ رب العالمین وصلواتہ علیٰ اشرف المرسلین۔ آمین ٭

چند مسائل اختلافیہ

عموماً مسائل ذیل کے پابند کو آجکل کافر تک کہنے کی اجازت ہو رہی ہے۔ اور ان باتوں کا عامل اگر آجکل کے کسی حنفی کی مسجد میں چلا جاوے۔ تو وہ مسجد قابل شست و شو ہو جاتی ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ ان باتوں کا اصل بھی ہے یا نہیں۔ اور مسائل اختلافیہ یہ ہیں :۔

(۱) رفع یدین ٭ (۲) آمین بالجہر ٭

(۳) قرأۃ الفاتحہ خلف الامام ٭ (۴) مسئلہ تراویح ٭ وغیرہ

پہلے تینوں فعل تو ہیئت معلومہ پر سنت غیر مؤکدہ ہیں۔ اور صرف حدیث سے ہی ان کا ثبوت نہیں بلکہ فقہ اور اقوال علمائے حنفیہ سے اسکا کافی ثبوت ملتا ہے۔ اور تراویح کے متعلق آگے ذکر آئیگا ٭

رفع یدین

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین کیا ہے۔ مگر ایک فریق کہتا ہے کہ دفع الوقتی کیلئے کیا گیا تھا۔ یا کہتے ہیں کہ بعد کو یہ حکم منسوخ ہو گیا پس اس فریق پر لازم ہے۔ کہ وہ اپنے دعوے کا ثبوت دے۔ اور اسکا جواز یوں ہے :۔

حدیث ۱۔ عن محمد بن عمرو بن عطا عن ابی حمید الساعدی رض قال سمعتہ وھو قال فی عشرۃ من اصحاب النبی صلے اللہ علیہ وسلم احدھم ابو قتادۃ بن ربعی یقول انا اعلمکم بصلوۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قالوا ما کنت اقدمنا لہ صحبۃ ولا اکثرنا لہ اتیانا قال بلی قالوا فاعرض فقال کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا قام الی الصلوۃ اعتدل قائماً ورفع یدیہ حتی یحاذی بھما منکبیہ فاذا اراد ان یرکع رفع یدیہ حتی یحاذی بھما منکبیہ ثم قال اللہ اکبر ورکع ثم اعتدل فلم یصوب راسہ ولم یقنع ووضع یدیہ علی رکبتیہ ثم قال سمع اللہ لمن حمدہ ورفع یدیہ واعتدل حتی یرجع کل عظم فی موضعہ معتدلا ثم ھوی الی الارض ساجدا ثم قال اللہ اکبر ثم جافی عضدیہ عن ابطیہ وفتح اصابع رجلیہ ثم ثنی رجلہ الیسری وقعد علیھا ثم اعتدل حتی یرجع کل عظم فی موضعہ معتدلا ثم ھوی ساجدا ثم قال اللہ اکبر ثم ثنی رجلہ وقعد واعتدل حتی یرجع کل عظم فی موضعہ ثم نھض ثم صنع فی الرکعۃ الثانیۃ مثل ذلک حتی اذا قام من السجدتین کبر ورفع یدیہ حتی یحاذی بھما منکبیہ کما صنع حین افتتح الصلوۃ ثم صنع کذلک حتی کانت الرکعۃ التی تنقضی فیھا صلوۃ اخر رجلہ الیسری وقعد علی شقہ متورکا ثم

سلم قالوا صدقت هكذا صلى النبي صلى الله عليه وسلم (ترمذی ص)

یہ حدیث رفع یدین کے ثبوت کیلئے مفصل اور شرح ہے۔ اور مداومت ثابت کرتی ہے۔

حدیث ۲۔ عن سالم بن عبد الله بن عمر عن ابيه قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا استفتح الصلوة رفع يديه حتى يحاذی منكبيه واذا اراد ان يركع وبعد ما يرفع رأسه من الركوع ولا يرفع من السجدتين (بخاری، مسلم وغیرہ)

حدیث ۳۔ عن علی بن ابی طالب رضی الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه كان اذا قام الى الصلوة المكتوبة كبر ورفع يديه حذو منكبيه ويصنع مثل ذالك اذا قضى قرائته واذا اراد ان يركع ويصنعه اذا رفع من الركوع (اصحاب السنن۔ بخاری)

یہ روایات تو محدثین کرام سے ہیں۔ اب ائمہ وعلماء کے قول اور انکی کتب سے ثبوت پایا جاتا ہے:-

(۴) مؤطا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ "ابن عمر قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا افتتح الصلوة رفع يديه حذاء منكبيه واذا كبر للركوع رفع يديه واذا رفع راسه من الركوع رفع يديه ثم قال سمع الله لمن حمده ثم قال ربنا ولك الحمد" (مؤطا محشی لکھنوی ص۸۵) (یہ بھی حدیث ہے)

(۵) سفر السعادت علامہ مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس "قد ثبت رفع اليدين فی هذه المواضع الثلاثة ولكثرة روائة شابه المتواتر فقد صح فی هذا الباب اربع مائة خبر واثر ورواه العشرة المبشرة ولم يزل على هذه الكيفية حتى رحل عن هذا العالم ولم يثبت شئ غيرها (سفر السعادت مصری ص۹) (ترجمہ) رفعیدین ان تینوں مواقع پر آنحضرتؐ سے ثابت ہے اور کثرت روایات کی وجہ سے متواتر حدیث کے مشابہ ہے اس مسئلہ میں چار سو حدیثیں اور آثار آئے ہیں عشرہ مبشرہ صحابہ کرام نے انکو روایت کیا ہے آنحضرتؐ ہمیشہ اسیطرح نماز پڑھتے رہے یہانتک کہ دنیا سے رخصت ہوئے۔ اور اسکے سوا کچھ ثابت نہیں ہوا۔

(۶) ذكر السيوطی فی رسالة الازهار المتناثرة فی الاخبار المتواترة ان حديث الرفع متواتر عن النبی صلى الله عليه وسلم (التعليق الممجد علی مؤطا محمد ص۸۹) ترجمہ امام سیوطیؒ نے اپنے رسالہ ازہار متناثرہ میں لکھا ہے کہ رفعیدین کی حدیث آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے متواتر آئی ہے۔

(۷) والحق انه لا شك فی ثبوت رفع اليدين عند الركوع والرفع منه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وكثير من اصحابه بالطرق القوية والاخبار الصحيحة (سعایہ مولانا عبدالحئی) اور حق یہ ہے کہ شک نہیں ہے ثبوت رفع یدین میں وقت رکوع اور کھڑا ہونیکے رکوع سے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو اور بہتیرے اصحاب سے انکے ساتھ طریقوں قویہ اور خبروں صحیحہ کے۔

(۸) وفی طبقات القاری عصام بن يوسف بلخی كان روى عن ابن مبارك والثوری وشعبة

وکان صاحب حدیث یرفع یدیہ عند الرکوع وعند رفع الرأس منہ۔ (تراجم حنفیہ) طبقات قاری میں ابن مبارک اور ثوری اور شعبہ سے عصام بن یوسف حنفی بلخی نے روایت کیا ہے اور تھے محدث اور اٹھاتے تھے دونوں ہاتھوں کو وقت رکوع کرنے اور اس سے سر اٹھانے کے ٭

(۹) استاد الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "والذی یرفع احب الیّ ممن لا یرفع فان احادیث الرفع اکثر واثبت (حجۃ اللہ البالغہ مصری جزء ۲ صـ۸) رفعیدین کرنے والا مجھے زیادہ دوست ہے نہ کرنیوالے سے ٭

(۱۰) محی الدین عربی فرماتے ہیں۔ رفع الیدین فی کل رفع وخفض ۱۵ ۔ترجمہ رکوع جاتے اور سر اٹھاتے ہوئے ہر رکعت میں رفعیدین ہے ٭ (دراسات اللبیب)

(۱۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں "مارا ازیں چارہ نیست کہ اقرار سنیت ہر دو فعل کنیم آہ" ٭ (شرح سفر السعادت) ٭

(۱۲) حضرت شیخ محبوب سبحانی سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ فرماتے ہیں "اما الھیات فخمس و عشرون ھیئۃ رفع الیدین عند الافتتاح والرکوع والرفع منہ وھوان یکون کفاہ مع منکبیہ وابھاماہ عند شحمتیہ اذنیہ واطراف اصابعہ مع فروع اذنیہ (غنیۃ الطالبین مصری جلد ا صـ۸) ترجمہ نماز کی سنتیں یا مستحبات پچیس ہیں۔ شروع میں ہاتھ اٹھانے، رکوع کو جاتے اور سر اٹھاتے ہوئے رفعیدین کرنا۔ رفعیدین یوں کرے۔ کہ دونو ہاتھ مونڈھوں تک اور انگوٹھے کان کی کرو نبلیاں تک اور انگلیاں کانوں تک پہنچ جائیں ٭ (اسی آخری بابرکت قول پر یہ بحث ختم) ٭

مولانا شہید رح کا فیصلہ "رفعیدین کرنیوالا ثواب پاویگا۔ مگر رفعیدین کے تارک پر ملامت نہ کی جاوے اگرچہ عمر بھر نہ کرے اور جو عالم احادیث سے ثبوت رفعیدین کا پاکر رفعیدین کرنیوالوں پر طعن کرے وہ ان لوگوں میں داخل ہیں۔ جو مخالفت کرتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعد ظاہر ہو جانے ہدایت کے"۔ (دیکھو تنویر العینین) ٭

آمین بالجہر

اس پر بھی بڑی سختی سے مخالفت کیجاتی ہے۔ اگر اسکے مخالف فریق کی مساجد میں یہ سنت ادا کی جاوے۔ تو کشت و خون تک سے نہیں ٹلتے۔ اب اسکا ثبوت ملاحظہ ہو:۔

(۱) حدیث شریف عن ابی ہریرۃ رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا امن الامام فامنوا

فانه من وافق تامینه تامین الملٰئکة غفر له ما تقدم من ذنبه (بخاری مسلم وغیرہ)

(۲) حدیث شریف عن وائل الحضرمی انه صلی خلف النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فلما قال وَلَا الضَّآلِّیْن قال آمین رافعا بها صوته (اخرجه البیهقی فی سننه)

(۳) حدیث شریف - عن وائل بن حجر قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا قرأ وَلَا الضَّآلِّیْن قال آمین ورفع بها صوته (ابوداؤد)

(۴) حدیث شریف - عن ابی هریرة قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا تلا غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْن قال آمین حتی یسمع من یلیه من الصف الاوّل (ابوداؤد)

(۵) عن ام الحصین انها صلّت خلف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فلما قال وَلَا الضَّآلِّیْن قال آمین فسمعته وهی فی صف النساء - اسحق بن راهویه (تخریج هدایہ للزیلعی)

یہ روایات محدثین کرام سے ہیں، اب ائمہ اور علمائے حنفیہ کے اقوال اور انکی کتب سے ثبوت پایا جاتا ہے۔

(۶) رئیس الاحناف حضرت شیخ ابن الہمامؒ نے ہر دو طرح کی روایات پر بطور فیصلہ لکھا ہے:- ولو کان الی فی هذا شئ لوفقت بان روایة الخفض یراد بها عدم القرع العنیف وروایة الجهر بمعنی قولها فی زیر الصوت وذیله یدل علی هذا ما فی ابن ماجه کان علیه السلام اذا تلی غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْن قال آمین حتی یسمع من فی الصف الاوّل بها المسجد (فتح القدیر جلد ۱ - ص۲۱۱)

ترجمہ اگر مجھے اس امر میں کچھ اختیار ہو تو میں اس اختلاف کو یوں رفع کروں - کہ جو روایت آہستہ کی ہے اس سے مراد چیخنے کی نفی ہے یعنی بہت چلا کر آمین نہ کہتے تھے - اور جو جہر کی روایت آئی ہے اُس سے مراد مناسب آواز سے کہنے کے ہیں اس تطبیق پر دلیل ابن ماجہ کی روایت ہے جسمیں ذکر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب ولا الضالین پڑھتے تو آمین کہتے اتنی کہ پہلی صف والے سن لیتے - پھر اُنکے کہنے سے مسجد گونج جاتی۔

(۷) امیر ابن الحاج نے حلیہ شرح منیۃ المصلی میں لکھا ہے:- ورجح مشائخنا المذهب بما لا یعری عن شئ لمتامل فلا جرم ان قال شیخنا ابن الهمام ولو کان الی شئ لوفقت بان روایة الخفض یراد بها عدم القرع العنیف وروایة الجهر بمعنی قولها فی زیر الصوت وذیلها اھ - ترجمہ ترجیح دی ہے ہمارے مشائخ نے اسکو واسطے مذہب کے ساتھ اس چیز کے کہ نہیں خالی ہے کسی شے سے واسطے تامل کرنیوالے اسکے کے پس ضرور ہے جو کہا ہمارے شیخ ابن ہمام نے - کہ اگر مجھے اس امر میں کچھ اختیار ہوتا تو موافقت دیتا میں اسطرح پر کہ آہستہ کی روایت نفی کر کے کی ہے اور جہر سے مراد مناسب آواز ہے۔

(۸) مولانا عبدالعلی بحر العلوم لکھنوی نے ارکان اربع میں لکھا ہے " ولم یرد فیہ الا ما روی الحاکم عن علقمہ بن وائل عن ابیہ انہ صلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا بلغ ولا الضالین قال امین واخفی بہا صوتہ وھو ضعیف الخ لکھ تحریر فرمایا۔ ولکن الامر فیہ سھل فان السنۃ التامین اما الجھر والاخفاء فندب " ترجمہ لیکن بات اس میں آسان ہے اسلئے کہ آمین کہنا سنت ہے اور بلند یا آہستہ کہنا مستحب ۔

(۹) طحطاوی حاشیہ در مختار۔ فعلی ھذا سنۃ الاتیان بہا تحصل ولو مع الجھر (ابو سعود ۱۲۸) ترجمہ پس سنت اس بنا پر آمین کہنے کی حاصل ہوتی ہے اگرچہ ساتھ آواز کے ہو ۔

(۱۰) تعلیق الممجد مولانا عبدالحیؒ ۔ والانصاف ان الجھر قوی من حیث الدلیل ۔ ترجمہ انصاف یہ ہے کہ آمین باواز کہنا قوی ہے باعتبار دلیل کے ۔

(۱۱) حاشیہ شرح وقایہ مولانا عبدالحی لکھنویؒ ۔ قد ثبت الجھر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باسانید متعددۃ یقوی بعضہا بعضاً فی سنن ابن ماجہ والنسائی وابی داؤد وجامع الترمذی وصحیح ابن حبان وکتاب الام للشافعی وغیرہا وعن جمع من اصحابہ (علیہ السلام) بروایات ابن حبان فی کتاب الثقات وغیرہ ولھذا اشار بعض اصحابنا کابن الھمام فی فتح القدیر وتلمیذہ ابن امیر الحاج فی حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی الی قوتہ روایۃ (جلد ۱ صفحہ ۱۶۷) ترجمہ آمین بلند آواز سے کہنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کئی سندوں سے آیا ہے جن میں سے بعض بعض کو قوت دیتی ہیں ۔ یہ روایات ابن ماجہ، نسائی، ابوداؤد، ترمذی، صحیح ابن حبان اور کتاب الام شافعی وغیرہ میں آئی ہیں ۔ اور حضرت صلعم کے اصحاب کی ایک جماعت سے بھی کئی ایک روایات ابن حبان کی کتاب الثقات وغیرہ میں ہیں ۔ اسلئے ہمارے (حنفیہ کے) بعض علما نے جیسے شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر اور انکے شاگرد ابن امیر الحاج نے شرح منیۃ المصلی میں آمین بالجھر کی روائتوں کی قوت کی طرف اشارہ کیا ہے ۔

(۱۲) شاہ عبدالحق محدث علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں ۔ والظاھر الحمل علی کلا العملین تارۃ فتارۃ ۔ (لمعات شرح مشکوۃ) ظاہر حمل کرنا ہے اوپر دونو عمل آہستہ و آواز کے کبھی وہ کبھی یہ ۔

(۱۳) حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں " والجھر بالقراءۃ والآمین " (غنیۃ الطالبین مصری ۱۰) یعنی نماز کی سنتوں میں یہ بھی سنت ہے کہ جہری نمازوں میں قرأۃ اور آمین بلند آواز سے کہی جاوے ۔ (مثل سابقہ اسی آخری بابرکت قول پر اثبات آمین بالجہر ختم ہے) ۔

مولانا شہیدؒ کا فیصلہ | " اسیطرح آمین کا پکار کر کہنا آہستہ کہنے سے اولیٰ و افضل ہے ۔ کیونکہ جہر

کی روائتیں بہت آئی ہیں"۔

قرأة الفاتحہ خلف الامام

اسکا اثبات بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اسکے عامل کو کہا جاتا ہے۔ "کہ نماز فاسد ہو جاتی ہے کیونکہ اللہ فرماتا ہے اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ اسوقت خاموش رہنا چاہیئے اور امام کی قرأة گویا ویسے ہی قرآن پڑھنے کو سننا فرض ہے۔ اور حدیث میں ہے من کان له امام فقراءة الامام له قراءة۔ تو پھر مقتدی کو خواہ مخواہ قرآن و حدیث کے خلاف کرنا چاہیئے"۔

جواب اسکا بہت طرح پر ہے۔ پہلا آیہ مذکورہ قرأة قرآن پر خاموشی کا حکم لگاتی ہے۔ اور قرأة فاتحہ کو کسی محدث یا فقیہ نے قرأة القرآن سے موسوم نہیں کیا۔ درحقیقت سورہ فاتحہ نہیں جزو قرآن میں سے کسی ایک سیپارے کا رکوع یا جزو یا ابتدا یا انتہا شمار نہیں ہوا۔ پہلے سیپارہ کا نام بھی الٓمٓ اور رکوع بھی پہلا الٓمٓ سے شروع ہوتا ہے۔ اسواسطے یہ قرآن مجید سے باہر شمار ہو سکتی ہے۔ اور قُرِئَ الْقُرْاٰنُ کے تحت نہیں آتی دوسرا جواب یہ ہے۔ کہ قرآن مجید کو سننا یا پڑھنا اسکے اوامر و نواہی پر غور و خوض کرنے کیلئے ہے جیسا کہ فرمایا اللہ تعالٰے نے كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْۤا اٰیٰتِهٖ وَ لِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ نہ کہ یونہی پڑھنے یا یونہی سننے کا حکم ہے۔ اور اسواسطے بھی سورہ فاتحہ زیر لفظ قُرِئَ الْقُرْاٰنُ نہیں آتی۔ کہ اسمیں امر و نہی کا کوئی بیان نہیں صرف دعا ہے۔ تیسرا جواب یہ کہ اگر سورہ فاتحہ زیر لفظ قرئ القرآن ہوتی۔ تو جہاں تک قرأة کی آواز پہنچتا ہے وہاں تک کوئی نماز نہ پڑھی جاتی۔ مگر کتب فقہ سے مسئلہ صحیح ثابت ہے۔ کہ صبح کی سنتیں مقتدی مسجد کے دروازہ پر پڑھ لے۔ (دیکھو ہدایہ) حالانکہ قرأة کی آواز اسکے کانوں تک پہنچتا ہے۔ اور درسگاہوں میں نماز پڑھتے ہوئے کو کوئی نہیں کہتا کہ نماز نہ پڑھ تیری نماز نہیں نہیں ہوگی۔ قرآن ہی سن۔ خواہ اسنے نوافل ہی پڑھنے ہوں۔ وغیرہ۔ چوتھا جواب یہ ہے۔ کہ تمام فقہ کی کتابوں میں الحمد کا پڑھنا واجب ہے۔ جبکہ دوسرے واجبات نماز ادائگی امام کیوجہ سے مقتدی سے ساقط نہیں ہو سکتے تو اس کو کیوں ساقط کیا جاتا ہے۔ تکبیر تحریمہ کے سوا دوسری تکبیرات امام کے کہنے سے مقتدی کیوں نہیں چھوڑ دیتا؟ ہر دو قعدوں میں امام کا التحیات پڑھنا مقتدیوں کیلئے کفایت کیوں نہیں کر سکتا؟ رمضان شریف میں وتر کی جماعت میں جو واجب ہیں کونسا رکن ایسا ہے جو جو امام کی ادائگی سے مقتدی سے ساقط ہو سکتا ہے؟ یا اگر دعائے قنوت وتروں میں امام کے پڑھنے پر مقتدی نہ پڑھے تو کوئی حرج نہ ہوگا؟ وغیرہ وغیرہ۔ فافہم۔

گو بعض کا اتفاق ہے کہ الحمد پڑھنا نماز میں اس دلیل سے فرض ہے۔ کہ فرض کی ترک سے نماز فاسد ہوجاتی ہے اور واجب کی ترک سے سجدہ لازم آتا ہے۔ اگر الحمد پڑھنا واجب ہوتا۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نہ فرماتے کہ "لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ"۔ اور یہ ہے بھی صحیح۔ مگر فی الحال میں نے فقہا کے اقوال کے بموجب الحمد پڑھنا واجب قرار دیکر بحث لکھی ہے۔ سو واجب بھی جو تحت قِیَاتُ الْقُرْاٰن نہ ہوا امام کے پڑھ لینے سے مقتدی سے ساقط نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ تکبیرات، تسمیع، تسبیح، التحیات، درود شریف وغیرہ۔ مقتدی کیلئے امام کا پڑھنا کفایت نہیں کرسکتا ؛

اب ہم اس پر اسناد کو پیش کرتے ہیں جن سے الحمد پڑھنے کا حکم ہے۔ وہو ہذا :-

(۱) حدیث شریف عن عبادۃ ابن الصامت رض قال کنا خلف النبی صلے اللہ علیہ وسلم فی صلوۃ الفجر فقرأ فثقلت علیہ القرأۃ فلما فرغ قال لعلکم تقرؤن خلف امامکم قلنا نعم یا رسول اللہ قال لا تفعلوا الا بفاتحۃ الکتاب فانہ لا صلوۃ لمن لم یقرأ بہا ؛ (ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی)

اس حدیث شریف کی صحت اور اسپر کے اعتراضات کا جواب اسکی دوسری سند سے دیکھئے :-

(۲) امام بیہقی رح نقل کرتے ہیں "عن عبادۃ ابن الصامت قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب خلف الامام وھذا اسناد صحیح۔ (کتاب القرأۃ خلف الامام) ؛

ترجمہ۔ عبادہ بن صامت رض کہتے ہیں کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جو امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھے اسکی نماز نہیں (امام بیہقی رح کہتے ہیں) اسکی سند صحیح ہے ؛

اور جو حدیث قرأۃ فاتحہ کے خلاف مخالف فریق سے نقل کیگئی ہے۔ اسکا جواب یہ ہے۔ کہ وہ حدیث (یعنی من کان لہ امام (الخ) صحیح نہیں امام بخاری رح نے جزء القرأت میں کہا ہے لم یثبت (ثابت نہیں) اور دوسرے محدثین بھی قریب قریب اسی پر ہیں۔ تخریج ہدایہ میں حافظ زیلعی رح اور حافظ ابن حجر عسقلانی رح نے بھی اسکی تصحیح نہیں کی۔ اسلئے احادیث صحیحہ کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ بفرض محال اگر دومنٹ کیلئے اسکی صحت کا اقرار کرلیا جاوے۔ تو پھر بھی قرأۃ کے معنی قرأۃ فاتحہ پر نہیں لگ سکتے۔ (جیسا مذکور ہوا) پس قرأۃ کا لفظ قرأۃ قرآن پر عائد ہوگا۔ اور کسی فقیہ رح نے قرأۃ فاتحہ کو قرأۃ قرآن سے موسوم نہیں کیا ؛

(۳) بخاری رح میں ہے لا صلوۃ لمن یقرأ بفاتحۃ الکتاب اور مسلم ہے کہ جب لوگوں نے حضرت ابوہریرہ رض سے کہا۔ انا نکون وراء الامام یعنی ہم امام کے پیچھے بھی فاتحہ پڑھیں؟ تو ابوہریرہ رض نے جواب دیا اقرأ بہا فی نفسك تو اسوقت بھی اسکو آہستہ آہستہ پڑھ لیا کر ؛ (نقل)

(۴) ہدایہ میں ہے ویستحسن علی سبیل الاحتیاط فیما یروی عن محمد رحمہ اللہ ترجمہ سورۂ فاتحہ کا

پیچھے امام کے احتیاطاً حسن ہے امام محمد رح کی روایت کے بموجب +

(۵) علامہ عینی شرح بخاری میں لکھتے ہیں۔ وبعض مشائخنا یستحسنون ذالک علی سبیل الاحتیاط فی جمیع الصلوٰۃ وبعضھم فی السریۃ فقط وعلیہ فقہاء الحجاز والشام۔ (ترجمہ) ہمارے بعض مشائخ فاتحہ کا ہر نماز میں احتیاطاً پڑھنا حسن جانتے ہیں بعض سری نمازوں میں کہتے ہیں اور اسی پر حجاز و شام کے فقہا ہیں۔ (مگر ہندوستانی فقہا نے اسے ملیامیٹ ہی کر دیا ہے) +

(۶) ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں۔ الامام محمد من ائمتنا یوافق الشافعی فی القرأۃ خلف الامام فی السریہ۔ ہمارے اماموں سے امام محمد رح قراءۃ فاتحہ خلف الامام میں امام شافعی کی موافقت کرتے ہیں سری نمازوں میں +

(۷) ابجد العلوم میں تحت ترجمہ حضرت میرزا مظہر جانجاناںؒ کے لکھا ہے " ویقوی قراءۃ الفاتحۃ خلف الامام۔ ترجمہ۔ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کو پڑھنے میں قوت دیتے تھے +

(۸) عمدۃ الرعایہ میں مولانا عبد الحی لکھنوی لکھتے ہیں۔ ومنھم من تفوہ بفساد صلوٰۃ المقتدی بہا وھو قول شاذ مردود وروی عن محمدؒ انہ استحسن قراءۃ الفاتحۃ للموتم فی السریۃ وروی مثلہ عن ابی حنیفۃ رح صرح بہ فی الھدایہ والمجتبیٰ شرح مختصر القدوری وغیرھما وھذا ھو مختار کثیر من مشائخنا وعلی ھذا فلا یستنکر استحسانہا فی الجہریۃ ایضاً اثناء سکتات الامام بشرط ان لا یخل بالاستماع الخ۔ (ترجمہ) اور بعض فقہا میں وہ شخص ہے کہ بکواس کرتا ہے۔ کہ مقتدی کی نماز فاتحہ پڑھنے سے فاسد ہو جاتی ہے۔ یہ قول شاذ و مردود ہے۔ کیونکہ امام محمد رح نے نماز سری میں فاتحہ پڑھنا مستحسن جانا ہے اور اسیطرح امام ابو حنیفہ رح سے مروی ہے۔ ہدایہ اور مجتبیٰ شرح مختصر قدوری میں اسکی تصریح کیگئی ہے۔ اور اکثر ہمارے مشائخ نے اسے اختیار کیا ہے پس نہیں انکار کیا جاسکتا مستحسن ہونے سورہ فاتحہ کا نماز جہریہ میں بھی درمیان سکتات امام کے بشرطیکہ سننے میں مخل ہو +

مولانا شہید رح کا فیصلہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے میں دونو طرف دلائل قوی ہیں۔ لیکن طرفین کے دلائل میں تامل کرنے سے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا اولیٰ و افضل ہے اس کی ترک سے + (دیکھو تنویر العینین)

جملہ اہلسنت الجماعت کی خدمت میں التماس ہے کہ آجکل جو لوگ ان تین مذکورہ سنتوں کو ادا کرتے ہیں۔ انہیں ہرگز وہابی یا کافر نہ کہا کرو۔ اگر ضرور کہنا ہو تو (نعوذ باللہ) اُن علماء رحمہم اللہ علیہم کو کہا کرو۔

لہ اسیقدر نہیں بلکہ مجتبیٰ میں ہے عن ابی حنیفہ رح انہ لا باس بان یقرأ الفاتحۃ فی الظہر والعصر بما شاء من القرات ترجمہ حضرت امام ابو حنیفہ رح سے روایت ہے کہ کوئی مضائقہ نہیں ظہر و عصر میں فاتحہ پڑھنے سے اگر کوئی چاہے تو قرآن بھی پڑھ سکتا ہے +

جن کی کتابوں اور افعال سے ان کا ثبوت چلتا ہے ۔

رکعات التراویح

آجکل جو شخص آٹھ رکعت تراویح ادا کرے اسکو وہابی یا غیر مقلد کہا جاتا ہے۔ احادیث لکھنے سے طوالت کا خوف ہے ۔ صرف علمائے حنفیہ کے اقوال پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ دیکھئے بھلا ان علما کو بھی لوگ وہابی وغیرہ کہتے ہیں یا نہیں ؟ دیکھئے۔

(۱) علامہ عینی لکھتے ہیں :۔ وقیل ثلث عشرۃ واختارہ محمد بن اسحٰق روی محمد بن نصر من طریق بن اسحٰق قال حدثنی محمد بن یوسف عن جدہ السائب ابن یزید قال کنا نصلّی فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ فی رمضان ثلث عشرۃ رکعۃ (الی قولہ) قال ابن اسحٰق وما سمعت فی ذلک حدیثا ھو اثبت عندی ولا احری بان یکون من حدیث السائب وذلک ان صلوٰۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کانت من اللیل ثلث عشرۃ رکعۃ ۔ ترجمہ ۔ ایک قول ہے کہ تیرہ رکعت ہے اور اسی کو محمد بن اسحٰق نے اختیار کیا ہے ۔ امام محمد بن نصر نے روایت کی کہ محمد بن اسحاق نے کہا ۔ کہ محمد بن یوسف نے مجھے خبر دی کہ انکے جد سائب بن یزید نے کہا کہ ہم لوگ عمر بن خطاب کے زمانے میں رمضان میں تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے ۔ محمد بن اسحٰق نے کہا ۔ کہ میں نے اس باب میں ایسی کوئی حدیث جو میرے یا کسی دوسرے کے نزدیک سائب کی حدیث سے زیادہ ثبوت کو پہنچتی ہو نہیں سنی ۔ اور یہ اسلئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رات کی نماز بھی تیرہ ہی رکعت تھی ۔

(۲) علامہ ابن حجر فرماتے ہیں قال ابن اسحٰق وھذا اثبت ما سمعت فی ذلک وھو موافق لحدیث عائشۃ رض فی صلوٰۃ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم من اللیل ۔ ترجمہ محمد بن اسحٰق نے کہا کہ میں نے جسقدر حدیثیں اس باب میں سنی ہیں ان سب میں یہ حدیث زیادہ ثبوت کو پہنچتی ہے اور یہ حدیث حضرت عائشہ رض کی اس حدیث کے موافق ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رات کی نماز کے بارے میں ہے ۔

(۳) علامہ عینی فرماتے ہیں ۔ وقیل احدی عشرۃ رکعۃ وھو اختیار مالک لنفسہ واختارہ ابوبکر العربی ۔ ترجمہ ایک قول ہے کہ گیارہ رکعت ہے اور اسی کو امام مالک نے اپنے لئے اختیار کیا ہے اور اسی کو ابوبکر بن عربی نے پسند کیا ہے ۔

(۴) حافظ ابن حجر فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۳۱۶ میں فرماتے ہیں ۔ فی المؤطا عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید انھا احدی عشرۃ ورواہ سعید بن منصور من وجہ آخر ورواہ محمد بن نصر

المروزی من طریق محمد بن اسحاق عن محمد بن یوسف فقال ثلث عشرۃ فالعدد الاول موافق لحدیث عائشۃ والثانی قریب منہ اھ ملتقطاً۔ ترجمہ امام مالکؒ نے مؤطا میں محمد بن یوسفؒ سے روایت کی۔ انہوں نے سائب بن یزیدؓ سے کہ تراویح گیارہ رکعت ہے۔ اور سعید بن منصورؒ نے ایک اور سند سے بھی یہی مضمون روایت کیا ہے۔ اور امام محمد بن نصرؒ مروزی نے محمد بن اسحٰق کی سند سے محمد بن یوسفؒ سے تیرہ رکعت روایت کی ہے۔ اور اول عدد یعنی گیارہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث کے موافق ہے اور ثانی یعنی تیرہ اس سے قریب ہے۔

(۵) رسالۃ المصابیح فی صلوٰۃ التراویح میں علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں۔ "قال الجوزی من اصحابنا عن مالک انہ قال الذی جمع علیہ الناس عمرؓ بن الخطاب احب الیّ وھو احدی عشرۃ رکعۃ وھی صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ولا ادری من این احدث ھذا الرکوع الکثیر۔ ترجمہ ہمارے اصحاب میں سے جوزیؒ نے کہا۔ کہ امام مالکؒ نے فرمایا جتنی رکعتوں پر حضرت عمرؓ نے لوگوں کو جمع کیا تھا مجھے وہ زیادہ عزیز ہیں اور وہ گیارہ ہیں۔ اور اتنی ہی رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز تھی۔ اور کہا (جوزیؒ نے) میں نہیں جانتا کہ یہ بہت سے رکوع (رکعتیں) کہاں سے نکلے۔

(۶) رد المحتار ص۲۳۷۔ وذکر فی الفتح ان مقتضی الدلیل کون المسنون منہا ثمانیۃ والباقی مستحبا وتمامہ فی البحر۔ ترجمہ اور ذکر کیا ہے فتح القدیر میں یہ کہ مقتضی دلیل سے آٹھ رکعت ہی مسنون ہیں اور باقی مستحب۔ اور پوری بحث بحر الرائق میں ہے۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں لوگ مع وتر تئیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے تو اسکا جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے حکم سے نہیں بلکہ خود بخود پڑھتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے صرف جماعت قائم کی اور گیارہ رکعت پڑھنے کا حکم دیا۔ اگر کوئی کہے کہ حضرت عمرؓ نے بیس کا حکم دیا تھا تو اسکا ثبوت اسپر لازم ہے۔ اور رد المحتار سے بھی ثابت ہے کہ تراویح مسنون آٹھ ہیں۔ باقی مستحب اس بات کا اختلاف ہی نہیں مستحب اور نوافل اسقدر ہی نہیں بلکہ بعض نے ۲۴، ۲۸، ۳۶، ۳۸ مع وتر ۴۱ بلکہ ۴۸ تک پڑھے ہیں شوق سے خواہ کتنے پڑھیں۔ مگر کسی کو وہابی کہکر یا غیر مقلد کو کافر کہہ دینا انصاف سے بعید ہے۔ اگر یہ شعار حسن پر ائمہ سلف کے اقوال مذکورہ بحثؒ کا فروں یا وہابیوں کا ہے۔ تو فتوے کا فتوے لگانیوالے مفتی اُن کی طرف بھی نگاہ کریں۔ جن پیشوایان امت رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے اقوال سے اور افعال سے ثبوت مل گیا ہے۔ (نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن ...)

پس اسی بات کا نام اطیعوا اللہ و اطیعوا الرّسول ہے کہ جو بات ثابت ہو جاوے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ تو اُس پر بغیر کسی غور و خوض و جرح و قدح کے عمل کیا جاوے۔ اور اگر خود عمل کی توفیق نہ ہو تو دوسرے پر طعن کرنا اور اس سنت کو مکروہ جاننا بیشک کفر تک پہنچاتا ہے۔ جیسا کہ در مختار صـ۱۳ کے پر لکھا ہے۔ ترک السنن ان راھا حقا اثم والا کفر سنتوں کو حق سمجھ کر چھوڑنا گناہ ہے اور نہیں تو کفر ہے اور شامی میں ہے ای بان استخف فیقول ھی فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانا لا افعلہ یعنی جبکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت کو کسی کے قول سے ہلکا سمجھے اور یہ کہے کہ یہ فعل رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے میں نہیں کرونگا۔ (کفر ہے) ٭

اور اصحابؓ کبار کی یہی عادت تھی کہ جو کام رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم کرتے تو وہ بھی بغیر پوچھے اسکا اقتدا کرتے۔ اور اگر آنحضرتؐ فرماتے کہ میں نے تو یہ کام اس لئے کیا ہے۔ تم نے کیوں کیا؟ تو اصحابؓ کہدیتے۔ کہ وجہ تو اللہ اور اسکا رسولؐ جانتا ہے۔ ہم نے تو آپؐ کا اقتدا کر دیا ہے۔ اور اب بھی تمام امت کو ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ نہ کہ اقوال علما کو بغیر حجت کے مان لیا جاوے۔ اور انکی صحت پر بھی غور نہ کیا جاوے۔ مگر حدیث پر چلنے کیلئے کبھی کہدینا کہ یہ صحیح نہیں ہے کبھی کہنا کہ امام صاحبؒ کے مذہب کے خلاف ہے۔ جیسا کہ مولانا حالی مرحوم نے لکھا ہے ؎

سدا اہل تحقیق سے دل میں بل ہے ۔۔۔ حدیثوں پہ چلنے میں دیں کا خلل ہے
فتاووں پہ بالکل مدار عمل ہے ۔۔۔ ہر اک رائے قرآں کا نعم البدل ہے

کتاب اور سنت کا ہے نام باقی
خدا اور نبیؐ سے نہیں کام باقی

پس ہر کام میں چاہیئے کہ اللہ اور رسولؐ کے کلام کو سند پکڑا جاوے۔ جیسا کہ اللہ کریم نے خود فیصلہ کر دیا ہے۔ فرمایا۔ فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ والرّسول۔ اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیا۔ اور اسی پر چلنے کی ہم اللہ سے توفیق مانگتے ہیں۔ کہ اللہ کریم ہمیں متبعان سنت میں داخل رکھے۔ اور قیامت کو اپنے برگزیدہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے تمام امیدواران رحمت کو مستفیض کرے ٭٭ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علے رسولہ محمد المصطفٰے وعلی آلہ واصحابہ واھل بیتہ واتباعہ اجمعین آمین ٭

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید علیہ الرحمۃ کے ایک خط کی نقل

یہ خط اسواسطے نقل کیا جاتا ہے کہ ایک تو ایسے بزرگوں کا کلام باعث برکت ہے۔ اور دوسرے اس سے یہ معلوم ہوگا۔ کہ مولانا شہیدؒ نے اپنی نیک نیتی سے کتنے بڑے بڑے اہل علم کو اپنی طرف جھکایا بعض کا ذکر تو مولانا شہیدؒ کی مختصر سوانح میں لکھا گیا ہے منجملہ انکے ایک سید عبد اللہ بغدادی علیہ الرحمۃ

تھے جنہوں نے بعض متعصب لوگوں سے سنا۔ کہ مولوی محمد اسمٰعیلؒ نے ایک کتاب تقویۃ الایمان لکھی ہے جسمیں ایسا وہابیانہ لکھکر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم اور تمام اولیاؤں کی بے ادبی کی ہے۔ تو یہ سُن کر سید عبد اللہ بغدادی نے مولانا شہیدؒ کو کانپور میں خط لکھا۔ اور خود سید بغدادی اُسوقت دہلی میں تشریف فرما تھے۔ پھر اسکا جواب مولانا شہیدؒ نے کانپور سے دہلی لکھا۔ بغدادی صاحب نے اس خط کو مدرسہ میں مولوی محمد یعقوبؒ کو سنایا۔ کیونکہ بغدادی صاحب مدرسہ میں مولانا محمد یعقوبؒ کے پاس رہتے تھے۔ اسوقت دو تین اشخاص حاضرین مجلس نے اس خط کی نقل کر لی۔ بعدہٗ مولوی نصیر الدین و مولوی محبوب علی صاحبان نے بھی اسکی نقل کی۔ بعد ازاں سید محمد نذیر حسین صاحب تاجر کتب دہلی لکھتے ہیں کہ مولوی نصیر الدین صاحب سے میں نے بھی نقل کر لی ؛

اس خط کے پڑھنے سے مولانا شہیدؒ صاحب کی تمام کتاب تقویۃ الایمان کا انکشاف اور اُن کی نیک نیتی کا اظہار اور انکے مقصد سے آگاہی ہو جاویگی۔ اور معترضوں کے خود اقرارات تقویۃ الایمان کا فی الحقیقت جواب بھی ہو جاویگا۔ بنظر غور ملاحظہ فرمایئے۔ وھو ھذا :-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمد من تفرد بالقدم فکل شئ ما سواہ مسبوق بالعدم لا شریک لہٗ فی

تعریف کرتے ہیں ہم اس ذات کی جو یکتا ہے [illegible] سوا اسکے [illegible] ہے۔ نہیں ساجھی اسکا کوئی

الخلق والتدبیر ولا اختیار لاحد فی ملکہ من النقیر والقطمیر حتی لا یشفع الا نبیاء الا

پیدا کرنے اور تدبیر میں اور نہیں اختیار کسی کو اسکے ملک میں [illegible] [illegible] یہاں تک کہ شفاعت [illegible] نبی بن

بعد اذنہ ولا نجاۃ لاحد الا بلطفہ ومنّہ ونصلّی علی افضل الرسل شفیع الامم

پوچھے۔ اور نہیں چھٹکارا کسی کا بغیر اسکے لطف اور احسان کے۔ اور درود بھیجتے [illegible] شفاعت [illegible] شفیع الامم

الذی لولاہ ما خرجت الدنیا من العدم والذی علّمنا بواہین التوحید والاسلام واخرجنا

کہ اگر نہ ہوتے وہ۔ تو دنیا بھی عدم سے ظاہر نہ ہوتی۔ [illegible] توحید اور اسلام [illegible]

من ظلمات الاشراک وعبادۃ الاصنام وعلی آلہ واصحابہ [illegible]

شرک کے اندھیروں اور بتوں کی پرستش سے [illegible]

امّا بعد فنحن بالتحیۃ والسلام [illegible]

اور حمد و صلوٰۃ کے بعد [illegible]

الشیخ [illegible] البغدادی [illegible]

سید [illegible]

انّی لمّا رایت عوام مسلمی الهند قد انهمکوا بجهلهم فی الاشراک والبدعات وتمسّکوا

کہ میں نے جب دیکھا عام ہندوستانی مسلمانوں کو کہ ڈوب گئے اپنے جہل سے شرک اور بدعات میں اور پکڑ بیٹھے

بالشبهات الواهیات وجعلوا یعبدون القبور واهلها وسألوا بهم حاجاتهم قلّها وجلّها

خیال واہیات اور شروع کیا پوجنا قبروں کا اور قبر والوں کا اور مانگنے لگے ان سے مرادیں اپنی چھوٹی بڑی

الفت رسالة فی ردّ الاشراک بالله واستدللت فیها بستّة وعشرین اٰیة من کلام

لیں لکھا میں نے رسالہ شرک باللہ کے ردّ میں اور دلیلیں لایا میں اس میں چھبیس ۲۶ آیات کلام اللہ

الله وترجمتها بالهندی تسهیلا لاستفادتهم وکشفا للغطاء عن قبح تمسّکاتهم

سے اور ان کا ہندی میں ترجمہ کیا تاکہ سمجھنا آسان ہو اور اٹھ جاوے پردہ ان کے برے دلیلوں

واستدلالاتهم فبحمد الله هدی الوف من النّساء والرّجال فما تردّد فیها الّا بعض

اور دلیلوں سے۔ پس الحمد للہ راہ پر آگئیں لاکھوں عورتیں اور مرد۔ پس نہ کھٹکے اس سے مگر بعض

المعاندین الجهّال۔ وبلغنی انّ رسالتی هذه فقد قرأة بین یدیکم فقلتم حقّ الّا

سرکش نادان۔ اور مجھے خبر پہنچی ہے کہ میرا یہ رسالہ تمہارے سامنے پڑھا گیا۔ پس تم نے کہا کہ سچ ہے۔

ان تساوی الاصنام وجمیع النّاس والانبیاء فی باب المخلوقیّة وعدم الاختیار وان

مگر برابر کرنا بتوں اور تمام آدمیوں اور انبیا کا پیدائش میں اور نہ ہونے اختیار میں۔ اگرچہ

کان حقّا داخلا فی العقیدة لکنه نوع من سوء الادب لابدّ له من سند ودلیل

یہ سچ ہے اور عقیدہ کی بات ہے لیکن ایک قسم کی بے ادبی ہے۔ چاہیئے کوئی سند اور دلیل

لانّ الصنم نجس فکیف یذکره بسیّد الطّاهرین صلی الله علیه وسلم؟ اقول وبالله

کیونکہ بت ناپاک ہیں۔ کیسے ذکر کردیا ان کا ساتھ سید الطاہرین صلی اللہ علیہ وسلم کے؟ میں کہتا ہوں (اللہ

التّوفیق هذه العبارة قد وقعت فی رسالتی ردّ السّؤال العوام حیث یقولون

کو توفیق ہے) یہ عبارت آئی میری کتاب میں واسطے ردّ کرنے سوال عوام کے۔ کیونکہ کہتے ہیں عوام

الاستعانة والعبادة والسّجدة انّما هی ممنوعة للاصنام لا للانبیاء الکرام والاولیاء

سوا اسکے نہیں کہ مدد چاہنی اور پوجنا اور سجدہ کرنا بتوں کیلئے حرام ہے۔ نہ کہ انبیائے کرام اور اولیائے

العظام فقلت الاستعانة الحقیقة لا تجوز عند العقل الّا من الّذی له اختیار فی

عظام کیلئے۔ پس کہدیا کہ میں مدد چاہنے کی حقیقت عقل میں نہیں آتی۔ مگر اس سے کہ جسے اختیار ہو

تدبیر العالم وقد ثبت من نصوص القطعیّة القراٰنیة انّ الاختیار لغیر الله تعالیٰ لیس

دنیا کے کاموں میں۔ اور بہ ثابت نصوص قطعیہ قرآنیہ سے ثابت ہے۔ کہ اللہ کے سوا انبیا اور اولیائ

للانبیاء والاولیاء فی هذا الامر الخاصّ اعنی استحقاق السّجدة وانزال المطر

کسی خاص کام میں کوئی اختیار نہیں ہے۔ یعنی قابلیت سجدہ اور مینہ کے برسانے اور

اعطاء الاولاد على الاصنام وجميع الناس ترجيح اما قرب الانبياء عند الله تعالى و

اولاد کے دینے میں بتوں اور تمام آدمیوں پر کوئی ترجیح۔ اور انبیا کا جو اللہ سے قرب ہے اور

كمالاتهم وفضائلهم التي لا يصل دون سرادقاتها غيرهم فمسلم وهو امر آخر لا

اُن کو جو کمال اور فضیلتیں حاصل ہیں اُن تک اُنکے سوا کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ پس یہ تو مسلّم امر ہے اور یہ دوسری بات ہے

دخل له في الربوبية والالوهية انتهى" والتعجب كل العجب منكم بكما انكم اقررتم

اس کو رب ہونے اور معبود سمجھنے میں کوئی دخل نہیں ہے۔ اور تعجب اور بہت تعجب ہے تم سے کہ تم اقرار کرتے ہو

ان هذا الامر حق داخل في العقيدة ثم قلتم انه سوء الادب ليت شعري اذا كان

اس بات کے سچ ہونے اور عقیدہ میں داخل ہونیکا۔ پھر کہتے ہو کہ یہ بے ادبی ہے۔ سوچنے کی بات ہے جو کہ

ثابتا من البراهين داخلا في العقيدة كيف يتصور انه سوء الادب فكلامكم يشير الى

ثابت ہو دلیلوں سے داخل ہو عقیدہ میں۔ کیونکر بے ادبی سمجھی جا سکتی ہے۔ پس تمہاری گفتگو اشارہ

اجتماع الضدين والسند يطلب لما لا يثبت بالدليل وهذا الامر ثابت اجمالا في

کرتی ہے اجتماع ضدین پر۔ اور سند مانگی جاتی ہے اسکی جو ثابت ہو دلیل سے۔ اور یہ امر اجمالاً ثابت ہے قرآن شریف

القرآن فما الجرم في تفصيل الاجمال ومع ذلك فقد قال الله تعالى لنبيه في القرآن قل

میں۔ پھر کیا جرم ہے اجمال کی تفصیل میں اور باوجود اسکے پس فرمایا اللہ تعالے نے اپنے نبی کو قرآن میں کہ کہہ

انما انا بشر مثلكم يوحى الي انما الهكم اله واحد ولا يخفى ان المخاطبين بقوله انما

(اے محمد) سوا اسکے نہیں کہ میں بھی تم سا آدمی ہوں میری طرف وحی آتی ہے کہ معبود تمہارا ایک ہے۔ اور پوشیدہ نہیں کہ مخاطب ساتھ

انا بشر مثلكم هم المشركون فكيف مثل الله تعالى في البشرية نبيه بالمشركين

قول انما انا بشر مثلكم کے مشرک مراد ہیں۔ پس کیونکر برابر کر دیا اللہ تعالے نے بشریت میں اپنے نبی کو مشرکوں کے ساتھ

الذين ثبت نجاستهم في القرآن حيث قال الله تعالى انما المشركون نجس فلا يقربوا

جن کی ناپاکی قرآن سے ثابت ہے۔ چنانچہ فرمایا اللہ تعالے نے بیشک مشرک ناپاک ہیں پس نہ نزدیک جاویں

المسجد الحرام والاصنام من حيث انها احجار وجمادات لا نجاسة فيها والا يلزم ان

مسجد حرام کے اور بت اس جہت سے کہ وہ پتھر اور جمادات ہیں ان میں ناپاکی نہیں اور اگر یہ نہیں تو لازم

يكون كل حجر نجسا انما النجاسة فيها بسبب المشركين الذين صوروها وجعلوها معبودين

آویگا کہ ہو ہر پتھر ناپاک۔ مگر نجاست ان میں بسبب مشرکین کے ہے جنہوں نے اسکی صورتیں بنائیں معبود بنا کے

فالمشركون اشد نجاسة من الاصنام فافهم وتامل [illegible] اذا جاز [illegible] ما

پس مشرک زیادہ ناپاک ہیں بتوں سے۔ پس [illegible]

المشروعة في ذكرها [illegible] الضرورة في ذكرها [illegible] الانبيا

ضرورت [illegible] انبیا

والاولیاء یتصرفون فی العالم یفعلون ما یشاؤن ۔ ھذا و قد تحقق عندی ان الرجل الفنجابی

اور اولیا تصرف کرتے ہیں جہان میں جیسے چاہتے ہیں ۔ اور بیشک مجھے معلوم ہوا ہے کہ ایک پنجابی آدمی

یوسوسکم، فیا الشیخ انک لست تعلم حالہ فانہ رجل مخبط العقل مختل الحواس غبی

وسوسہ ڈالتا ہے تم کو ۔ پس اے شیخ تم اسکا حال نہیں جانتے وہ آدمی بے عقل ہے بہوت ہے کند ذہن

جاھل و یزعم لنفسہ انہ نحریر فاضل لا یدری الیمین عن الشمال فانہ فی الحقیقۃ نائب

نادان ہے اور سمجھتا ہے اپنے کو بڑا فاضل ۔ نہیں پہچانتا داہنے کو بائیں سے ۔ تحقیق وہ حقیقت میں نائب

الدجال لانہ یقول تارۃ انا عبد المحبوب السبحانی رح و تارۃ یقول ان عبد القادر رح ھو

دجال ہے ۔ کیونکہ کبھی کہتا ہے کہ میں محبوب سبحانی رح کا بندہ ہوں اور کبھی کہتا ہے کہ عبد القادر رح ہی

الرزاق معاذ اللہ من ھذہ الکلمات الکفریۃ التی لا یجوزھا الجھلاء فضلا عن العلماء

رزاق ہے ۔ پناہ دے اللہ ایسے کفر کے کلمات سے ۔ کہ علماء تو کجا ؟ جاہل بھی یہ گوارا نہیں رکھتے

فالمسئول من جنابکم ان لا تصدقوا کلامہ فی امری لانہ رجل سامری ۔ ھداہ اللہ

پس آپ سے امید ہے ۔ کہ میرے بارہ میں اس شخص کی بات سچ نہ مانو گے ۔ وہ آدمی سامری ہے ۔ اللہ اسے اپنی

صراط المستقیم، وثبتنا و ایاکم علی دینہ القویم، و صلی اللہ علی سیدنا و مطاعنا

سیدھی راہ پر چلائے ۔ اور ثابت رکھے ہم کو اور تم کو مضبوط دین پر ۔ اور رحمت بھیجے اللہ اور سردار ہمارے اور مخدوم

و شفیعنا محمدن المصطفی و علی الہ شموس الھدی و اصحابہ بدر الدجی فقط ۔

اور ہمارے شفیع محمد مصطفی پر اور اسکی آل پر جو ہدایت کے سورج اور اصحاب پر جو (ہدایت کے) چاند ہیں ۔

ثم ھذا المکتوب حین کنت نزیلا فی الکانفور سنۃ الف و مائتین و اربعین الی السید البغدادی حین سوسہ الدجال

پھر اس خط کا نتیجہ مولانا شہید صاحب نے اپنے قلم سے لکھا ۔ جو یہ ہے ۔

فبعد قرأۃ کتابی ھذا جاء فی متعذرا وقال لقد صدقت فیما الفت فی رسالتک وما

پس بعد پڑھنے میرے اس خط کے آئے عذر کرتے ہوئے ۔ اور کہا بیشک تو نے سچ لکھا ہے جو لکھا اپنے رسالہ میں اور جو

قلت فیک کان من عدم درایۃ کلامک لان کلامک فی رسالتک کان ھندیا و انا رجل

کہا میں نے تیرے حق میں وہ تیری کلام نہ سمجھنے کے سبب سے کہا ۔ کیونکہ تیرا رسالہ ہندی زبان میں تھا اور میں عربی

عربی لا افہم الھندی والرجل الفنجابی قد افتری علیک و اغلط فی الترجمۃ کثیرا فلا

آدمی تھا ہندی نہ سمجھتا تھا ۔ اور پنجابی آدمی نے تجھ پر بہتان باندھا اور ترجمہ بہت غلط کیا (تقویۃ کا) پس تو

تغضب ۔

خفا نہ کر ۔

اس خط سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ مولانا شہید نے نہ تو کسی پیغمبر یا اولیا کی بے ادبی کی ہے ۔ اور نہ

شفاعت کے منکر ہیں ۔ اور نہ انبیا و اولیا کے مدارج کے منکر ہیں ۔ جو لوگ مولانا شہید کو ایسا

جانتے ہیں یہ انکی زیادتی ہے۔ یا کوتہ فہمی یا کسی خاص عناد کا نتیجہ نکالتے ہیں۔

عرض مصنف

جملہ علمائے کرام سے عرض ہے کہ باوجود کم علمی کے احقر کی پہلی کوشش ہے اگر اس کتاب میں خلاف شریعت مصطفوی احقر کی کوئی بات نظر آوے۔ تو للہ دلائل قویہ سے اس سے آگاہ کریں۔ تاکہ اس عقیدہ کی درستی ہو جاوے۔ نیز طبقہ عام کو بھی مخاطب کیا جاتا ہے۔ کہ اگر یہ کتاب کچھ پسند ہو تو اسپر عمل کر کے احقر مصنف کے حق میں دعائے خیر کریں۔ اور اگر نا مطبوع ہو۔ تو براہ مہربانی سب و شتم سے باز رہیں۔ آخر میں ستار العیوب غفار الذنوب میں التجا کی باقی ہے۔
ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا۔ آمین۔ والسلام علی من اتبع الہدی۔

انتخاب از مسدس حالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آجکل کے عالموں کا نقشہ

پڑھے جس سے نفرت وہ تحریر کرنی — جگر جس سے شق ہوں وہ تقریر کرنی
گنہگار بندوں کی تحقیر کرنی — مسلمان بھائی کی تکفیر کرنی
یہ ہے عالموں کا ہمارے طریقہ — یہ ہے ہادیوں کا ہمارے سلیقہ

کوئی مسئلہ پوچھنے ان سے جائے — تو گردن پہ بار گراں لے کے آئے
اگر بدنصیبی سے شک اس میں لائے — تو قطعی خطاب اہل دوزخ کا پائے
اگر اعتراض اسکی نکلا زباں سے — تو آنا سلامت ہے دشوار واں سے

کبھی وہ گلے کی رگیں ہیں پھلاتے — کبھی جھاگ پر جھاگ ہیں منہ میں لاتے
کبھی خوک اور سگ ہیں اسکو بناتے — کبھی مارنے کو عصا ہیں اٹھاتے
ستوں (چشم بددور) ہیں آپ دیں کے — نمونہ ہیں خلق رسول امیں کے

یہود اور نصاریٰ

شریعت کے احکام تھے وہ گوارا — کہ شیدا تھے ان پر یہود اور نصاریٰ
گواہ ان کی نرمی کا قرآں ہے سارا — خود الیُسر نبیؐ نے پکارا
مگر یاں کیا ایسا دشوار اُن کو — کہ مومن سمجھنے لگے بار اُن کو

نہ کی اُن کی اخلاق میں رہنمائی — نہ باطن میں کی ان کے پیدا صفائی
پر احکام ظاہر کی لے لی بڑائی — کہ ہوتی نہیں ان سے دم بھر رہائی

وہ دیں جو کرشمہ تھا خلق نکو کا — کیا اسکو بالوعہ غسل و وضو کا

ترک کتاب و سنت

سدا اہل تحقیق سے دل میں بل ہے — حدیثوں پہ چلنے میں دیں کا خلل ہے

فتاووں پہ بالکل مدار عمل ہے — ہر اک رائے قرآں کا نعم البدل ہے

کتاب اور سنت کا ہے نام باقی — خدا اور نبیؐ سے نہیں کام باقی

جہاں مختلف ہوں روایات باہم — کبھی ہوں نہ سیدھی روایت سے خوش ہم

جسے عقل رکھے نہ ہرگز مسلّم — اُسے ہر روایت سے سمجھیں مقدم

سب اسمیں گرفتار چھوٹے بڑے ہیں — سمجھ پر ہماری یہ پتھر پڑے ہیں

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر — جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر

جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر — کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں — پرستش کریں شوق سے جسکی چاہیں

نبیؐ کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں — اماموں کا رتبہ نبیؐ سے بڑھائیں

مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں — شہیدوں سے جا جاکے مانگیں دعائیں

نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے — نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

وہ دیں جس سے توحید پھیلی جہاں میں — ہوا جلوہ گر حق زمین و زماں میں

رہا شرک باقی نہ وہم و گماں میں — وہ بدلا گیا آکے ہندوستاں میں

ہمیشہ سے اسلام تھا جس پہ نازاں — وہ دولت بھی کھو بیٹھے آخر مسلماں

تعصب

تعصب کہ ہے دشمن نوع انساں — بھرے گھر کئے سیکڑوں جس نے ویراں

ہوئی بزم نمرود جس سے پریشاں — کیا جس نے فرعون کو نذر طوفاں

گیا جوش میں بولہب جسکے کھویا — ابوجہل کا جس نے بیڑا ڈبویا

وہ یاں اک عجب بھیس میں جلوہ گر ہے — چھپا جسکے پردے میں اسکا ضرر ہے

بھرا زہر جس جام میں سر بسر ہے — وہ آب بقا ہم کو آتا نظر ہے

تعصب کو اک جزو دیں سمجھے ہیں ہم — جہنم کو خلد بریں سمجھے ہیں ہم

تعلیم تعصب علماء کی

ہمیں واعظوں نے یہ تعلیم دی ہے — کہ جو کام دینی ہے یا دنیوی ہے

مخالف کی ریس اسمیں کرنی بری ہے — نشاں غیرت دین حق کا یہی ہے

نہ ٹھیک اسکی ہرگز کوئی بات سمجھو — وہ دن کو کہے دن تو تم رات سمجھو

قدم گر رہ راست پر اُس کا پاؤ — تو تم سیدھے رستے سے کترا کے جاؤ

پڑیں اس میں جو آفتیں وہ اٹھاؤ — لگیں جسقدر ٹھوکریں اسمیں کھاؤ

جو نکلے جہاز اس کا بچ کر بھنور سے — تو تم ڈال دو ناؤ اندر بھنور کے

اگر مسخ ہو جائے صورت تمہاری — بہائم میں مل جائے سیرت تمہاری
بدل جائے بالکل طبیعت تمہاری — سراسر بگڑ جائے حالت تمہاری
تو سمجھو کہ ہے حق کی اک شان یہ بھی — ہے اک جلوۂ نور ایمان یہ بھی

کوئی چیز سمجھو نہ اپنی بُری تم — رہو بات کو اپنی کرتے بڑی تم
حمایت میں ہو جبکہ اسلام کی تم — تو ہو ہر بدی اور گنہ سے بری تم
بدی سے نہیں مومنوں کو مضرت — تمہارے گناہ اور اوروں کی طاعت

مخالف کا اپنے اگر نام لیجے — تو ذکر اس کا ذلت سے خواری سے کیجے
کبھی بھول کر طرح اس میں نہ دیجے — قیامت کو دیکھو گے اس کے نتیجے
گناہوں سے ہوتے ہو گویا مبرا — مخالف پہ کرتے ہو جب تم تبرا

نہ سنی میں اور جعفری میں ہو الفت — نہ نعمانی و شافعی میں ہو ملت
وہابی سے صوفی کی کم ہو نہ نفرت — مقلد کرے نامقلد پہ لعنت
رہے اہل قبلہ میں جنگ ایسی باہم — کہ دین خدا پر ہنسے سارا عالم

کرے کوئی اصلاح کا گر ارادہ — تو شیطان سے اس کو سمجھو زیادہ
جسے اپنے مقصد سے ہے استفادہ — رہ حق سے ہے برطرف اس کا جادہ
شریعت کو کرتے ہیں برباد دونو — ہیں مردود شاگرد و استاد دونو

وہ دیں جس نے الفت کی بنیاد ڈالی — کیا طبع دوراں کو نفرت سے خالی
بنایا اجانب کو جس نے موالی — ہر اک قوم کے دل سے وحشت نکالی
عرب اور حبش ترک و تاجیک و دیلم — ہوئے سارے شیر و شکر ملکے باہم

تعصب نے اس صاف چشمہ کو آکر — کیا بغض کے خار و خس سے مکدر
بنے خصم جو تھے عزیز اور برادر — نفاق اہل قبلہ میں پھیلا سراسر
نہیں ملتے ایسے اب دو مسلماں — کہ ہو ایک کو دیکھ کر ایک شاداں

ہمارا یہ حق تھا کہ سب یار ہوتے — مصیبت میں یاروں کے غمخوار ہوتے
سب اک اک کے باہم مددگار ہوتے — عزیزوں کے غم میں دل افگار ہوتے
جب الفت میں یوں ہوتے ثابت قدم ہم — تو کہہ سکتے اپنے کو خیر الامم ہم

اگر بھولتے ہم نہ قول پیمبر — کہ ہیں سب مسلمان باہم برادر
برادر ہے جب ملک برادر کا یاور — معین اس کا خود ہے خداوند داور
تو آتی نہ بیڑے پہ اپنے تباہی
فقیری میں بھی کرتے ہم بادشاہی

(حالیؔ)

گئے پیروں کی اور گاہے ولی کی | گئے سدّو جی شیطاں کے وصی کی
تمہیں یہ طور بد کس نے سکھایا | محمدؐ نے کہاں ہے یہ بتایا؟
نہیں رستہ یہ ہرگز مصطفےٰ کا | نہ اصحاب کرام باصفا کا
نہ اہل اجتہاد پارسا کا | مطیعان طریق مجتبیٰ کا
ہے شیطاں دشمن اولاد آدم | سکھاتا ہے وہی راہ جہنم
ہمیشہ درپئے مکر و دغا ہے | جہاں بہکے یہ اسکا مدعا ہے
کوئی کب داؤں سے اسکے بچا ہے | جہاں کو درہم و برہم کیا ہے
کسی کو بت پرستی ہے سکھاتا | کسی کو ہے وہ قبروں پر جھکاتا
بنائی کافروں کو بت کی تکریم | کرائی پتھروں کو اس نے تعظیم
مسلمانوں کو دیکھا اس نے پُر بیم | انہیں قبروں کی دی ظالم نے تعلیم
غرض اللہ سے دونو کو روکا | بھلا کر راہ جا خندق میں جھونکا
تمہارے قول و فعل اللہ اکبر | مشابہ کافروں کے ہو گئے پر
خیال اتنا نہیں تم کو برادر | کہ اس سے کر گئے ہیں منع سرور
مسلمانو! ذرا سوچو تو دل میں | پھنسے ہو کس طرح تم آب و گل میں
ہمیشہ قبر ہی پوجا کئے یار | خدا کو بھول بیٹھے دل سے یکبار
پکارا اولیا کو دن میں سو بار | لیا نام خدا منہ سے نہ زنہار
بہت غفلت میں سوئے اب تو جاگو | خدا کے ہوتے بندوں سے نہ مانگو
نہیں یہ تاب اور طاقت کسی کی | تمہیں نفع و ضرر پہنچائے کچھ بھی
جو وہ چاہے وہی ہوتا ہے یعنی | نہیں ہے یہ جگہ دم مارنے کی
وہ مالک ہے سب آگے اسکے لاچار | نہیں ہے کوئی اسکے گھر کا مختار
خدا سا کون ہے معطی توانا؟ | ہر اک بندے کی امیدوں سے دانا
سمجھ کیا ہو گئی تیری روانا | میاں یا ہو گیا ہے تو دیوانا
وہ کب ایسا ہے جو نہیں ہوتا خدا سے | جسے تم مانگتے ہو اولیا سے
عجائب جہل ہے عالم میں پھیلا | جو مانیں حق کو حق سو بات ہے کیا
جو سمجھا دیں انہیں سیدھا تو الٹا | سمجھتے ہیں، بچا ایسوں سے مولا
بیان شرک سن کر کہتے ہیں مردک | کہ منکر ہیں بزرگوں سے بلا شک
بتاتا ہے کوئی منکر نبی سے | کوئی حسنین سے کوئی علیؑ سے
کوئی بکتا پھرے ہے بیخودی سے | اجی صاحب! یہ منکر ہیں ولی سے

ارے لوگو! زباں اپنی کو روکو ‌ ‌ ‌ بزرگوں سے نہیں انکار ہم کو
ہمیں انکار گر ہوتا نبیؐ کا ‌ ‌ ‌ تو پھر کیوں چلتے ہم ان کا طریقہ
مسلماں ہی نہ کہلاتے ہم بھلا ‌ ‌ ‌ دلے اپنا تو ہے یہ قول برجا
خدا لعنت کرے اس روسیاہ پر ‌ ‌ ‌ کہ جسکے دل میں ہو بغض پیمبرؐ
جو ہوتے دشمن آل پیمبرؐ ‌ ‌ ‌ تو تیری طرح ہم بھی شاد ہو کر
محرم کو مناتے عید کر کر ‌ ‌ ‌ نہ لاتے یہ سخن ہرگز زباں پر
جسے ہو بغض آلِ مصطفےٰؐ کا ‌ ‌ ‌ خدا اسکو کرے دوزخ کا کندا
بُرا گر جانتے حضرت علیؓ کو ‌ ‌ ‌ تو بد کیوں کہتے ہم پھر خارجی کو
خدارا جہل پر اتنا نہ پھولو ‌ ‌ ‌ ذرا یہ قول مولانا! تو سن لو
جسے اصحابؓ حضرتؐ سے ہو انکار ‌ ‌ ‌ رہے ہردم خدا کی اس پہ پھٹکار
خدایا! اس شر کو تو کیجئے خوار ‌ ‌ ‌ نہ جوڑیں تہمتیں تا ایسی زنہار
نہیں ہے اولیا سے ہم کو انکار ‌ ‌ ‌ رکھے حق دور اس سے ہم کو سو بار
جسے کچھ بغض ہووے اولیا سے ‌ ‌ ‌ ہمیشہ ابر لعنت اُس پہ برسے
جو بدلے معنئے آیاتِ محکم ‌ ‌ ‌ و یا مانے نہ قولِ فخر آدمؐ
و یا تنبہ نبیؐ کا سمجھے کچھ کم ‌ ‌ ‌ دکھا دے حق اُسے نارِ جہنم
اور اتنا اور بھی سن رکھئے حضرت! ‌ ‌ ‌ جو حق پر نہ چلے اس پر بھی لعنت
نصیحت کرتے کرتے ہم گئے ہار ‌ ‌ ‌ اثر ہوتا نہیں پر تم کو زنہار
یہ پھر بھی کہتے ہیں تم سے بہ تکرار ‌ ‌ ‌ خدارا چھوڑ دو رسم شرک کفار
ہمارا کام سمجھانا ہے یارو! ‌ ‌ ‌ اب آگے چاہے تم مانو نہ مانو
اگر مانو تمہیں کو بہتری ہے ‌ ‌ ‌ نہ مانو گے تو پھر جاگہ وہی ہے
تمہیں نسریں کسی کی کیا پڑی ہے ‌ ‌ ‌ یہاں خود اپنے سر پر آبنی ہے

تو اپنے حال میں کچھ سوچ حشمت
زباں اب بند کر واللہ اعلم

(مولوی خرم علی مرحوم)

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ونسأل اللہ ان یرزقنا شفاعة سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیہم اجمعین۔ آمین ۰۰

حکیم محمد حسن عفی عنہ

تمام شد

یہ کتاب مفصلہ ذیل مقامات سے بھی مل سکتی ہے

(۱) حکیم غلام مصطفیٰ تاجر کتب کوچہ کندیگراں لاہور

(۲) محمد شریف عبد الغنی تاجران کتب کشمیری بازار لاہور

(۳) منیجر الہلال بک ایجنسی شیرانوالہ دروازہ لاہور

(۴) مشرقی کتب خانہ ملحقہ نمبر ۲۱ - لاہور

(۵) منیجر محبوب ایجنسی - ایمن آباد - پنجاب

(۶) منیجر کتب خانہ مدرسہ اسلامیہ رانگی واڑہ - کراچی

(۷) شرف الدین برادرز تاجران کتب کھڑک بازار بمبئی

(۸) مولوی عبد المجید تاجر کتب و ایڈیٹر رسالہ "مسلمان" سوہدرہ - پنجاب

(۹) منشی پیر محمد علی ملحقہ نمبر ۱۲ [illegible] - لاہور

مفید عام پریس لاہور میں باہتمام لالہ موتی رام منیجر چھپ کر شائع ہوئی